عصرِ حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج

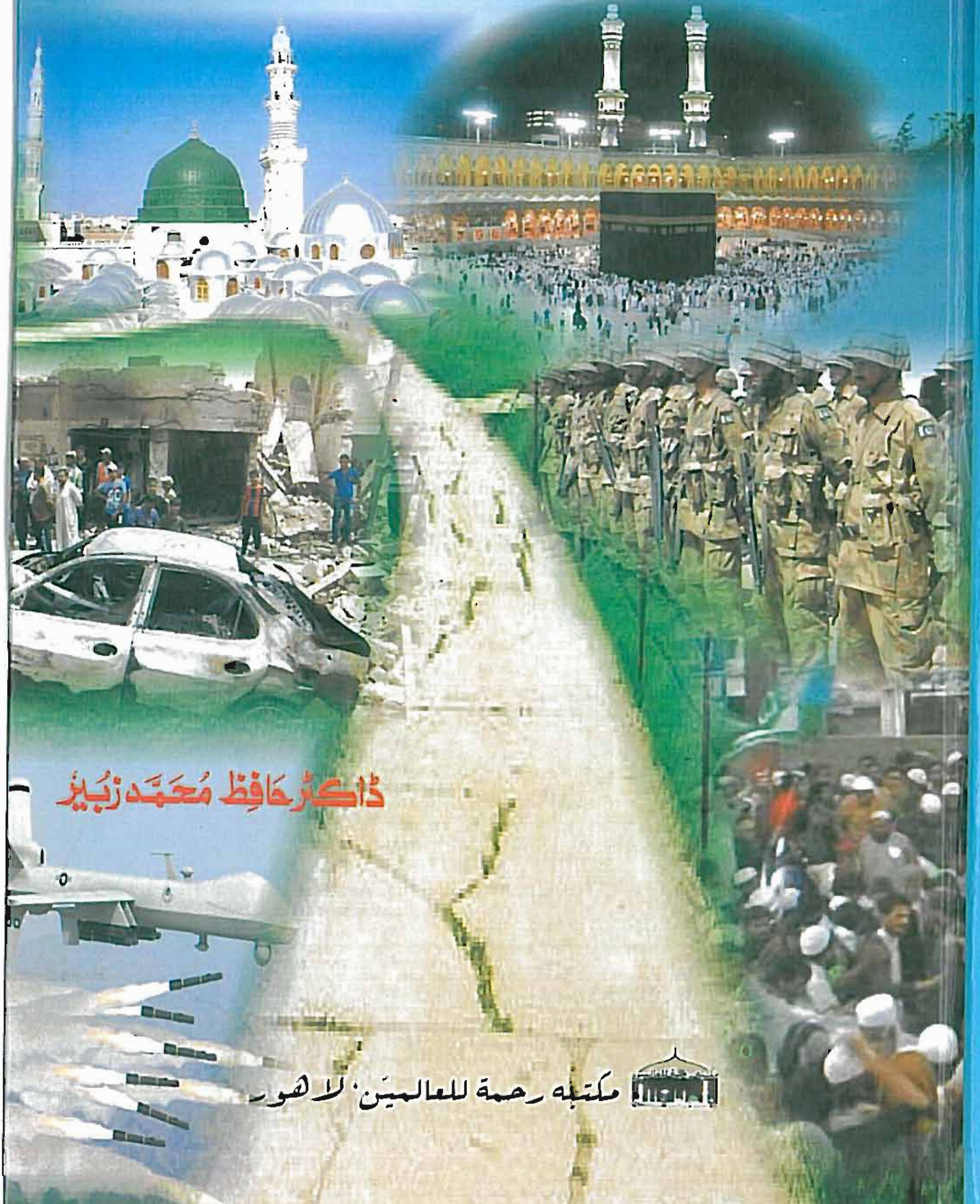

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

مکتبہ رحمۃ للعالمین، لاہور

عصر حاضر میں

تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج

✻

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

اسسٹنٹ پروفیسر، کامسیٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور

ریسرچ فیلو، مجلس تحقیق اسلامی، ۹۹-جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

ریسرچ فیلو، شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی، لاہور

ریسرچ فیلو، الاحیاء ادارہ علم وادب، لاہور

مکتبہ رحمۃ للعالمین

غازی روڈ، نذیر پارک، نزد جامع مسجد رحمۃ للعالمین، لاہور

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں!
مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور کو مصنف کی جملہ کتب کی اشاعت کی اجازت ہے۔

نام کتاب:	عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج
مصنف:	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
ترتیب وتہذیب:	محمد خلیق
ڈیزائننگ:	ابوالحسن علوی
ناشر:	مکتبہ رحمۃ للعالمین، لاہور
صفحات:	248
قیمت:	250 روپے
تعداد اشاعت:	1100
طبع اول:	جنوری 2013ء

ملنے کے پتے:

☆ عبدالمتین مجاہد: معرفت 36- کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 0300-4199099
☆ مکتبہ رحمۃ للعالمین، نذیر پارک، غازی روڈ، لاہور۔ 0301-4870097
☆ مجلس التحقیق الاسلامی، J-99، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 042-35839404
☆ دفتر تنظیم اسلامی: P-157، صادق مارکیٹ، ریلوے روڈ، فیصل آباد
☆ قرآن اکیڈمی: 25-آفیسرز کالونی، ملتان
☆ قرآن اکیڈمی: DM-55، درخشاں، خیابان راحت، فیز 6، ڈیفنس، کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾

(المائدۃ :48)

”اور تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت (قانون زندگی) اور ایک منہاج (قانون زندگی کے نفاذ و اجراء کا طریق کار) مقرر کیا ہے۔“

انتساب

طالبان افغانستان اور ہر اس تحریک کے نام جو نظام عدل وقسط کے قیام اور خلافت اسلامیہ کی بحالی کے لیے مصالح وحِکَم (Foresight and Public Interests) کا لحاظ رکھتے ہوئے جدوجہد کر رہی ہے۔

فہرست مضامین

مقدمہ i

باب اول: توحید حاکمیت اور تکفیر 3

❁ مصر میں تکفیر کی تحریک 4
❁ سعودی عرب میں تکفیر کی تحریک 9
❁ تکفیر کے بارے القاعدہ کے لٹریچر پر سلفی علماء کا تبصرہ 12
❁ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اور معاصر کبار سلفی علماء کا اختلاف 18
❁ شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی پہلی توجیہہ 23
❁ دوسری توجیہہ 24
❁ تیسری توجیہہ 25
❁ چوتھی توجیہہ 25
❁ پانچویں توجیہہ 27
❁ مجرد وضعی قانون کے مطابق فیصلہ یا اس کا نفاذ اور سلفی علماء کی رائے... 29
❁ پاکستان میں تکفیر کی تحریک 39
❁ پہلا سلفی گروہ 40
❁ دوسرا سلفی گروہ 43
❁ تیسرا سلفی گروہ 43
❁ تاتاری قانون 'الیاسق' سے معاصر حکمرانوں کی تکفیر پر استدلال....... 47
❁ مسئلہ تکفیر کی اصولی بنیادیں 50
❁ تکفیر معین اور غیر معین کا فرق 52
❁ کفر عملی کی تفصیل 58
❁ پہلا نکتہ 58

❀ دوسرا نکتہ 61
❀ تیسرا نکتہ 62
❀ چوتھا نکتہ 64
❀ پانچواں نکتہ 65
❀ حاکم بغیر ما أنزل اللہ کے بارے سلف صالحین کی رائے 66
❀ مصادر ومراجع 73

باب دوم: توحید حاکمیت بطور اصطلاح 89
❀ پہلا موقف 91
❀ دوسرا موقف 91
❀ تیسرا موقف 92
❀ خلاصہ کلام 100
❀ مصادر ومراجع 101

باب سوم: تکفیر کی شرعی بنیادیں 105
❀ آیت تحکیم 105
❀ آیت ولایت 111
❀ عقیدہ الولاء والبراء 125
❀ مصادر ومراجع 128

باب چہارم: خروج کی شرعی بنیادیں 135
❀ فاسق حکمرانوں کے خلاف خروج 135
  ❀ احادیث مبارکہ اور خروج 136
  ❀ اجماع امت کا دعویٰ 139
  ❀ مصلحت وحکمت 141

❁ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج........................ 142
❁ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خروج کے بارے نقطہ نظر.................. 151
❁ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کے دلائل.................. 159
❁ بے نماز حکمرانوں کے خلاف خروج........................ 168
❁ کفر بواح کے مرتکب حکمرانوں کے خلاف خروج.................. 171
❁ ظالم، بے نماز اور مرتد حکمرانوں کے خلاف خروج کی شرائط......... 174
❁ مصادر ومراجع.. 181

باب پنجم: معاصر جہاد: ایک تجزیاتی مطالعہ 191

❁ جہاد کشمیر.. 191
❁ شمالی وجنوبی وزیرستان کا جہاد: تاریخ واسباب.................. 201
❁ سوات کا جہاد: تاریخ واسباب.............................. 204
❁ لال مسجد کا جہاد: تاریخ واسباب........................... 205
❁ معاصر جہاد کا ایک تجزیاتی مطالعہ.......................... 209
❁ چند شبہات اوران کے جوابات.............................. 212
❁ قتال کی علت... 216
❁ قتال کی غایت.. 220
❁ مصادر ومراجع.. 223

چھٹا باب: پُرامن تحریک برائے نفاذ کتاب وسنت 227

❁ پُرامن تحریک برائے نفاذ کتاب وسنت: کرنے کا اصل کام......... 229

ساتواں باب: نفاذ شریعت کا منہج: دعوت وجہاد 239

❁ دین، شریعت اور منہاج کا فرق.............................. 239
❁ کیا سابقہ مناہج نفاذِ شریعت منسوخ ہیں؟...................... 240

❁ منہاجِ محمدی ﷺ کے مصادر.......................................242
❁ نفاذِ شریعت کا منہاج محمدی ﷺ 243
❁ فرد پر نفاذِ شریعت کا منہج دعوت ہے 244
❁ اجتماعیت پر نفاذِ شریعت کا منہج جہاد ہے................................ 247
❁ 'نفاذِ شریعت' اور 'نظام عدل کا قیام' کی اصطلاحات: چند گزارشات. 250
❁ پاکستان میں نفاذ شریعت کے تین مناہج.................................. 251
❁ پہلا منہج: انتخابی سیاست 251
❁ دوسرا منہج: خروج وقتال...252
❁ تیسرا منہج: تحریک واحتجاج.................................... 254
❁ مصادر و مراجع 256

مقدمہ

دین اسلام ایک معتدل اور متوازن ضابطہ حیات اور نظام زندگی ہے۔جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں انسانوں میں اصحاب اعتدال کے ساتھ ساتھ دو انتہائیں بھی ہمیشہ نظر آتی ہیں۔ دین اسلام کی تاریخ میں خلفائے راشدین اور بنوامیہ ہی کے دور سے اہل سنت کے معتدل اور متوازن مکتبہ فکر(School of Thought) کے بالمقابل دو انتہائیں اعتزال اور خوارجیت کے نام سے پیدا ہوئیں۔تحریک اعتزال سے معتزلہ وجود میں آئے کہ جنہوں نے یونانی فلسفہ وکلام کی روشنی میں دین اسلام کا ایک جدید ایڈیشن تیار کرتے ہوئے اسے معاصر فلسفہ ومنطق(Philosophy and Logic) کے مطابق دکھانے کی ناکام کوشش کی۔اس کے برعکس خوراجی رویے نے خوارج کو جنم دیا جنہوں نے اپنی انتہاپسندانہ سوچ کے مخالف مسلمان معاشروں کی تکفیر کرتے ہوئے انہیں نہ صرف مباح الدم اور واجب القتل قرار دیا بلکہ ان کے خلاف ایک باقاعدہ جنگ کا بھی آغاز کر دیا۔ عصر حاضر کی معروف اصطلاحات میں ہم اعتزال کو جدیدیت (Modernism) یا مابعد جدیدیت(Postmodernism) اور خوارجیت کو انتہا پسندی (Extremism) یا دہشت گردی(Terrorism) سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

معاصر دنیا میں تحریک جدیدیت اور دہشت گردی دونوں کی ابتدا مغرب سے ہوئی ہے اور ان دونوں تحریکوں نے اس عالم کے ایک بڑے خطے کو براہ راست یا بالواسطہ متاثر کیا ہے۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت نے مسلمانوں کے ایک ذہین، دنیاوی تعلیم یافتہ، اشرافیہ اور مقتدر طبقے میں سیکولرازم کی آبیاری کی اور مذہب کو ریاست واجتماعی زندگی سے بے دخل کرنے کے عقیدہ کے جراثیم داخل کر دیے۔ فی زمانہ اسکالرز اور تجزیہ نگاروں کی ایک ایسی جماعت بھی موجود ہے جو اسلام کی ایسی تعبیر وتشریح چاہتے ہیں جو مغربی فکروفلسفہ، جدید عمرانی وسائنسی نظریات اور سپر پاورز کی خارجہ پالیسیوں کے عین مطابق ہو۔اورتو اور، پاکستانی یونیورسٹیز میں پروفیسرز اور طلبا کا ایک ایسا گروہ بھی موجود ہے جو

انکارِ خدا اور انکارِ مذہب کی طرف نہ صرف مائل بلکہ اس کے حق میں دلائل کا انبار لیے پھرتا ہے۔ اسلامی معاشروں میں جدیدیت اور مابعدجدیدیت کے بیسیوں درجات اور ورژن پائے جاتے ہیں کہ جن کا ابتدائی مرحلہ مولوی اور مولویت کی مخالفت اور انتہائی مرحلہ خدا اور مذہب کی ضرورت سے انکار پر مشتمل ہوتا ہے۔

جدیدیت کی عالمی تحریک کے ساتھ ساتھ امریکہ اور اسرائیل نے اپنے مالی مفادات کے تحفظ اور ان میں اضافہ کے لیے عالم اسلام کے کئی ایک خطوں افغانستان، عراق اور فلسطین وغیرہ کو ریاستی دہشت گردی (State Terrorism) کا نشانہ بنایا۔ اس ریاستی دہشت گردی کا کئی ایک سطحوں پر مسلم معاشروں میں شدید ردعمل پیدا ہوا۔ امریکی اور اسرائیلی مظالم کے خلاف کئی ایک جہادی اور انقلابی تحریکیں وجود میں آئیں۔ ان میں سے بعض تحریکوں میں رفتہ رفتہ ردعمل کی نفسیات، غصہ، انتقام اور مزاج کی سختی جیسے رویوں نے انتہا پسندی کے عنصر کو جنم دیا۔ جہادی تحریکوں کے ایک حصے نے اُن مسلم حکومتوں کے خلاف بھی اعلان جنگ کر دیا جو اپنی کرپشن ، بزدلی یا کسی عام مصلحت کے پیش نظر ان کفار سے جنگی تعاون کر رہے تھے۔ یہیں سے مسلم معاشروں میں فساد اور بگاڑ کی ایسی لہر چل پڑی ہے کہ جس کا تا حال کوئی کنارہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ ظالم اور کرپٹ حکمرانوں، ان کی محافظ سکیورٹی فورسز اور ان کے حواریین کی تکفیر اور ان کے خلاف خودکش حملوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہو گیا اور پُرامن عوام الناس اور اہل علم کی ایک مختصر جماعت بھی تشدد کی اس تحریک کا شکار ہو گئی۔

اس سارے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی ایک جماعت کو یہ توفیق بخشی کہ وہ مسلم معاشروں میں پائی جانے والی اِن دو انتہاؤں کے مابین قدرے معتدل اور متوازن نقطہ نظر پیش کرے تا کہ امت مسلمہ جدیدیت اور خوارجیت کے مابین امت وسط کی صفت سے صحیح معنوں میں متصف ہو سکے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا ترجمان مجلّہ 'اجتہاد' ہو یا پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز کے ڈائریکٹر کا ماہنامہ 'تجزیات'، مولانا وحید الدین خان صاحب کا ماہنامہ 'تذکیر' ہو یا جاوید احمد غامدی صاحب کا ماہنامہ 'اشراق'۔ یہ مجلّات جدیدیت کی طرف مائل ہیں بلکہ ان میں سے بعض تو اس کے دعویدار بھی ہیں۔ ان میں سے کوئی جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ہاتھ میں اجتہاد کی باگ دوڑ تھما کر پاکستان کے مسائل

حل کرنا چاہتا ہے تو کوئی مذہب کو ریاست سے جدا کرنے میں خیر وعافیت اور ترقی کی راہ تلاش کر رہا ہے۔ ان میں سے کوئی دین کو سیاست و پارلیمنٹ سے جدا کرنے کا راستہ ہموار کر رہا ہے اور کوئی اسلام کے حرکی تصورات کو خانقاہی جمود میں تبدیل کرنے کا خواہاں ہے۔ان اداروں اور ان کے شائع کردہ تحقیقی کام کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ سب ردعمل کی نفسیات کا شکار ہیں اور یہ ردعمل پاکستان کی مذہبی جماعتوں، اسلامی تحریکوں ، مدارس اور علماء سے پیدا ہوا ہے۔اس ردعمل کی نفسیات کے محرکات اور اسباب کی بحث ہم کسی اور وقت کے لیے چھوڑے دیتے ہیں۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ تکفیر اور انتہا پسندانہ نظریات پر مشتمل مجلّہ 'نوائے افغان' ہو یا'حطین'، یہ رسائل بھی ردعمل کی نفسیات میں مبتلا ہیں اور یہ ردعمل امریکہ کی ریاستی دہشت گردی ، ڈرون حملوں، تیل ومعدنی ذخائر کے حصول اور عالمی چودھراہٹ کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمان عوام کے قتل عام، پاکستانی حکومت ،سکیورٹی فورسز اور ایجنسیوں کی طرف سے ریاستی دہشت گردی میں امریکہ سے تعاون، لال مسجد کے سانحہ، قبائلی رہنماؤں کو امریکہ کے حوالے کرنے ،جنوبی وزیرستان میں افواج پاکستان کے آپریشن اور شمالی وجنوبی وزیرستان میں ڈرون حملوں کے جواب میں پاکستانی حکومت کی طرف سے خاموشی کی وجہ سے ہے۔ یہ کرپٹ حکمرانوں کی ظالمانہ پالیسیوں کے خلاف نفرت اور بغض کا اظہار ہے کہ جس میں مذہب اور خدا کے نام پر بے جا سختی ، تشدد، غلو،عدم برداشت، اظہار بغض، عوامی خودکش حملوں اور ان جیسے بیسیوں رویوں کو جہاد و دین کے نام پر پیش کیا جا رہا ہے۔ ہماری نظر میں یہ درحقیقت دوفریقین کی جنگ ہے کہ جس کی ابتدا امریکہ اور پاکستانی حکومت نے کی ہے اور اس ظلم کے نتیجے میں تحریک طالبان پاکستان پیدا ہوئی اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہیں۔اس جنگ میں فریقین کی طرف سے تکلفاً مذہب اور دین کو گھسانے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ یہ حقوق وفرائض(Rights and Responsibilities) کی جنگ ہے کہ جس میں ظالم اور مظلوم کا تعین کیا جا سکتا ہے اور کرنا بھی چاہیے۔ ایک طرف پاکستانی حکومت نے طالبان کو دہشت گرد اور ریاست کا باغی قرار دیتے ہوئے اپنے اقدامات کو جہاد کا نام دیا تو دوسری طرف طالبان پاکستان نے اپنے پر کیے جانے والے ظلم کے بدلہ کو غلبہ دین کی

ایک جہادی تحریک کا رنگ دے دیا۔

اس معاشرے میں جدیدیت اور تشدد کی ان دو انتہاؤں کے مابین کچھ مجلّات اور رسائل ایسے بھی ہیں جو اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات اور نظام زندگی قرار دیتے ہوئے قدرے معتدل اور متوازن منہج کے ساتھ امت مسلمہ کی رہنمائی کر رہے ہیں جن میں فکر اہل حدیث کا ترجمان مجلّہ ماہنامہ 'محدث' اور جماعت اسلامی کا مجلّہ ماہنامہ 'ترجمان' اور تنظیم اسلامی کا مجلّہ ماہنامہ 'میثاق' شامل ہیں۔ یہ مجلّات نہ تو متجددین کی طرح دین کو پارلیمنٹ و سیاست، عدلیہ وحکومت، میڈیا ومعاشرت سے جدا کرتے ہوئے صرف مسجد و منبر تک محدود کر دینے کے قائل ہیں اور نہ ہی متشددین کی طرح لٹھ مارنے کے روایتی انداز ہی سے اس معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کتاب بھی ایسی ہی معتدل و متوازن فکر کی حامل ہے جو جدیدیت اور تشدد کے مابین امت وسط کے منہج کو واضح کر رہی ہے۔

ہم یہاں یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس وقت پاکستانی حکمران طبقے کی تکفیر اور حکومت پاکستان سے جنگ کی مخالفت کرنے والے دو مکاتب فکر موجود ہیں۔ ایک تو جدیدیت کی طرف مائل اسکالرز اور تجزیہ نگار ہیں، جیسا کہ اسلام آباد میں پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز (PIPS) نامی ادارہ ہے جس کی ویب سائیٹ http://san-pips.com کے عنوان سے موجود ہے۔ ان کا ایک ماہنامہ رسالہ 'تجزیات' ہے جس کے شمارہ جات ویب سائیٹ http://www.tajziat.com پر موجود ہیں۔ اس ادارے سے متعلق بعض محققین نے اسلام آباد سے کابل براستہ پشاور، پاکستان میں شدت پسندی، عسکریت اور رعیت، شدت پسندی: چند اہم فکری زاویے، عسکریت پسندی کا پھیلاؤ اور عسکریت پسندی: اہم زاویے وغیرہ کے عناوین سے چند کتابیں شائع کی ہیں۔ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ اس قسم کے اداروں اور ان کے لٹریچر کا مقصد امت مسلمہ میں مذہبی بنیادوں پر تحریک، مزاحمت اور اجتماعیت کے اصلاحی جذبے اور اس کی بنیاد ہی کو ختم کرنا ہے اگرچہ یہ ادارے سیکولر، جمہوری اور مغربی بنیادوں پر تحریک، مزاحمت اور اجتماعیت کی اصلاح کے ضرور قائل ہیں۔

ہماری اس کتاب کا مقصد اس جذبے کو اس کے صحیح رخ اور منہج پر ڈالنا ہے کیونکہ

شریعت اسلامیہ میں اِزالہ (elimination) نہیں بلکہ اِمالہ (tilt) ہے یعنی شرعی منہج میں کسی جذبے کو ختم نہیں کیا جاتا بلکہ صحیح رخ کی طرف موڑ دیا جاتا ہے۔ اسی لیے ہم نے تکفیر اور جنگ وجدال کی تردید کے ساتھ ساتھ پُرامن منہج انقلاب کی پُرزور حمایت اور تائید کی ہے۔

دجال کے پیش رو یہودیوں نے اس وقت عالم اسلام کے خلاف بہت ہی گہری سازشوں کے جال بچھا رکھے ہیں اور انہوں نے عالم کفر کو عالم اسلام کے خلاف کھڑا کرنے میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دی ہیں۔ امریکہ اس وقت ہماری ہی مذہبی اصطلاحات جہاد وقتال کو استعمال کرتے ہوئے جابجا مسلمانوں میں خانہ جنگی کے حالات پیدا کر رہا ہے تاکہ ایک طرف تو حکومتوں کے خلاف عوامی عسکری تحریکیں برپا کرنے کے جذبے کو فروغ دے کر مسلمان ریاستوں کو کمزور کیا جائے اور دوسری طرف مسلم حکومتوں کو عسکری تحریکوں کے نام پر مذہبی وتحریکی جذبے ہی کو کچلنے کے رستے پر لگا دیا جائے۔ ہمارے نوجوان مذہبی طبقے کو اس کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم ایک بہت ہی گہری سازش کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہمارے حقیقی دشمن امریکہ واسرائیل نے کمال دانشمندی سے ہمیں مذہب کے نام پر آپس میں ہی الجھا دیا ہے اور نتیجے کے طور دونوں طرف سوائے مسلمانوں کی تباہی کے کچھ نظر نہیں آ رہا۔ مسلمانوں کو اس قدر ایک دوسرے کا جانی وخونی دشمن بنا دیا گیا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) کے ایک رہنما کا بیان پڑھنے کو ملا کہ اگر امریکہ پاکستان پر حملہ کرے گا تو ٹی ٹی پی یہ سوچے گی کہ کس کا ساتھ دے کیونکہ ٹی ٹی پی کے موقف کے مطابق ایک طرف یہود و نصاریٰ یعنی کفار ہیں اور دوسری طرف پاکستانی حکمران یعنی مرتدین ہیں۔

اگر ہم غور کریں تو اس باہمی جنگ وجدال کے نتائج کے طور دو ہی صورتیں ممکن ہیں: یا تو ٹی ٹی پی کو سکیورٹی فورسز اور حکومت پاکستان کچل دیں تو اس صورت میں پاکستان میں نظام عدل وقسط کے قیام اور خلافت اسلامیہ کی بحالی کے لیے عسکری منہج اختیار کرنے کی ناکامی ثابت ہو جائے گی اور دوسری صورت یہ ہے کہ ٹی ٹی پی غالب آ جاتی ہے کہ جس کے غلبے کے زمینی امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس غلبے کی صورت میں بھی چونکہ عوام کی دینی، اخلاقی اور روحانی تربیت نہ ہونے کے برابر ہے لہٰذا مارے باندھے

کی اطاعت اور جبری اسلام کو یہ عوام کب تک برداشت کرے گی؟ اس کا صحیح رستہ یہی ہے کہ پہلے عوام الناس کی ایک معتد بہ تعداد کی دینی، اخلاقی اور روحانی تربیت کی جائے اور وہ اپنے جسم وجان اور گھر بار پر حقیقی معنوں میں اسلام نافذ کر چکے ہوں۔ پھر انہیں ایک نظم میں پِرو کر اس باطل نظام سے ٹکرا دیا جائے اور یہ ٹکراؤ بھی مصالح وحکمتوں اور جدید تقاضوں کی رعایت کا حامل ہو جسے ہمیں احتجاجی ٹکراؤ یا نرم انقلاب (soft revolution) کا نام دے سکتے ہیں۔

ہم مسلم معاشروں یا معاصر مقتدر طبقوں کی تکفیر کی عوامی تحریکوں کی بجائے ان کی اصلاح کے لیے کی جانے والی ہر ممکن کوشش کے حق میں ہیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ چودہ صدیوں میں ہم نے اتنے مسلمان نہیں کیے جتنے اس ایک صدی میں کافر بنا دیے ہیں۔ اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب جسم کا کوئی عضو گل سڑ جائے اور اس کی صحت کی کوئی امید بھی باقی نہ رہے تو بلاشبہ اسے کاٹ دینا ہی مناسب ہوتا ہے لیکن اگر کسی خراب عضو کی تندرستی کی امید ہو لیکن پھر بھی اسے کاٹ کر جسم سے علیحدہ کر دیا جائے تو یہ عمل خود اس جسم کے ساتھ کس قدر ظلم ہو گا، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ جہاں تک خروج کا معاملہ ہے تو ہمارے نزدیک فی زمانہ فرد اور ریاست میں طاقت کے عدم توازن کی وجہ سے اس کی اجازت دینا امت مسلمہ کو عسکری، سیاسی، معاشی، معاشرتی، اصلاحی اور دعوتی اعتبار سے مزید کمزور کرنے کے مترادف ہے۔

جہاد کی بات کریں تو اس وقت مسلم دنیا میں جہاں بھی ریاستی دہشت گردوں مثلاً امریکہ، اسرائیل، انڈیا اور نیٹو فورسز کی غلامی سے آزادی کی تحریکیں بر سر پیکار ہیں، چاہے وہ عراق ہو یا افغانستان، فلسطین ہو یا کشمیر، ہم ان غلام بنائے گئے مسلمان ممالک کے مظلوم شہریوں کی جانی، مالی، اخلاقی اور ہر قسم کی ممکن امداد کو ہی عصر حاضر میں جہاد کی اصطلاح کا صحیح مصداق سمجھتے ہیں اور اس جہاد کے حق میں ہیں۔ رہا مسلم ریاستوں کے مقتدر طبقوں کے ظلم وستم کو بنیاد بناتے ہوئے ان کے خلاف کسی قسم کی عسکری جدوجہد کرنا تو یہ ہمارے نزدیک جہاد نہیں بلکہ خروج کا مسئلہ ہے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ دجال کے ظہور سے پہلے کفر واسلام کے اس آخری معرکہ میں کسی معاون اسٹرکچر کو گرانے کی کوشش کرنا پَرلے درجے کی بے وقوفی ہے۔ البتہ مسلم ریاستوں میں انفرادی یا اجتماعی اصلاح

کے لیے ہم ہر قسم کی پُر امن جدو جہد کے پُر جوش حامی اور مؤید ہیں۔

اس کتاب کو طالبان افغانستان کے نام کرنے کا سبب بھی یہی ہے کہ طالبان افغانستان، فرعونِ وقت کے خلاف جہاد کا ایک نشان (symbol) بن چکے ہیں۔ اور یہ نشان ہمیں ہمارے اصل و حقیقی دشمن کی یاد دلاتا رہتا ہے اور اس ظالم دشمن کے خلاف جدوجہد میں ہمیں باہم متحد ہونے کی بنیاد فراہم کر سکتا ہے۔حکومت وقت اور ٹی ٹی پی کے مابین مذاکرات کا آغاز اس بارے ایک خوش آئند نقطہ آغاز ہو سکتا ہے۔

منہج تحقیق و تالیف

یہ کتاب کئی ایک ایسے مضامین کا مجموعہ ہے جو اس سے پہلے متفرق مجلّات میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان مضامین کی تہذیب و تنقیح کے ساتھ ان میں اضافہ کرتے ہوئے انہیں ایک کتاب کی شکل دی گئی ہے۔شروع شروع میں جب یہ مضامین شائع ہوئے تھے تو ان میں لب ولہجہ کی سختی موجود تھی، لیکن اب اس کی اصلاح کر لی گئی ہے۔ اس کتاب میں اسلوب بیان کو ممکن حد تک نرم کیا گیا ہے اور حدالامکان کوشش کی گئی ہے کہ کوئی ایسا جملہ نقل نہ ہو جو فریقین میں مزید ردعمل کا سبب بن جائے۔

کتاب کے حوالہ جات نقل کرتے ہوئے اصل مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔اگر کوئی کتاب میسر نہ ہو سکی تو مکتبہ شاملہ کی برقی کتاب کا حوالہ دے کر ناشر کے طور پر مکتبہ شاملہ کا نام درج کر دیا گیا ہے۔ اہل علم کے آڈیو فتاویٰ جات کی نقل میں انٹرنیٹ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور کسی ویب سائیٹ کا حوالہ دیتے ہوئے مضمون کا نام، مضمون نگار، تاریخ استفادہ اور متعلقہ ویب پیج نقل کیا گیا ہے۔ ہر باب کے حوالہ جات اس کے آخر میں دیے گئے ہیں۔کسی کتاب کے پہلے حوالہ میں اس کی مکمل تفصیل بیان کر دی گئی ہے جبکہ اُسی کتاب کے بقیہ حوالہ جات میں صرف کتاب کا نام اور متعلقہ جلد یا صفحہ دیا گیا ہے۔غیر ضروری حوالہ جات سے اجتناب کیا گیا ہے جبکہ معاصر تحقیق میں یہ عادت بن چکی ہے کہ جہاں ضرورت نہیں ہے، وہاں بھی حوالہ نقل کریں کیونکہ ریسرچ کا معیار حوالہ جات کی کثرت کے میزان میں تولا جانے لگا ہے۔

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر (ابوالحسن علوی)

باب اول

توحید حاکمیت اور تکفیر

اہل علم کے اقوال کی روشنی میں

باب اول

توحید حاکمیت اور تکفیر

اہل علم کے اقوال کی روشنی میں

۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت عثمانیہ کے سقوط کے ساتھ ہی امت مسلمہ میں سیاسی اجتماعیت کے حوالے سے ایک خلا پیدا ہو گیا۔ اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں احیائی اور انقلابی تحریکوں نے جنم لیا۔ دین اسلام کے اجتماعی' فکری' سیاسی' قانونی' آئینی' دستوری' معاشرتی ' انتظامی اور معاشی پہلوؤں سے متعلق بہت کچھ لکھا' پڑھا اور سنا گیا۔

بعض مسلم ممالک میں نفاذ شریعت' نظام خلافت کے قیام یا اقامت دین کے لیے جدوجہد کرنے والی تحریکوں پر معاصر حکمرانوں کی طرف سے شدید قسم کا ظلم وستم ہوا تو فطری ردعمل کے نتیجے میں اسلامی تحریکوں کے کارکنان کی ایک معتد بہ جماعت میں ان ظالم حکمرانوں کے خلاف نفرت اور عداوت کا جذبہ اس قدر بڑھ گیا کہ اس کا اظہار ان کی تکفیر کی صورت میں ہونے لگا۔ حالات پر گہری نظر رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ دنیا بھر میں جہاں جہاں بھی حکمرانوں کی تکفیر کی تحریک چلی ہے وہ ہمیشہ احیائی تحریکوں پر ظلم کے ردعمل میں پیدا ہوئی ہے۔ اگر اصولی اور نظری بات کی جائے تو خلافت عثمانیہ اور آج کی مسلمان حکومتوں میں کوئی بھی جوہری فرق نہیں ہے۔ خلافت عثمانیہ میں سوائے مجلّہ احکام عدلیہ کے' جو دیوانی قانون کے طور پر رائج تھا اور اس کی بھی پابندی عدالتوں کے لیے لازم نہ تھی' بقیہ تمام قوانین فرانسیسی' اطالوی اور برطانوی تھے [۱] بلکہ سلطنت عثمانیہ کے اساسی قانون میں یہ بات بھی موجود تھی کہ سود شرعاً حرام ہے اور قانوناً جائز ہے۔ علاوہ ازیں سلطنت کے قانون فوجداری میں یورپین قوانین کی تقلید میں حدود کو ساقط کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود اس وقت کے علماء میں سے کسی مکتب فکر کے کسی بھی عالم دین کو بھی ہم نہیں دیکھتے کہ وہ خلافت عثمانیہ کے حکمرانوں یا دوسرے الفاظ میں اس وقت

کے خلفاء کی تکفیر کر رہے ہوں۔

معاصر تحریکی نوجوان کی طرف سے حکمرانوں کی تکفیر کے اس مسئلہ میں غلط فہمی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بیانِ کفر اور تکفیر کو ایک ہی معنی میں لے لیا گیا ہے۔ کتاب وسنت اور علماء کے اقوال میں اکثر و بیشتر بیان کفر ہے اور بیانِ کفر ہر مسلمان پر واجب اور فرض ہے جبکہ تکفیر اس بیان کفر کے اطلاق کا نام ہے' چاہے فرد معین پر ہو یا غیر معین پر' اور اطلاق مجتہد یا مفتی کا کام ہے نہ کہ عوام الناس کا۔ ذیل میں ہم عالم اسلام کے نمائندہ ممالک میں تکفیر کی اس معاصر تحریک کے اسباب اور افکار کا ایک مختصر جائزہ اور تکفیر کا صحیح تصور سلفی علماء کے اقوال کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں۔

مصر میں تکفیر کی تحریک

بعض علماء کا کہنا ہے کہ مصر میں تکفیر کی تحریک کا آغاز اخوانی تحریک کے رہنما سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں سے ہوا۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"فی هذة المرحلة ظهرت كتب الشهيد سيد قطب' التی تمثل المرحلة الأخيرة من تفكيره' والتی تنضح بتكفير المجتمع' وتأجيل الدعوة إلى النظام الإسلامی بفكرة تجديد الفقه وتطويره' وإحياء الاجتهاد' وتدعوا إلى العزلة الشعورية عن المجتمع' وقطع العلاقة مع الآخرين. . . ويتجلى ذلك أوضح ما يكون فی تفسير 'فی ظلال القرآن' فی طبعته الثانية وفی 'معالم الطريق' ومعظمه مقتبس من الظلال." [۲]

''اس مرحلے میں سید قطب کی وہ کتابیں سامنے آئیں' جو سید قطب کے فکر کے آخری مرحلے کی نمائندگی کر رہی تھیں اور ان کتابوں میں اسلامی معاشروں کی تکفیر' نظام اسلامی کے قیام کی دعوت کو مؤخر کرنا اور فقہ اسلامی کی تجدید' تشکیل اور اجتہاد کے احیاء کی دعوت کو مقدم کرنا مترشح ہوتا ہے۔ اسی طرح سید قطب کی یہ کتابیں اسلامی معاشروں سے شعوری علیحدگی اور اپنوں کے علاوہ سے قطع تعلق کی دعوت دیتی ہیں... اور یہ تمام افکار ان کی تفسیر 'فی ظلال القرآن' کے دوسرے

ایڈیشن میں وضاحت سے موجود ہیں اور ان کی کتاب 'معالم الطریق' میں بھی ہیں اور اس کتاب کا اکثر حصہ 'فی ظلال القرآن' سے اقتباسات پر مشتمل ہے۔''

شیخ ابو حسام الدین طرفاوی نے بھی اپنی کتاب 'الغلو فی التکفیر' میں تکفیر کی فکر اور تحریک کی بنیاد سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیا ہے جبکہ اخوان کے امین عام دکتور محمود عزت کا کہنا ہے کہ سید قطب رحمہ اللہ کا آخری کلام مسلمان معاشروں کی تکفیر نہ کرنا تھا۔ [3]

جہاں تک سعودی سلفی علماء کا سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے رائے کا معاملہ ہے تو تقریباً تمام کبار سلفی علماء سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کو جلیل القدر صحابہ کرام پر طعن' انبیاء کے لیے غیر مناسب کلمات کے استعمالات' وحدت الوجود کے قائل ہونے' حلول کے عقیدے کے مطابق قرآنی آیات کی تفسیر کرنے' صفات باری تعالیٰ میں تحریف' مسلمان معاشروں کی تکفیر' مسئلہ جبر میں جبریہ کی تقلید' کلمہ توحید کی غلط تفسیر' عقیدے میں خبر واحد بلکہ خبر متواتر کا بھی انکار' قرآن کو اللہ کی مخلوق قرار دینا' میزان کا انکار' اشتراکیت کا قائل ہونے' روح کو ازلی قرار دینے' بتوں اور قبر پرستی کے شرک کو شرک اکبر نہ سمجھنا' رؤیت باری تعالیٰ' صفت ید' صفت وجہ اور استواء علی العرش کی باطل تاویلات پیش کرنا' صفت کلام سے مراد اللہ کا ارادہ لینا' نبوی معجزات کی توہین' اور عقیدہ الولاء والبراء میں غلو جیسی آراء سے متہم کرتے ہوئے انہیں عقیدہ و منہج میں بدعتی شمار کرتے ہیں۔ [4] سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ و منہج کے بارے سعودی عرب کی فتویٰ کمیٹی اور ہیئۃ کبار العلماء کے رکن شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے ایک رسالہ بعنوان 'براء ۃ علماء الأمۃ من تزکیۃ أھل البدعۃ والمذمۃ' مرتب کیا۔ علاوہ ازیں مدینہ یونیورسٹی کے استاذ شیخ ربیع المدخلی حفظہ اللہ نے بھی کئی ایک کتب میں سید قطب پر رد کیا ہے اور اس بارے ان کی مفصل کتاب 'أضواء إسلامیۃ علی عقیدۃ سید قطب وفکرہ' سلفی حلقوں میں ایک معروف کتاب ہے۔ علاوہ ازیں معروف سعودی عالم شیخ عبد اللہ الدویش حفظہ اللہ کی بھی سید قطب کے رد میں کافی تحریریں موجود ہیں جن میں سے 'المورد العذب الزلال فی التنبیہ علی أخطأ الظلال' ایک اہم تحریر ہے۔ شیخ ابو عبد الرحمٰن الراجحی حفظہ اللہ نے سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد کی تردید میں ایک قصیدہ عربی زبان میں لکھا جو عرب دنیا میں

'الهائية فی بیان عقیدة سید قطب البدعية' کے نام سے مشہور ہے۔

لیکن ہم یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی شے اس دنیا میں شر محض نہیں ہے۔ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ میں عقیدے کے بگاڑ کے باوجود بہت سی خوبیاں تھیں اور دین اسلام کے لیے ان کی قربانیاں ایک تسلیم شدہ امر ہے۔ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ پر مستقل کلام کے دوران ہم ان خوبیوں پر بھی روشنی ڈالیں گے لیکن اس وقت ہمارے زیر بحث مسئلہ 'عقیدہ' ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ 'عقیدہ' کے باب میں سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کوئی ایسی شخصیت نہیں ہیں کہ ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ وہ ایک داعی، مبلغ، مصلح اور ادیب تھے اور اس اعتبار سے ان کا مقام مسلّم اور قابل تعریف ہے لیکن ان کو عالم دین کے مقام پر فائز کرتے ہوئے عقیدہ و منہج میں ان کی پیروی کرنا یا نوجوانوں کو اس کی دعوت دینا درست طرز عمل نہیں ہے اور اسی امر کا رسوخ فی العلم رکھنے والے سلفی علماء نے شدت سے رد کیا ہے۔

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض جذباتی سلفی حضرات' سلفی علماء کے اس قسم کے رد کو کسی شخص کو رگیدنے یا اس کی شخصیت کو مسخ کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں حالانکہ علماء کا مقصد کسی شخص کی ذات کو گندا کرنا نہیں ہوتا بلکہ احقاق حق ہوتا ہے۔ کسی بھی داعی، مصلح یا خادم دین کے بارے انہیں عقیدہ یا منہج کی کسی خرابی کا علم ہوتا ہے تو یہ حضرات اس داعی یا مصلح کی پوری شخصیت ہی کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انبیاء و رسل کے علاوہ اس عالم بشری میں کوئی بھی معصوم نہیں ہے اور ہر کوئی خطا کا پتلا ہے لہٰذا کسی کی فکری خطا یا عقیدے کے بگاڑ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ اس کی من جملہ دینی خدمات یا اوصاف حسنہ ہی کا رد کر دیں۔ قرآن مجید تو بعض یہود تک کے اوصاف حسنہ پر ان کی تعریف کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ﴾ ۵

''اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ انہیں ڈھیروں مال پر امین بنا دیں تو وہ اسے آپ کو واپس کر دیں گے۔''

مصر میں بھی اگرچہ قانون سازی کی تاریخ ڈیڑھ سو سال پرانی ہے ۶ لیکن مصری حکمرانوں کے ظلم وستم کے خلاف ردعمل کی صورت میں تکفیر کی تحریک کا باقاعدہ آغاز سید

قطب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کی روشنی میں بیسویں صدی عیسوی کی ستر کی دہائی میں ہوا۔ ۷
مصر میں تکفیر کا دوسرا مرحلہ 'جماعت المسلمین' سے شروع ہوا جسے 'جماعة التکفیر والھجرة' کا نام دیا گیا۔ اس جماعت کی ابتداء حسن البناء رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ جماعت 'الإخوان المسلمون' کے ان اراکین سے ہوئی جنہیں حکومتِ مصر کی طرف سے پابند سلاسل کیا گیا اور ان پر معاصر حکام کی جانب سے شدید ظلم و ستم ہوا۔ ۱۹۶۷ء میں جیل میں قید اخوانیوں کے لیے جمہوریہ مصر کے صدر جمال عبدالناصر کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ اخوانی کارکنان صدر کی تائید و حمایت کریں۔ اکثر اخوانی اراکین نے اپنے آپ کو مجبور اور حالت اکراہ میں سمجھتے ہوئے صدر کی تائید کر دی جبکہ نوجوانوں کی ایک جماعت نے اس تائید سے انکار کر دیا اور صدر اور اس کے حواریوں حتی کہ ان اخوانیوں کو بھی مرتد قرار دیا جو صدر کی تائید کر چکے تھے۔ نوجوانوں کی اس جماعت نے یہ بھی کہا کہ جو ان مرتدین کو مرتد نہ کہے وہ بھی مرتد ہو جائے گا۔ ان نوجوانوں کے امام اس وقت انجینئر علی اسماعیل تھے۔ علی اسماعیل نے بعد میں اپنے افکار اور نظریات سے توبہ کر لی۔ ان کے بعد شکری مصطفیٰ نے ان نوجنواں کی قیادت سنبھال لی اور تنظیم کو بیعت کی بنیادوں پر منظّم کیا۔ شکری مصطفیٰ کے دور میں اس جماعت کے افکار و نظریات میں تشدد اور غلو میں اضافہ ہوا۔ جو بھی جماعت سے علیحدہ ہوتا تو اس کو وہ ایک طرف تو جسمانی سزا دینا اپنا حق سمجھتے تھے اور دوسری طرف اس کی تکفیر بھی کرتے تھے۔ ۳۰ مارچ ۱۹۷۸ء کو حکومت مصر کی طرف سے شکری مصطفیٰ اور ان کے ساتھیوں کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ شکری مصطفیٰ کے بعد اس جماعت کی قیادت ماہر عبداللہ زناتی نے سنبھال لی۔ ۸

اس جماعت کے بنیادی عقائد میں تکفیر اور ہجرت شامل ہے۔ تکفیر کے اصول کے تحت یہ ان حکمرانوں کی تکفیر کرتے ہیں جو اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ یہ حکمرانوں کے علاوہ ان مسلمان معاشروں کی بھی تکفیر کرتے ہیں جو اپنے حکمرانوں کے فیصلوں پر راضی ہوں یا انہیں ووٹ دیں یا کسی طرح سے بھی ان کے ساتھ تعاون کریں۔ یہ ان علماء کی بھی تکفیر کرتے ہیں جو شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرنے والے مسلمان حکمرانوں کی تکفیر نہیں کرتے۔ یہ جماعت تمام مسلمانوں کے لیے اپنے امام سے بیعت کو واجب قرار دیتی ہے۔ جس مسلمان تک ان کے امام کی دعوت پہنچ جائے اور وہ اس کی

بیعت نہ کرے تو اس مسلمان کی بھی وہ تکفیر کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی ان کی جماعت میں شامل ہونے کے بعد نکل جائے تو وہ بھی ان کے نزدیک مرتد اور واجب القتل ہے۔ اپنے ہجرت کے اصول کے تحت انہوں نے تمام اسلامی معاشروں کو دور جاہلیت کے معاشرے قرار دیا اور ان سے قطع تعلقی کا حکم جاری کیا۔ اس جماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ موجودہ اسلامی معاشروں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام نہیں ہے کیونکہ یہ جاہلی معاشرے ہیں اور جاہلی معاشرے کو اللہ کے رسول ﷺ نے ایمان کی دعوت دی لہذا ان مسلمان معاشروں کو بھی مکہ کے جاہلی معاشرے پر قیاس کرتے ہوئے صرف ایمان کی دعوت دینی چاہیے۔ اس جماعت کے بعض اکابرین کو پھانسی چڑھا دیا گیا' بعض نے اپنے افکار سے رجوع کر لیا اور بعض مختلف علاقوں اور بلاد اسلامیہ میں منتشر ہو کر اپنا یہ فکر عام کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ ❾

مصر میں تکفیر کی اس تحریک کا زوال تیسرے مرحلے میں الاخوان کے مرشد عام شیخ حسن الھضیبی رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوا۔ انہوں نے 'دعاۃ لا قضاۃ' کے نام سے کتاب لکھی اور اس میں اخوانیوں کو مسلمان معاشروں اور عمومی تکفیر سے منع کیا۔ انہوں نے اپنی تحریک کے اراکین میں اس بات کو اجاگر کیا کہ ہم داعی ہیں نہ کہ قاضی۔ شیخ نے یہ واضح کیا کہ اخوانیوں کا اصل کام لوگوں کی اصلاح ہے نہ کہ ان پر فتوے لگانا اور ان کے بارے کفر کے فیصلے جاری کرنا۔ ❿ شیخ قرضاوی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب 'ظاھرۃ الغلو فی التکفیر' میں اس کتاب کی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ اس کتاب نے اخوانیوں کو ان کے صحیح منہج اور کام کا احساس دلایا۔ ⓫

مصر کے معروف سلفی عالم دین شیخ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے یہ تاثر عام ہے کہ وہ حکمرانوں کی تکفیر کے قائل تھے۔ ہمارے علم کی حد تک ان کی کوئی بھی ایسی تحریر نہیں ہے جس میں انہوں نے توحید حاکمیت کی بنیاد پر مصری یا عثمانی حکمرانوں کی تکفیر کی ہو۔ ہاں، ان کی بعض ایسی تحریریں ضرور موجود ہیں جس میں انہوں نے وضعی قوانین کے مطابق فیصلے کرنے کو جائز قرار دینے والوں کو گمراہ قرار دیا ہے۔ شیخ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"وھذہ الآثار عن ابن عباس وغیرہ ممایلعب بہ المضللون فی عصرنا ھذا من المنتسبین للعلم' ومن غیرھم من الجراء علی الدین

يجعلونها عذرا أو إباحة للقوانين الوضعية الوثنية الموضوعة التى ضربت على بلاد المسلمين . " [۱۲]

''اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ان آثار وغیرہ کی بنیاد پر ہمارے زمانے کے بعض نام نہاد اہل علم اور دین کے معاملے میں جرات کا اظہار کرنے والے کھیل تماشہ کرتے ہیں اور وہ ان آثار کو بنیاد بناتے ہوئے ان شرکیہ وضعی قوانین کو قابل عذر یا مباح قرار دیتے ہیں جو مسلمان ممالک میں نافذ کیے گئے ہیں۔''

شیخ کی درج بالا عبارت اپنے موقف میں انتہائی صریح ہے۔اسی طرح بلاشبہ سلفی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خلافِ اسلام وضعی قوانین کا نفاذ یا ان کے مطابق فیصلے کرنے کو مباح یا قابل عذر سمجھنا' گمراہی تو کجا صریحاً کفر وشرک ہے۔شیخ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ اسی فعل کو ایک دوسری جگہ کفر بواح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إن الأمر فى هذه القوانين الوضعية واضح وضوح الشمس هى كفر بواح لا خفاء فيه . " [۱۳]

''ان وضعی قوانین کا معاملہ روز روشن کی طرح واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ایسا کفر بواح ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

وضعی قوانین کے کفریہ ہونے میں بھی کوئی شک نہیں ہے اور جو ان کفریہ قوانین کے مطابق فیصلوں کو جائز' حلال یا قابل عذر سمجھے تو اس کے اس عمل کے کفر بواح ہونے میں بھی کوئی شک نہیں ہے لیکن یہ واضح رہے کہ شیخ نے اس فعل کے فاعلین کو کافر قرار نہیں دیا ہے بلکہ شیخ کے بیانات میں اصل زور اس فعل کے کفریہ اور کفر بواح ہونے پر ہے۔

سعودی عرب میں تکفیر کی تحریک

سعودی حکمران خاندان آل سعود کی اسلام مخالف خارجہ پالیسیوں' عراق کے خلاف امریکی حکومت کو لاجسٹک سپورٹ' ہوائی اڈوں کی فراہمی اور امریکہ کے ساتھ حد سے بڑھے ہوئے تعلقات کے تناظر میں بعض اہل علم اور دینی طبقات کی طرف سے شدید ردعمل کا اظہار ہوا۔سعودی حکمرانوں نے اس ردعمل کے نتیجے میں اپنی اصلاح کی بجائے

ایسے تحریکی عناصر یا علماء کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کر دیا یا ملک بدر کر دیا یا جبر و اکراہ کے ساتھ یک طرفہ شرائط منواتے ہوئے اپنی سابقہ حیثیت پر برقرار رکھا۔ اس ظلم وستم کے نتیجے میں خاندانِ آل سعود کی تکفیر کی تحریک شروع ہوگئی۔ شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میرا اگلا پیغام اہل حل وعقد اور حق گو علماء کے نام ہے... یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ مجاہدین نے ابھی تک مکہ و مدینہ کی سرزمین پر قائم حکومت کے خلاف قتال شروع نہیں کیا۔ اگر اس قتال کا آغاز ہوا تو اس کا سب سے پہلا نشانہ اس علاقے کے حکام اور کفر کے امام (یعنی آل سعود) بنیں گے۔ فی الحال ہم صرف صلیبی اتحاد کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔'' (۱۴)

شیخ ماہر بن ظافر القحطانی فرماتے ہیں:

"أفتی بن لادن شیخ المفتین ألم تروا أنهم حکموا غیر شرع أحکم الحاکمین فکانوا به من الکافرین." (۱۵)

''مفتیانِ کرام کے شیخ اُسامہ بن لادن نے یہ کہتے ہوئے فتوی دیا ہے: کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ سعودی حکمرانوں نے احکم الحاکمین کی شریعت کے خلاف فیصلے کیے ہیں، پس اس وجہ سے وہ کافر ہیں۔''

سعودی حکمرانوں کے ظلم وستم کے خلاف یہ ردعمل اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ بعض تحریکی عناصر اب آل سعود کی حکومت کے ساتھ کسی قسم کے معاہدے' بحث مباحثے یا مکالمے تک کے قائل نہیں ہیں۔ ڈاکٹر حمد بن ابراہیم عثمان فرماتے ہیں:

"هذا التصور لهؤلاء المرتدین الذین أخذوا مقعد الحاکم الشرعی فی بلاد المسلمین یجعل الحوار معهم مستحیلا أصلا ولا حوار مع المرتدین شرعا وسیاسة إلا بالسیف والقتال فی سبیل الله." (۱۶)

''یہ ان [سعودی] مرتدین کا نقطہ نظر ہے جنہوں نے مسلمان ممالک میں شرعی امام کے منصب پر قبضہ کر لیا ہے اور ایسے مرتدین کے ساتھ ڈائیلاگ بالکل بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ مرتدین کے ساتھ نہ تو شرعاً ڈائیلاگ درست ہے اور نہ ہی سیاستہً بلکہ

ان کے ساتھ ایک ہی معاملہ درست ہے اور وہ جہاد اور قتال فی سبیل اللہ ہے۔''
ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"ليعلم الجميع أن عليهم إذا أرادوا منا أن نتراجع عن مبادئنا التى من أجلها خلقنا وبها أمرنا ومن أجلها دماء نا سفكنا فيلخرجوا محمدا من قبره ليقول لنا: لا تخرجوا المشركين من جزيرة العرب ليخرجوه ليقول: لا تجاهدوا المشركين من جزيرة العرب ليخرجوه ليقول: إنكم مخطئون متطرفون إرهابيون لا بدلكم أن تتراجعوا وتتوبوا' عندها فقط سنسمع ونطيع له." [١٧]

''ان سب کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے ان اصولوں اور مبادیات سے رجوع کریں جن کے لیے ہمیں پیدا کیا گیا ہے اور جن کا ہمیں پابند بنایا گیا ہے اور جن کی خاطر ہم نے اپنا خون بہایا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ محمد ﷺ کو قبر سے نکالیں تا کہ وہ ہمیں یہ کہیں: تم مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نہ نکالو۔ [اور وہ محمد ﷺ کو قبر سے نکالیں] تا کہ وہ ہمیں یہ کہیں: تم جزیرہ عرب کے مشرکوں سے جہاد نہ کرو تا کہ تم انہیں یہاں سے نکال دو۔ [اور وہ محمد ﷺ کو قبر سے نکالیں] تا کہ وہ ہمیں یہ کہیں: تم خطا کار' افراط و تفریط کا شکار اور دہشت گرد ہو۔ تمہارے لیے یہ لازم ہے کہ تم اپنے موقف سے رجوع کرو اور اللہ کی جناب میں توبہ کرو۔ تو تب ہم بات کو سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔''

بلاشبہ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ اور جہادی تحریکوں کے رہنماؤں کی امریکہ اور یورپین ممالک کے ظلم و ستم کے خلاف قربانیاں نا قابل فراموش ہیں اور ظالم مغربی ریاستوں کے خلاف ان کے اعمال و افعال کو ہمیشہ جمہور علماء کی تائید حاصل رہی ہے لیکن جب سے ان حضرات نے اپنی توپوں کا رخ امریکہ اور یورپ سے موڑ کر مسلمان حکمرانوں کی طرف بالعموم اور سعودی شاہی خاندان کی طرف بالخصوص کیا ہے' اس وقت سے یہ علماء کے ہاں ایک متنازع شخصیت بن گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سعودی حکمرانوں کی تکفیر اور ان کے خلاف خروج کے اس عمل کو تقریباً تمام سلفی علماء ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف اس جہاد کو فساد قرار دیتے ہیں۔

تکفیر کے بارے القاعدہ کے لٹریچر پر سلفی علماء کا تبصرہ

سعودی عرب کے بارے یہ بات واضح رہے کہ وہاں دوسرے اسلامی ممالک کی طرح سوائے انتظامی معاملات کے کوئی باقاعدہ وضعی قانون نافذ نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت کو سپریم لاء کی حیثیت حاصل ہے۔ [۱۸] اس کی وجہ یہ ہے کہ سعودی سلفی علماء کی اکثریت قانون سازی کے عمل ہی کو حرام قرار دیتی ہے' چاہے وہ فقہ حنبلی یا فقہ حنفی ہی کے مطابق کیوں نہ ہو۔ [۱۹] سعودی حکمرانوں کو دوسرا امتیاز یہ حاصل ہے کہ وہ اہل توحید میں سے ہیں اور توحید الوہیت کو نافذ کرنے والے ہیں۔ شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ سعودی حکمرانوں کی تکفیر اور ان کے خلاف خروج کے لٹریچر پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أما ما يقوم به الآن محمد المسعرى وسعد الفقيه وأشباههما من ناشرى الدعوات الفاسدة الضالة فهذا بلا شك شر عظيم وهم دعاة شر عظيم وفساد كبير والواجب الهذر من نشراتهم والقضاء عليها وإتلافها وعدم التعاون معهم فى أى شىء يدعوا إلى الفساد والشر والباطل والفتن لأن الله أمر بالتعاون على البر والتقوى لا بالتعاون على الفساد والشر ونشر الكذب ونشر الدعوات الباطلة التى تسبب الفرقة واختلال الأمن إلى غير ذلك؛ هذا النشرات التى تصدر من الفقيه أو من المسعرى أو من غيرهما من دعاة الباطل ودعاة الشر والفرقة يجب القضاء عليها وإتلافها وعدم الالتفات إليها ويجب نصيحتهم وإرشادهم للحق وتحذيرهم من هذا الباطل ولا يجوز لأحد أن يتعاون معهم فى هذا الشر ويجب أن ينصحوا وأن يعودوا إلى رشدهم وأن يدعوا هذا الباطل ويتركوه ونصيحتى للمسعرى والفقيه وابن لادن وجميع من يسلك سبيلهم أن يدعوا هذا الطريق الوخيم وأن يتقوا الله ويهذروا نقمته وغضبه وأن يعودوا إلى رشدهم وأن يتوبوا إلى الله مما سلف .“ [۲۰]

’’فساد اور گمراہی پر مبنی افکار و دعوت پھیلانے والوں میں سے محمد المسعری اور

سعد الفقیہ جیسے لوگ بھی شامل ہیں جو اپنی دعوت لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ ان کی دعوت ایک بہت بڑا شر ہے اور یہ لوگ ایک بڑے شر اور فتنے و فساد کے داعی ہیں۔ پس یہ لازم ہے کہ ان کی تحریروں سے بچا جائے اور ان کے نظریات کے خلاف فیصلہ کیا جائے اور ان کی کتابوں کو تلف کیا جائے اور ان کے ساتھ ہر اس کام میں عدم تعاون کیا جائے جو فتنے' فساد' باطل اور شر کی طرف لے جانے والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیکی اور تقوی کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا ہے اور فساد' شر' جھوٹ کی اشاعت اور ایسے باطل افکار جو تفرقے اور امن و امان کی خرابی وغیرہ کا سبب بنتے ہوں' کی اشاعت سے منع فرمایا ہے۔ یہ تحریریں جو سعد الفقیہ اور مسعری وغیرہ کی طرف سے شائع ہوتی ہیں جو شر' باطل اور امت میں تفرقے کے داعی ہیں۔ ان تحریروں کے خلاف فتویٰ دینا اور ان کو تلف کرنا اور ان کی طرف عدم التفات واجب ہے۔ اور ان لوگوں کو نصیحت کرنا، ان کی حق بات کی طرف رہنمائی اور ان کو ان باطل افکار سے ڈرانا بھی ایک شرعی فریضہ ہے۔ کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ اس شر میں تعاون کرے اور ان لوگوں پر یہ لازم ہے کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ہدایت کے رستے کی طرف پلٹ آئیں اور اس باطل کو چھوڑ دیں۔ مسعری' فقیہ اور اسامہ بن لادن اور جو شخص بھی ان کے رستے کو اختیار کرے' کو میری [شیخ بن باز کی] نصیحت یہ ہے کہ وہ اس گندے رستے کو چھوڑ دیں اور اللہ سے ڈریں اور اللہ کے انتقام اور غضب سے بچیں اور رشد و ہدایت کی طرف لوٹ آئیں اور جو کچھ ہو چکا اس سے اللہ کی جناب میں توبہ کریں کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے اور ان کے ساتھ احسان کا وعدہ فرمایا ہے۔''

شیخ صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ سعودی حکمرانوں کی تکفیر اور عیوب کے بارے رائج لٹریچر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ولقد انتشر فی الآونة الآخیرة نشرات تأتی من خارج البلاد وربما تکتب فی داخل البلاد ' فیها سب ولاة الأمور والقدح فیهم ولیس فیها ذکر أی خلصة من خصال الخیر التی یقومون بها وهذه بلا

شك من الغيبة و إذا كانت من الغيبة فإن قراء تها حرام وكذلك تداولها حرام ولا يجوز أن يتداولها ولا أن ينشرهابين الناس وعلى من رآها أن يمزقها أو يهرقها لأن هذه تسبب الفتن تسبب الفوضى تسبب الشر ولقد حذر مفتى هذه المملكة شيخنا عبد العزيز بن باز وفقه الله ورحمه بالدنيا والآخرة." [21]

''آج کل مملکت عربیہ اور دوسرے مما لک سے کچھ ایسی چیزیں نشر ہو رہی ہیں جن میں سعودی حکمرانوں کو برا بھلا کہا جاتا ہے اور ان پر طعن کیا جاتا ہے اور ان نشریات میں ان کی کسی ایسی بھلائی یا اچھی خصلت کا تذکرہ تک نہیں ہوتا جسے وہ قائم کرتے ہیں اور یہ بلا شبہ غیبت میں شامل ہے۔ پس جبکہ یہ غیبت ہے تو اس کا پڑھنا بھی حرام ہے اور اسی طرح اس کا آگے پھیلانا بھی حرام ہے۔ ایسی نشریات کا پھیلانا یا انہیں عوام الناس کے مابین عام کرنا جائز نہیں ہے اور جو بھی شخص ایسی نشریات دیکھے وہ انہیں پھاڑ دے یا پانی میں بہا دے کیونکہ یہ فتنے' شر اور انتشار کا سبب بنتی ہیں اور مملکت عربیہ کے مفتی اعظم شیخ بن باز اس بارے متنبہ کر چکے ہیں [کہ ان نشریات کو پھاڑ دینا چاہیے]۔ اللہ شیخ پر دنیا اور آخرت میں رحم فرمائے۔''

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی سعودی حکمرانوں کی تکفیر اور ان کے خلاف خروج کے بارے فرماتے ہیں:

"السوال: لايخفى عليكم تاثير أسامه بن لادن على الشباب فى العالم ' فالسوال هل يسوغ لنا أن نصفه أنه من الخوارج لا سيما أنه يؤيد التفجيرات فى بلادنا وغيرها؟ الجواب: كل من اعتق هذا الفكر ودعا إليه وحرض عليه فهو من الخوارج بقطع النظر عن اسمه وعن مكانه فهذه قاعدة أن كل ما دعا إلى هذا الفكر و هو الخروج على ولاة الأمور وتكفير واستباحة دماء المسلمين فهو من الخوارج." [22]

''سوال: آپ پر نوجوان نسل میں اسامہ بن لادن کی شخصیت کی تاثیر مخفی نہیں ہے'

پوچھنا یہ ہے کہ کیا ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ ہم ان کو خوارج میں شمار کریں خاص طور پر اس وجہ سے کہ وہ ہمارے ممالک اور اس کے علاوہ مسلمان ممالک میں خود کش دھماکوں کی تائید کرتے ہیں؟ جواب: جس کا بھی یہ فکر ہو اور جو بھی اس فکر کا داعی ہو اور اس کی لوگوں کو ترغیب دے تو خوارج میں سے ہے' چاہے اس کا نام یا اس کا مقام کچھ بھی ہو۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص بھی اس فکر کا داعی ہو یعنی مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج' ان کو کافر قرار دینے اور مسلمانوں کے خون کو مباح سمجھتا ہو تو وہ خارجی ہے۔''

شیخ عبد العزیز آل الشیخ حفظہ اللہ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ علیہ کے بارے فرماتے ہیں:

"السوال : هل يجوز أن يقال أن ابن لادن ضال وهل يجوز للمسلمين الذين ليس عندهم علم كاف أن يستمعوا إلى خطابته فى الأنترنت؟ الجواب: يا إخوانى هؤلاء هم سبب الشر والفساد وهم لا شك ضالون فى طريقتهم ." [23]

''سوال: کیا یہ جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ اسامہ بن لادن ایک گمراہ آدمی ہے اور کیا جاہل مسلمانوں کے لیے یہ درست ہے کہ وہ انٹرنیٹ وغیرہ پر اس کے خطابات سنیں ؟ جواب: میرے بھائیو! یہ لوگ شر و فساد کی جڑ ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ گمراہ ہیں۔''

ہیئۃ کبار العلماء نے بھی سعودی حکمرانوں کی تکفیر اور ان کے خلاف خروج کے قائلین کو متنبہ اور خبردار کیا ہے۔ شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"السوال : لماذا لا تصدر فتاوى من كبار العلماء تحذر من رؤوس الخوارج مثل بن لادن والفقيه والظواهرى حتى لا يغتر بهم كثير من الناس. الجواب : ظهر من هيئة كبار العلماء عدة قرارات بالتنديد من هذه الأعمال و أصحابها ." [24]

''سوال: کبار علماء کی طرف سے ایسے فتاویٰ جاری کیوں نہیں ہوتے جن میں خارجیوں کے سرغنہ اسامہ بن لادن' سعد الفقیہ اور ایمن الظواہری وغیرہ کے بارے لوگوں کی رہنمائی کی جائے تاکہ ان کی وجہ سے لوگوں کی اکثریت دھوکے کا

شکار نہ ہو جائے؟ جواب: ہیئۃ کبار العلماء کی طرف سے ان اصحاب اور ان کے اعمال و افعال کی مذمت میں کئی ایک قرار دادیں پاس ہو چکی ہیں۔''

شیخ صالح اللحیدان حفظہ اللہ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی تنظیم کے بارے فرماتے ہیں:

"ما موقف المسلم من تنظيم القاعدة ومنهجها الذى يتزعمه أسامة بن لادن. الجواب: لا شك أن هذا التنظيم لا خير فيه ولا هو فى سبيل صلاح وفلاح... ثم هذا التنظيم هل نظم لقتال الكفار وإخراجهم من بلاد الإسلام والتوجه إلى البلاد التى ترزح تحت دول غير إسلامية لنشر الدين فيها أو هذه القاعدة تحت الشعوب فى أوطانها على الخروج على سلطانها ليحصل بذلك سفك دماء وإهدار حقوق وتدمير منشآت وإشاعة خوف." [۲۵]

''ایک مسلمان کی القاعدہ نامی تنظیم اور اس کے منہج کے بارے کیا رائے ہونی چاہیے جس کی سربراہی جناب اسامہ بن لادن فرما رہے ہیں؟ جواب: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس تنظیم میں کوئی خیر نہیں ہے اور نہ ہی یہ اصلاح و فلاح کے رستے پر ہے...سوال یہ ہے کہ کیا یہ تنظیم کفار سے قتال اور ان کافروں کو مسلمان ممالک سے نکالنے یا کافر حکومتوں کے بوجھ تلے دبے اسلامی ممالک میں دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے منظّم کی گئی ہے یا اس تنظیم کا اصل کام مسلمان ممالک میں مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج ہے تاکہ اس سے دونوں طرف سے مسلمانوں کا خون بہے' حقوق تلف ہوں' تنصیبات تباہ ہوں اور مسلمان معاشروں میں خوف و ہراس پھیل جائے۔''

ان فتاویٰ کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کی مسلمان حکمرانوں کی تکفیر اور ان کے خلاف خروج کی تحریک کو سلفی اہل علم کے طبقے میں ذرہ برابر بھی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ بعض مجاہدین کا کہنا ہے کہ اسامہ بن لادن سعودی حکمرانوں کی تکفیر اور ان کے خلاف خروج کے مخالف تھے یہاں تک انہیں ایمن الظواہری کی صحبت نصیب ہوئی اور ایمن الظواہری نے ان میں اس تکفیری فکر کی بنیاد ڈالی۔ اس کی گواہی مجاہد عظیم شیخ

عبداللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کے اہل خانہ نے بھی دی ہے۔ [۲۶] اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست ایمن الظواہری مصری ہیں اور 'جماعة التكفير والهجرة' سے متاثر ہیں۔ یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ تکفیر کی تحریک کے جتنے بھی قائدین ہیں وہ جذباتی نوجوان ہیں یا پھر غیر معروف علماء۔ [۲۷] مثلاً محمد المسعری ایک میڈیکل ڈاکٹر' سعد الفقیہ فزکس میں پی ایچ ڈی' ایمن الظواہری سرجری میں ایم اے اور اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ سعودی نظام تعلیم کے مطابق ثانوی [ایف اے] پاس جبکہ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ ایک ادیب ہیں۔

حق تو یہ تھا کہ سعودی حکمرانوں کی تکفیر کرنے والے یہ حضرات' کبار سلفی علماء کے فتاویٰ اور نصائح کو قبول کرتے لیکن اس کا ردعمل ان حضرات کی طرف سے یہ سامنے آیا کہ انہوں نے ان کبار اہل علم کے علمی مقام ومرتبہ کا ہی انکار شروع کر دیا۔ ایمن الظواہری فرماتے ہیں:

"قال شيخنا علامة زمانه أيمن الظواهري المصري فابن باز وابن عثيمين أسماء براقة من استمع اليها كان من الجاهلين فأعرضوا عنهم تكونوا سالمين فالسمع والطاعة للمضحين المجاهدين لا لعملاء السلطان المداهنين." [۲۸]

''علامۃ الزمان جناب شیخ ایمن الظواہری مصری نے یہ کہا ہے کہ بن باز اور بن عثیمین تو درحقیقت خوشنما نام ہیں، جو بھی ان کو سنے گا وہ جہلاء میں سے ہو جائے گا۔ پس تم ان سے اعراض کرو تا کہ تمہارا فکر صحیح رہے اور اصل اطاعت ان مجاہدین کی کرو جو قربانی دینے والے ہیں نہ کہ ان علماء کی جو درباری مولوی ہیں اور دین کے معاملے میں مداہنت کرنے والے ہیں۔''

بعض جذباتی تحریکی نوجوانوں کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ حقیقی عالم دین یا تو وہ ہے جو جیل میں ہے یا پھر میدان جنگ میں' اس کے علاوہ ہم کسی کو عالم دین ہی نہیں مانتے۔ عالم دین کی اس نئی تعریف کے مطابق اب تو ظاہری وضع قطع کی بھی اتنی اہمیت نہیں رہی۔ عالم بلکہ امام بننے کی اصل شرط حکمرانوں کی تکفیر ٹھہری۔ آپ آج تکفیر شروع کر دیں' کل سے آپ کے نام کے ساتھ امام کا سابقہ لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

آمین!

شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمۃ اللہ علیہ اور معاصر کبار سلفی علماء کا اختلاف

سعودی سلفی علماء میں شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے 'تحكيم بغير ما أنزل الله' کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنے رسالہ 'تحكيم القوانين' میں اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو دائرہ اسلام سے خارج کرتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی۔ تحکیم کی وہ صورتیں جو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا سبب بنتی ہیں' شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھ ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں:

"أن الحاكم بغير ما أنزل الله كافر إما كفر اعتقاد ناقل عن الملة وإما كفر عمل لا ينقل عن الملة. أما الأول: وهو كفر الاعتقاد فهو أنواع؛ أحدها: أن يجحد الحاكم بغيرما أنزل الله أحقية حكم الله ورسوله... الثاني: أن لا يجحد الحاكم بغير ما أنزل الله كون حكم الله ورسوله حقا لكن اعتقد أن حكم غير الرسول أحسن من حكمه وأتم وأشمل... الثالث: أن لا يعتقد كونه أحسن من حكم الله ورسوله لكن اعتقد أنه مثله فهذا كالنوعين قبله في كونه كافرا الكفر الناقل عن الملة... الرابع: أن لا يعتقد كون حكم الحاكم بغير ما أنزل الله مماثلا لحكم الله ورسوله فضلا عن أن يعتقد كونه أحسن منه لكن اعتقد جواز الحكم بما يخالف حكم الله ورسوله." (۲۹)

''اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے والا حاکم کافر ہوتا ہے اور اس کا کفر بعض صورتوں میں اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور بعض صورتوں میں اسے خارج نہیں کرتا۔ پہلی صورت کو ہم اعتقادی کفر کا نام دیتے ہیں اور اس کی درج ذیل قسمیں بنتی ہیں: پہلی قسم تو یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے والا حاکم' اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم [قانون] کے حق ہونے کا ہی انکاری ہو... دوسری صورت یہ ہے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے

علاوہ فیصلہ کرنے والا حاکم' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم [قانون] کو تو حق مانتا ہو لیکن اس کا اعتقاد یہ ہو ان کے علاوہ [مثلاً انگریز وغیرہ] کا حکم [قانون] اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم [قانون] سے زیادہ بہتر' جامع اور مکمل ہے... تیسری قسم یہ ہے کہ [اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے والا حاکم] یہ اعتقاد تو نہ رکھے کہ غیر اللہ کا قانون' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون سے بہتر ہے لیکن ان دونوں کو برابر حیثیت دے تو اس صورت میں بھی اس حاکم کا کفر ایسا ہو گا جو اسے ملت اسلامیہ سے خارج کر دے گا... چوتھی صورت یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے والا حاکم نہ تو غیر اللہ کے قانون کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون سے بہتر سمجھے اور نہ ہی اس کے برابر سمجھتا ہو لیکن اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف قانون سے فیصلہ کرنا بھی جائز ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سلفی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان چار قسم کے اعتقادی کفر کے ساتھ غیر اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنے والا حاکم یا جج دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن اس صورت میں بھی معین تکفیر اس وقت تک جائز نہ ہو گی جب تک کہ رسوخ فی العلم رکھنے والے علماء کی ایک جماعت شروط اور موانع کا لحاظ رکھتے ہوئے کسی معین حکمران یا جج کی تکفیر نہ کر دے۔ ہاں! ان چار صورتوں کو اصولی انداز میں ہر کوئی بیان کر سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ شارح عقیدہ طحاویہ شیخ ابن ابی العز الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وهنا أمر يجب أن يتفطن له وهو : أن الحكم بغير ما أنزل الله قد يكون كفرا ينقل عن الملة وقد يكون معصية كبيرة أو صغيرة ويكون كفرا: إما مجازيا وإما كفرا أصغر على القولين المذكورين. وذلك بحسب حال الحاكم: فإنه إن اعتقد أن الحكم بما أنزل الله غير واجب ' وأنه مخير فيه' أو استهان به مع تيقنه أنه حكم (الله) فهذا كفر أكبر. وإن اعتقد وجوب الحكم بما أنزل الله وعلمه فى هذه الواقعة وعدل عنه مع اعترافه بأنه مستحق للعقوبة' فهذا عاص

ويسمى كفرا مجازيا أو كفرا أصغر . ومن جهل حكم الله فيها مع بذل جهده واستفراغ وسعه فى معرفة الحكم وأخطأ فهذا مخطى له أجر على اجتهاده وخطؤه مغفور . " ﴿۳۰﴾

''یہاں ایک اہم نکتے کو سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرنا بعض اوقات ایک ایسا کفر ہوتا ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے اور بعض اوقات یہ گناہ کبیرہ یا صغیرہ ہوتا ہے اور ان دو صورتوں میں اس کو مجازی کفر یا کفر اصغر کہیں گے اور اس کا فیصلہ حکمران کے حالات کے مطابق ہو گا۔اگر کسی حکمران کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کرنا غیرواجب ہے یا اختیاری ہے یا اس نے کسی حکم شرعی کو یقین کے ساتھ اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا تو یہ تمام صورتیں کفر اکبر ہیں۔اور اگر کسی حکمران نے کسی واقعے میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کو تو واجب سمجھا لیکن اس نے اس شرعی حکم کے ساتھ اس مقدمے کا فیصلہ نہ کیا جبکہ وہ اس بات کا معترف بھی ہو کہ وہ اپنے اس عمل کی بنا پر سزا کا مستحق ہے تو ایسا حکمران گناہ گار ہے اور اس کے کفر کو بھی مجازی کفر یا کفر اصغر کہیں گے۔اسی طرح جو حکمران اپنی مقدور بھر کوشش اور طاقت صرف کرنے کے باوجود اللہ کا حکم معلوم نہ کر سکا اور اپنے اجتہاد میں خطا کی بنا پر اللہ کے حکم کے مطابق اس نے فیصلہ نہ کیا تو یہ حکمران مجتہد مخطی ہے اور اسے اپنے اجتہاد کا ثواب ملے گا اور اس کی خطا قابل معافی ہے۔''

شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"من حكم بغير ما أنزل الله فلايخرج عن أربعة أنواع:١ـ من قال أنا أحكم بهذا لأنه أفضل من الشريعة الإسلامية فهو كافر كفرا أكبر . ٢ـ ومن قال : أنا أحكم بهذا لأنه مثل الشريعة الإسلامية فالحكم بهذا جائز وبالشريعة جائز؛ فهوكافر كفرا أكبر . ٣ـ ومن قال : أنا أحكم بهذا والحكم بالشريعة الإسلامية أفضل لكن الحكم بغير ما أنزل الله جائز فهو كافر كفرا أكبر . ٤ـ ومن قال أنا أحكم بهذا وهو

يعتقد أن الحكم بغير ما أنزل الله لايجوز ويقول : الحكم بالشريعة الإسلامية أفضل ولا يجوز الحكم بغيرها ولكنه متساهل أو يفعل هذا لأمر صادر عن حكامه فهو كافر كفرا أصغر لا يخرج عن الملة ويعتبر من أكبر الكبائر .“ [۳۱]

’’جس نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ سے فیصلہ کیا تو وہ چار صورتوں میں سے ایک صورت میں لازماً داخل ہوگا۔۱: جو شخص یہ کہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ [مثلاً انگریزی قوانین] سے اس لیے فیصلہ کرتا ہوں کہ اسے شریعت اسلامیہ سے بہتر خیال کرتا ہوں تو ایسا شخص کافر ہے اور اس کا کفر' کفر اکبر ہے۔۲: اور جو شخص یہ کہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ [مثلاً انگریزی قوانین] سے فیصلہ اس لیے کرتا ہوں کہ ان [قوانین] اور شریعت اسلامیہ کا درجہ برابر سمجھتا ہوں لہٰذا ان [قوانین] کے مطابق فیصلہ کو جائز سمجھتا ہوں تو ایسا شخص بھی کافر ہے اور اس کا کفر' کفر اکبر ہے۔۳: جو کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ [قوانین] سے فیصلہ اس لیے کرتا ہوں کہ ان کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے اگرچہ شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ افضل ہے تو ایسا شخص بھی کافر ہے اور اس کا کفر' کفر اکبر ہے۔۴: اور جو شخص یہ کہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ [قوانین] سے فیصلہ کرتا ہوں لیکن میرا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ [قوانین] سے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہو کہ شریعت اسلامیہ سے فیصلہ کرنا ہی افضل ہے اور شریعت کے علاوہ [قوانین] سے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے لیکن وہ شخص متساہل ہو یا اپنے حکمرانوں کے مجبور کرنے کی وجہ سے ایسا کرتا ہو تو ایسا شخص بھی کافر ہے لیکن اس کا کفر' کفر اصغر ہے اور اس کفر کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوگا اور ایسا کفر' اکبر الکبائر میں سے ہے۔‘‘

شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اس مسئلے میں بہت واضح ہے کہ جب تک کوئی شخص شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے کو حلال نہ سمجھتا ہو' اس وقت تک وہ کافر نہیں ہوتا۔ استحلال کی یہی شرط ہے جو جمیع سلفی علماء نے عائد کی ہے۔

البتہ سعودی علماء میں شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے توحید حاکمیت کی بنیاد پر تکفیر کے حوالے سے ایک ایسے موقف کا اظہار کیا ہے جو بعض حضرات کے لیے پریشانی کا باعث بنا ہے۔ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ 'رسالة تحكيم القوانين' میں توحید حاکمیت کی بنیاد پر تکفیر کی چھ قسمیں بیان کرتے ہیں۔ ان میں چار کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اور یہ چار سلفی علماء میں اتفاقی ہیں۔ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے توحید حاکمیت کی بنیاد پر تکفیر کی پانچویں اور چھٹی قسم بیان کی ہے جو قابل بحث اور خصوصی توجہ کے لائق ہیں۔

شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے ظاہر کے مطابق اگر کوئی حکمران یا قاضی یا جرگہ مجرد وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرتا ہو' چاہے وہ اپنے اس عمل کو حرام یا ناجائز ہی کیوں نہ سمجھتا ہوں تو وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں:

"الخامس: . . . فهذه المحاكم فى كثير من أمصار الإسلام مهيأة مكملة مفتوحة الأبواب والناس إليها أسراب إثر أسراب يحكم حكامها بينهم بما يخالف حكم السنة والكتاب من أحكام ذلك القانون وتلزمهم به وتقرهم عليه وتحتمه عليهم. فأى كفر فوق هذا الكفر وأى مناقضة للشهادة بأن محمدا رسول الله بعد هذه المناقضة. . . السادس: ما يحكم به كثير من رؤوساء العشائر' والقبائل من البوادى ونحوهم من حكايات آبائهم وأجدادهم وعاداتهم." [۳۲]

''پانچویں قسم میں ...ایسی بہت سی عدالتیں آج بلاد اسلامیہ میں موجود ہیں جن کے دروازے ہر خاص وعام کے لیے کھلے ہیں اور لوگ جوق در جوق ان عدالتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان عدالتوں کے حکمران لوگوں کے مابین اس وضعی قانون سے فیصلے کرتے ہیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہے اور ان قوانین کو عوام الناس پر لاگو بھی کرتے ہیں اور عوام کو ان پر برقرار رکھتے ہیں اور انہی قوانین کو ان کے لیے حتمی قرار دیتے ہیں۔ پس اس کفر سے بڑھ کر اور کون سا کفر ہو گا اور

محمد رسول اللہ ﷺ کی اس سے زیادہ مخالفت کیا ہو گی؟...چھٹی قسم میں علاقائی قبائل اور جرگوں کے سردار شامل ہیں جو اپنے آباء واجداد کی رسومات اور حکایات کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔''

معاصر کبار سعودی علماء' شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس نقطہ نظر سے اتفاق نہیں کرتے اور سلفی علماء کی طرف سے ان کے اس فتویٰ کے کئی ایک جوابات دیے گئے ہیں یا توجیہات پیش کی گئی ہیں۔ [۳۳]

پہلی توجیہہ

بعض سلفی علماء کا کہنا یہ ہے کہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے جو آخری دو قسمیں بیان کی ہیں اور ان کی بنیاد پر کفر اکبر کا فتویٰ لگایا ہے تو ان کی یہ رائے درست نہیں ہے۔ شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ سے جب شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس نقطہ نظر کے بارے سوال ہوا تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا:

”سؤال: هناك فتوى للشيخ محمد بن إبراهيم آل الشيخ رحمه الله يستدل بها أصحاب التكفير هؤلاء على أن الشيخ لا يفرق بين من حكم بغير شرع الله عزوجل مستحلا ومن ليس كذلك كما هو التفريق المعروف عند العلماء. فقال الشيخ ابن باز: هذا الأمر مستقر عند العلماء كما قدمت أن من استحل ذلك فقد كفر أمامن لم يستحل ذلك كأن يحكم بالرشوة ونحوها فهذا كفر دون كفر. . . فقال السائل: هم يستدلون بفتوى شيخ إبن ابراهيم؟ الشيخ بن باز: محمد بن إبراهيم ليس بمعصوم فهو عالم من العلماء يخطىء ويصيب وليس بنبي ورسول." [۳۴]

''سوال: شیخ محمد بن ابراہیم کا ایک فتویٰ کہ جس سے اہل تکفیر استدلال کرتے ہیں' یہ ہے کہ شیخ محمد بن ابراہیم غیر اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ جائز سمجھتے ہوئے کرنے اور ناجائز سمجھتے ہوئے کرنے میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے جیسا کہ علماء میں یہ فرق معروف ومشہور ہے؟ شیخ بن باز نے جواب دیا: یہ فرق علماء کے ہاں

بالکل واضح ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ جس نے غیر اللہ کی شریعت کے مطابق کوئی فیصلہ اسے حلال اور جائز سمجھتے ہوئے کیا تو یہ کفر اکبر ہے اور جس نے اسے حلال یا جائز نہ سمجھتے ہوئے کیا مثلاً رشوت وغیرہ لے کر تو یہ کفر دون کفر یعنی کفر اصغر ہے...سائل نے کہا: یہ لوگ شیخ محمد بن ابراہیم کے فتویٰ سے استدلال کرتے ہیں؟ شیخ بن باز نے جواب دیا: محمد بن ابراہیم معصوم نہ تھے۔ وہ علماء میں سے ایک عالم دین تھے۔ وہ صحیح رائے بھی پیش کرتے تھے اور خطا بھی کرتے تھے اور وہ کوئی نبی یا رسول نہ تھے۔''

بعض لوگ شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتویٰ کے بارے یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ یہ فتوی ان کی کیسٹ سے نقل شدہ ہے اور زبانی فتویٰ ہے جس میں احتیاط کا پہلو کم ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ایک اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ تو نابینا تھے' ان کے تمام فتاویٰ زبانی کلامی ہی نقل ہوئے ہیں بلکہ 'فتاویٰ بن باز' کے نام سے جو فتاویٰ سعودی عرب میں شیخ کی زندگی میں ہی شائع ہوتے رہے ہیں وہ ان کے ایک ٹی وی پروگرام 'نور علی الدرب' اور دیگر مجالس علمیہ سے نقل کیے جاتے رہے ہیں۔تو کیا اس بنیاد پر شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جمیع فتاوی کو مشکوک یا نا قابل اعتماد قرار دے دینا چاہیے؟ [٣٥]

دوسری توجیہہ

بعض سلفی علماء نے اس رائے کا بھی اظہار کیا ہے کہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا اور ان کا آخری فتویٰ یہ ہے:

”وكذلك تحقيق معنى محمد رسول الله: من تحكيم شريعته‘ والتقيد بها‘ ونبذ ما خالفها من القوانين والأوضاع وسائر الأشياء التى ما أنزل الله بها من سلطان‘ والتى من حكم بها أو حاكم إليها؛ معتقدا صحة ذلك وجوازه؛ فهو كافر الكفر الناقل عن الملة‘ فإن فعل ذلك بدون اعتقاد ذلك وجوازه؛ فهو الكفر العملى الذى لا ينقل عن الملة . “ [٣٦]

'' اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کی لائی ہوئی

شریعت کے مطابق فیصلے کیے جائیں اور اس کی پابندی کی جائے اور شریعت اسلامیہ کے جتنے بھی وضعی قوانین ہیں کہ جن کے بارے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی' ان کو پھینک دیا جائے۔ پس جس نے ان وضعی قوانین کے مطابق فیصلے کیے یا ان کے مطابق فیصلے کروائے اور اپنے اس فعل کے صحیح اور جائز ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ ایسا کفر ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے اور جو شخص ان قوانین وضعیہ کے مطابق فیصلہ کرے یا کروائے لیکن ان کے صحیح یا جائز ہونے کا عقیدہ نہ رکھتا ہو تو اس کا کفر عملی کفر ہے جو دین اسلام سے خارج نہیں کرتا۔''

پاکستان میں 'اصلی اہل سنت' کی سلفی ویب سائیٹ اسی قول کو پیش کر رہی ہے۔ اس سائیٹ کا ایڈریس "http://www.asliahlesunnet.com" ہے۔

تیسری توجیہہ

بعض سلفی علماء نے شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ آخری دو قسموں کو بھی پہلی چار اقسام کا بیان قرار دیا ہے۔ شیخ عبد الرحمٰن بن معلا اللویحق کا کہنا یہ ہے کہ پہلی چار قسموں میں شیخ نے 'أن یجحد' یا 'أن یعتقد' کے الفاظ سے فاعل کو مخاطب کیا ہے جبکہ آخری دو قسموں میں شیخ نے فاعل کی بجائے فعل کو موضوع بحث بنایا ہے لہٰذا آخری دو قسمیں اپنے فاعل کے اعتبار سے پہلی چار قسموں میں شامل ہوں گی۔ ۳۷

دوسرے الفاظ میں شیخ کی بیان کردہ پہلی چار قسموں میں غیر معین اشخاص کی تکفیر کی گئی ہے جبکہ آخری دو قسموں میں کفر کو بیان کیا گیا ہے لہٰذا پہلی چار قسمیں تکفیر سے متعلق ہیں اور آخری دو بیانِ کفر ہیں۔

چوتھی توجیہہ

بعض سلفی علماء' شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ آخری دو اقسام کی بنیاد پر تکفیر کے قائل ہیں ۳۸ لیکن وہ اس میں کچھ مزید تفصیل بیان کرتے ہیں۔ ان سلفی علماء کے نزدیک اگر کوئی حکمران یا جج کسی ایسے 'مجموعہ قوانین' کے مطابق فیصلہ کرے جو کلی طور پر غیر اللہ کا ہو اور اس میں اسلام نام کی کوئی چیز تک نہ ہو تو ایسے 'مجموعہ قوانین' کے مطابق

فیصلہ اللہ کے ساتھ کفر کے مترادف ہوگا اور اگر کوئی 'مجموعہ قوانین' ایسا ہو جو انگریزی اور اسلامی قوانین کا ملغوبہ ہو' جیسا کہ اکثر مسلمان ممالک کا معاملہ ہے' تو ایسے قوانین کے مطابق فیصلہ کرنا اگرچہ گناہ کبیرہ تو ہے لیکن دائرہ اسلام سے اخراج کا باعث نہیں ہے جب تک کہ فیصلہ کرنے والا اپنے اس عمل کو ناجائز اور حرام سمجھتا ہو۔ شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"سوال: ما حكم تنحية الشريعة الإسلامية واستبدالها بقوانين وضعية كالقانون الفرنسي البريطاني وغيرها مع جعله قانونا ينص فيه على أن قضايا النكاح والميراث بالشريعة الإسلامية؟ الجواب: من نحى الشريعة الإسلامية نهائيا وأحل مكانها القانون فهذا دليل على أنه يرى جواز هذا الشيء لأنه ما نحاها وأحل محلها القانون إلا لأنه يرى أنها أحسن من الشريعة ولو كان يرى أن الشريعة أحسن منها لما أزاح الشريعة وأحل محلها القانون فهذا كفر بالله عز وجل. أما من نص على أن قضايا النكاح والميراث فقط تكون على حسب الشريعة هذا يؤمن ببعض الكتاب ويكفر ببعض يعنى يحكم الشريعة فى بعض ويمنعها فى بعض والدين لا يتجزأ تحكيم الشريعة لا يتجزأ فلا بد من تطبيق الشريعة تطبيقا كاملا ولا يطبق بعضها ويترك بعضها." [٣٨]

'' سوال: شریعت اسلامیہ کو معزول کرنے اور اس کی جگہ وضعی مثلاً فرانسیسی یا برطانوی قوانین وغیرہ کو لانے کا کیا شرعی حکم ہے جبکہ ان کے ساتھ یہ قانون بھی موجود ہو کہ نکاح اور وراثت وغیرہ کے معاملات شریعت اسلامیہ کے مطابق طے پائیں گے؟ جواب: جس نے شریعت اسلامیہ کو کلی طور پر معزول کر دیا اور اس کی جگہ وضعی قانون کو نافذ کر دیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس شے کو جائز سمجھتا ہے کیونکہ اس نے شریعت کو معزول کر دیا ہے اور اس کی جگہ وضعی قانون کو نافذ کر دیا ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اس وضعی قانون کو شریعت سے بہتر سمجھتا ہے اور

اگر وہ شریعت کو اس وضعی قانون سے بہتر سمجھتا تو شریعت اسلامیہ کو زائل نہ کرتا اور اس کی جگہ وضعی قانون نافذ نہ کرتا پس حاکم کا یہ فعل اللہ کے انکار کے مترادف ہے اور جہاں تک اس کا معاملہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہمارے قانون میں صرف نکاح اور وراثت کے معاملات شریعت کے مطابق طے ہوں گے تو وہ کتاب کے بعض حصے پر ایمان لاتا ہے اور بعض کا انکار کرتا ہے یعنی بعض میں شریعت کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور بعض میں شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کر رہا ہے۔ اور دین کے حصے بخرے نہیں کیے جا سکتے۔ اسی طرح شریعت کے مطابق فیصلوں میں بھی یہ تقسیم درست نہیں ہے لہٰذا یہ ایک لازمی امر ہے کہ مکمل فیصلے شریعت کے مطابق کیے جائیں اور ایسا معاملہ نہ ہو کہ بعض فیصلے تو شریعت کے مطابق ہوں اور بعض میں شریعت کو چھوڑ دیا جائے۔''

بعض لوگوں کو شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کے بارے یہ غلط فہمی ہوئی کہ شاید وہ بھی وضعی قوانین کے متعلق فیصلہ کرنے والوں کی مطلق تکفیر کے قائل ہیں حالانکہ یہ درست نہیں۔ ان کا تفصیلی موقف یہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ خالد العنبری کی کتاب پر 'اللجنة الدائمة' کی طرف سے جو فتویٰ آیا تھا اس میں شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کے جو تاثرات تھے ان میں شیخ نے اسی تفصیل کو ''لأنه يزيح تحكيم الشريعة الإسلامية وينحيها نهائيا'' کے الفاظ سے اجمالاً بیان کیا ہے۔ [۳۹]

پانچویں توجیہ

بعض سلفی اہل علم کا کہنا یہ ہے کہ اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ 'قضیہ معینہ' اور 'تشریع عام' میں فرق کرتے ہوئے، مجرد معاصر مسلمان ممالک کے قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کی وجہ سے کسی حکمران یا جج کو ملت اسلامیہ سے خارج قرار دیتے ہیں تو ان کا یہ قول عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے لہٰذا ناقابل قبول ہے۔

تکفیر کے قائل شارحین کا کہنا یہ ہے کہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق معاصر حکمران یا جج حضرات جس آئین اور قانون کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اسے ایک مصدر اور منبع کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے فیصلوں میں بار بار اس آئین یا قانون کی طرف رجوع کرتے ہیں لہٰذا قرون اولیٰ میں کسی قاضی کا کسی خاص واقعہ میں

شریعت کے خلاف فیصلہ کرنا اور موجودہ دور میں کسی جج کا کسی واقعہ میں بار بار کسی غیر شرعی قانون کی طرف رجوع کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ میں استمرار کا پایا جانا ایک بالکل مختلف معاملہ ہے۔

اس بارے ہمارا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ یہ دونوں صورتیں گناہ کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں۔ پہلی صورت گناہ ہونے کے اعتبار سے کم درجے کی ہے جبکہ دوسری صورت کا گناہ اس سے بہت بڑھ کر ہے لیکن پھر بھی یہ کفر اکبر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی گناہ پر اصرار کرتا ہے تو وہ گناہ کفر نہیں بن جاتا جیسا کہ ایک شرابی زندگی بھر شراب پیتا رہے اور ایک سود خور عمر بھر سود کھاتا رہے تو اس کے اس فعل کی برائی' قباحت اور شناعت تو بڑھ جائے گی لیکن اس کا یہ فعل گناہ کبیرہ ہی رہے گا نہ کہ کفر اکبر بن جائے گا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کی صحبت میں رہنے والے ایک صحابی عبد اللہ الحمار رضی اللہ عنہ شراب نوشی پر دوام اختیار کرنے والوں میں سے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان پر کئی بار حد جاری فرمائی یہاں تک ایک دفعہ تنگ آ کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان پر لعن طعن کی کہ اتنی بار حد نافذ کرنے کے بعد بھی اس عادت کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہے تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس لعن طعن سے منع فرمایا اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے۔ ۲ پس نص سے ثابت ہوا کہ کسی برائی یا کبیرہ گناہ پر دوام اسے کفر اکبر نہیں بناتا لہٰذا اگر 'قضیہ معینہ' میں ایک چیز کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کا بھی یہی کہنا ہے تو 'تشریع عام' میں اس گناہ کبیرہ پر استمرار کی صورت میں وہ کفر اکبر کیسے بن جائے گی؟

عقلی اعتبار سے شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کا قول اس لیے قابل قبول نہیں ہے کہ ان کے قول کے مطابق 'تحکیم بغیر ما أنزل الله' میں اعتقادی کفر کی چھ اقسام داخل ہیں، جبکہ انہوں نے اعتقادی کفر کے بیان میں پانچویں اور چھٹی قسم ایسی بیان کی ہے جو عمل سے متعلق ہیں اور عملی کفر ہیں۔ انسان کا عمل ہر صورت میں اس کے عقیدے پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ہی ہر صورت میں عمل کی عقیدے پر دلالت قطعی ہوتی ہے مثلاً ایک شخص ساری عمر حرام مال کھاتا رہا ہے' اب کیا اس کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حرام مال کھانے کو جائز یا اچھا سمجھتا ہے۔ شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کے قول میں یہ بات

موجود ہے کہ اگر کوئی حکمران یا جج ساری عمر غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے کرتا رہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ غیر اللہ کے قانون کو کتاب وسنت سے بہتر سمجھتا ہے۔ اس کے عمل کا یہ تسلسل اس کے عقیدے کی التزامی دلیل کیسے بن گیا' یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے؟

مجرد وضعی قانون کے مطابق فیصلہ یا اس کا نفاذ اور سلفی علماء کی رائے

شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کے بارے ان مذکورہ بالا پانچ آراء میں سے دوسری رائے راجح ہے۔ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ تحکیم ۱۳۸۰ھ میں پہلی دفعہ شائع ہوا جبکہ شیخ کا دوسرا فتویٰ محرم ۱۳۸۵ھ کا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہی شیخ کا آخری قول ہے اور یہی جمیع اہل سنت کا بھی موقف ہے کہ مجرد وضعی قانون کے مطابق فیصلہ یا اس کا نفاذ خارج عن الملۃ نہیں ہے اِلا یہ کہ اس کے ساتھ استحلال قلبی یا جحود بھی ہو۔

دیگر سلفی اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وخلاصة الكلام: لا بد من معرفة أن الكفر كالفسق والظلم ينقسم إلى قسمين: كفر وفسق وظلم يخرج من الملة وكل ذلك يعود إلى الاستحلال القلبى وآخر لا يخرج من الملة يعود إلى الاستحلال العملى." [41]

''ہماری اس طویل بحث کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ جان لینا چاہیے کہ کفر بھی ظلم اور فسق کی مانند دو طرح کا ہے۔ ایک کفر' ظلم اور فسق و فجور تو وہ ہے جو ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث بنتا ہے اور یہ وہ کفر' ظلم یا فسق ہے جس میں کوئی کفر' ظلم یا فسق کا ارتکاب اسے دل سے حلال سمجھتے ہوئے کرے اور دوسرا کفر' ظلم یا فسق وہ ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا اور یہ وہ ہے جس کا مرتکب عملاً اس کفر' ظلم یا فسق کو حلال سمجھ رہا ہو [نہ کہ قلبی طور پر]۔''

سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فقد اطلعت على الجواب المفيد الذى تفضل به صاحب الفضيلة الشيخ محمد ناصر الدين الألبانى وفقه الله المنشور فى صحيفة

المسلمون الذی أجاب به فضیلته من سأله عن 'تکفیر من حکم بغیر ما أنزل الله من غیر تفصیل'. . . وقد أوضح أن الکفر کفران: أکبر وأصغر کما أن الظلم ظلمان وهکذا الفسق فسقان: أکبر وأصغر. فمن استحل الحکم بغیر ما أنزل الله أو الزنی أو الربا أو غیرهما من المحرمات المجمع علی تحریمها فقد کفر کفرا أکبر وظلم ظلما أکبر وفسق فسقا أکبر: ومن فعلها بدون استحلال کان کفره کفرا أصغر وظلمه ظلما أصغر." [۴۲]

''میں تکفیر کے مسئلے میں اس جواب سے مطلع ہوا جسے فضیلۃ الشیخ جناب علامہ البانی نے نقل کیا ہے اور وہ 'المسلمون' نامی اخبار میں نشر ہوا ہے۔ اپنے اس فتویٰ میں آنجناب نے 'بغیر کسی تفصیل کے اس شخص کی تکفیر کہ جس نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کیا ہو' کے بارے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے ...شیخ البانی نے یہ واضح کیا ہے کہ کفر دو قسم کا ہے: ایک کفر اکبر اور دوسرا کفر اصغر جیسا کہ ظلم اور فسق و فجور بھی دو قسم کا ہے۔ ایک ظلم اکبر اور دوسرا ظلم اصغر' اسی طرح ایک فسق اکبر اور دوسرا فسق اصغر۔ جس نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے کو جائز اور حلال سمجھا یا زنا یا سود یا ان کے علاوہ مجمع علیہ حرام شدہ امور میں سے کسی امر کو حلال سمجھا تو اس کا کفر تو کفر اکبر ہے یا اس کا ظلم تو ظلم اکبر اور اس کا فسق تو فسق اکبر ہے۔ اور جس نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کو حلال جانے بغیر اس کے خلاف فیصلہ دیا تو اس کا کفر' کفر اصغر اور اس کا ظلم' ظلم اصغر ہے۔''

بعض لوگوں کو شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فتویٰ سے یہ غلط فہمی لاحق ہوئی کہ وہ وضعی قوانین کے مطابق فیصلوں کو مطلق طور پر کفر سمجھتے تھے۔ یہ حضرات شیخ کے ایک فتویٰ کو نقل کرتے ہیں۔ شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ فرمایا ہے:

"وکل دولة لا تحکم بشرع الله ولا تنصاع لحکم الله ولا ترضاه فهی دولة جاهلیة کافرة ظالمة فاسقة بنص هذة الآیات المحکمات." [۴۳]

''ہر ریاست جو اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرتی ہو اور اللہ کے حکم کے

سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرتی ہو اور اللہ کے حکم پر راضی نہ ہو تو وہ مذکورہ بالا محکم آیات کی روشنی میں جاہلی' کافر' ظالم اور فاسق ریاست ہے۔''

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس فتویٰ میں ''ترضاہ'' کے الفاظ اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ اس مسلمان ریاست کی تکفیر کرتے ہیں جو غیر اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کرنے کو جائز اور حلال سمجھتی ہو اور یہی قول بقیہ سلفی علماء کا بھی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی ریاست یا اس کے نظام کی تکفیر اور اشخاص کی تکفیر میں بہت فرق ہے۔ ریاست یا نظام کی تکفیر میں اصل مقصود اس ریاست یا نظام سے تحذیر ہوتی ہے جبکہ اشخاص کی تکفیر میں مطلوب دین اسلام کی حفاظت ہے۔

شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ نے بھی ان کی طرف اسی موقف کی نسبت کی ہے جسے ہم ان کے حوالے سے بیان کر رہے ہیں۔ شیخ عبد اللہ بن عبد العزیز بن حمادۃ الجبرین حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''فقد ذهب بعض أهل العلم إلى أن مجرد تحكيم قانون أو نظام عام مخالف لشرع الله تعالى كفر مخرج من الملة ولو لم يصحبه اعتقاد أن هذا القانون أفضل من شرع الله أو مثله أو يجوز الحكم به. . . وقد رجح شيخاى الشيخ عبد العزيز بن باز والشيخ ابن عثيمين رحمهما الله القول الأول وهو أن الحكم بغير ما أنزل الله لا يكون كفرا مخرجا من الملة مطلقا حتى يصحبه اعتقاد جواز الحكم به أو أنه أفضل من حكم الله أو مثله أو أى مكفر آخر.'' [44]

''بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ مجرد کسی خلافِ شرع وضعی قانون یا نظام عام سے فیصلہ کرنا ایسا کفر ہے جو ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث ہے اگرچہ اس شخص کا یہ اعتقاد نہ بھی ہو کہ وضعی قانون اللہ کی شریعت سے افضل یا اس کے برابر ہے یا اس سے فیصلہ کرنا جائز ہے ... ہمارے شیخین' شیخ بن باز اور شیخ بن عثیمین رحمہما اللہ نے اس مسئلے میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور وہ یہ ہے کہ مطلق طور پر اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ سے فیصلہ کرنا ایسا کفر نہیں ہے جو ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث ہو یہاں تک کہ وہ فیصلہ کرنے والا اس کے مطابق فیصلے کو جائز سمجھتا ہو یا

شریعت سے افضل یا اسے بہتر سمجھتا ہو یا اس قسم کا کوئی اور کفریہ سبب پایا جاتا ہو۔‘‘

شیخ صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”والذى فهم من كلام الشيخين: أن الكفر لمن استحل ذلك وأما من حكم به على أنه معصية مخالفة : فهذا ليس بكافر لأنه لم يستحله لكن قد يكون خوفا أو عجزا أو ما أشبه ذلك . “[45]

’’شیخین یعنی شیخ بن باز اور علامہ البانی کے کلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ فعل کفر[حقیقی] اس صورت میں ہوگا جبکہ فاعل اپنے اس فعل کو جائز سمجھتا ہو اور جو حاکم غیر اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کرے اور اس کو معصیت یا دین کی مخالفت سمجھے تو وہ کافر نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنے اس فعل کو حلال نہیں سمجھا اور کسی خوف یا عجز یا اس قسم کی وجوہات میں سے کسی وجہ کی بنا پر شریعت کے خلاف فیصلہ کر دیا۔‘‘

ایک اور مقام پر ایک سوال کے جواب میں شیخ صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”سؤال: إذا ألزم الحاكم الناس بشريعة مخالفة للكتاب والسنة مع اعترافه بأن الحق ما فى الكتاب و السنة لكنه يرى إلزام الناس بهذا الشريعة شهوة أو لاعتبارات أخرى‘ هل يكون بفعله هذا كافر أم لا بد أن ينظر فى اعتقاده فى هذه المسألة؟ فأجاب: أما فى ما يتعلق بالحكم بغير ما أنزل الله فهو كما فى كتابه العزيز ينقسم الى ثلاثه أقسام : كفر وظلم وفسق على حسب الأسباب التى بنى عليها هذا الحكم‘ فإذا الرجل يحكم بغير ما أنزل الله تبعا لهواه مع علمه بأن الحق فيما قضى الله به‘ فهذا لا يكفر لكنه بين فاسق وظالم . وأما إذا كان يشرع حكما عاما تمشى عليه الأمة يرى أن ذلك من المصلحة وقد لبس عليه فيه فلا يكفر أيضا‘ لأن كثير من الحكام عندهم جهل بعلم الشريعة ويتصل بمن لا يعرف الحكم الشرعى

وهم يرونه عالما كبيرا فيحصل بذلك مخالفة وإذا كان يعلم الشرع ولكنه حكم بهذا أو شرع هذا وجعله دستورا يمشى الناس عليه نعتقد أنه ظالم فى ذلك وللحق الذى جاء فى الكتاب والسنة أننا لا نستطيع أن نكفر هذا وإنما نكفر من يرى أن الحكم بغير ما أنزل الله أولى أن يكون الناس عليه أو مثل حكم الله عزوجل فإن هذا كافر لأنه يكذب بقوله تعالى أليس الله بأحكم الحاكمين وقوله تعالى أفحكم الجاهلية يبغون ومن أحسن من الله حكما لقوم يوقنون.» [۴۶]

''سوال: اگر کوئی حاکم کتاب وسنت کے مخالف کسی قانون کو نافذ کر دیتا ہے لیکن ساتھ ہی اس بات کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ حق وہی ہے جو کتاب وسنت میں ہے اور اس مخالفِ کتاب وسنت قانون کو اپنی خواہش نفس یا کئی اور وجوہات کی بنا پر نافذ کرتا ہے تو کیا اپنے اس فعل سے وہ کافر ہو جائے گا یا یہ لازم ہے کہ اس مسئلے میں اس پر کفر کا فتویٰ لگانے کے لیے اس کا عقیدہ دیکھا جائے؟ جواب: 'ما أنزل اللہ' کے غیر کے مطابق فیصلہ کرنے کی تین قسمیں یعنی کفر، ظلم اور فسق و فجور قرآن میں بیان کی گئی ہیں اور ان قسموں کا اطلاق اس حکم کے اسباب کے اعتبار سے بدلتا رہے گا۔ پس اگر کسی شخص نے اپنی خواہش نفس کے تحت 'ما أنزل اللہ' کے غیر کے مطابق فیصلہ کیا جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ کا فیصلہ حق ہے تو ایسے شخص کی تکفیر نہ ہو گی اور یہ ظالم اور فاسق کے مابین کسی رتبے پر ہو گا۔ اور اگر کوئی حکمران 'ما أنزل اللہ' کے غیر کو تشریع عام [عمومی قانون] کے طور پر نافذ کرتا ہے تا کہ امت مسلمہ اس پر عمل کرے اور ایسا وہ اس لیے کرتا ہے کہ اسے اس میں کوئی مصلحت دکھائی دیتی ہے حالانکہ اصل حقیقت اس سے پوشیدہ ہوتی ہے تو ایسے حکمران کی بھی تکفیر نہ ہو گی کیونکہ اکثر حکمرانوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ شرعی احکام سے ناواقف ہوتے ہیں اور انہیں ایسے جہلا کا قرب حاصل ہوتا ہے جنہیں وہ بہت بڑا عالم سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ پس اس طرح وہ شریعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی حکمران شریعت کو جانتا ہو لیکن اس نے کسی وضعی قانون کے مطابق فیصلہ کر دیا یا

اسے بطور قانون اور دستور نافذ کر دیا تا کہ لوگ اس پر عمل کریں تو ایسے حکمران کے بارے بھی ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ وہ اس مسئلے میں ظالم ہے اور حق بات کہ جس کے ساتھ کتاب وسنت وارد ہوئے ہیں' یہ ہے کہ اس حکمران کی بھی ہم تکفیر نہیں کر سکتے ہیں ۔ ہم تو صرف اسی حکمران کی تکفیر کریں گے جو 'ما أنزل اللہ' کے غیر کے مطابق اس عقیدے کے ساتھ فیصلہ کرے کہ لوگوں کا 'ما أنزل اللہ' کے غیر پر چلنا اللہ کے حکم پر چلنے سے بہتر ہے یا وہ اللہ کے حکم کے برابر ہے ۔ ایسا حکمران بلاشبہ کافر ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول 'کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے' اور 'کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر کس کا فیصلہ ہوسکتا ہے ایسی قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے' کا انکار کرتا ہے ۔''

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ علیہ کے پڑپوتے شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن آل الشیخ حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"وإنما يحرم إذا كان المستند إلى الشريعة باطلة تخالف الكتاب والسنة كأحكام اليونان والإفرنج والتتر وقوانينهم التى مصدرها آراؤهم وأهواؤهم وكذلك البادية وعاداتهم الجارية . فمن استحل الحكم بهذا فى الدماء أو غيرها فهو كافر قال تعالى : ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكفرون. وهذه الآية ذكر فيها بعض المفسرين : أن الكفر المراد هنا: كفر دون الكفر الأكبر لأنهم فهموا أنها تتناول من حكم بغير ما أنزل الله وهو غير مستحل لذلك لكنهم لا ينازعون فى عمومها للمستحل وأن كفره مخرج عن الملة . "

'' اگر کتاب و سنت کے مخالف باطل احکامات مثلاً یونانی' انگریزی اور تاتاری قوانین کہ جن کا منبع و سرچشمہ اہل باطل کی خواہشات اور آراء ہوتی ہیں' کو شرعی مرجع بنا لیا جائے تو یہ صرف ایک حرام کام ہے۔ اسی طرح کا معاملہ قبائلی جرگوں اور ان کے رسوم و رواج [کے مطابق فیصلوں] کا بھی ہے [اور وہ بھی ایک حرام فعل ہے]۔ پس جس نے ان باطل قوانین کے مطابق قتل و غارت اور دیگر مسائل میں فیصلہ کرنے کو حلال سمجھا تو ایسا شخص کافر ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

جو شخص اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ کافر ہے۔ بعض مفسرین نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں کفر سے مراد کفر اکبر سے چھوٹا کفر ہے کیونکہ ان مفسرین کے فہم کے مطابق اس آیت میں ' ما أنزل اللہ' کے غیر کے مطابق فیصلہ کرنے سے مراد اس فیصلہ کو حلال نہ سمجھتے ہوئے کرنا ہے لیکن اہل علم کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جو حکمران اس فیصلہ کو حلال سمجھتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔''

شیخ عبد الرحمن بن ناصر سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فالحكم بغير ما أنزل الله من أعمال أهل الكفر وقد يكون كفر ينقل عن الملة وذلك إذا اعتقد حله وجوازه وقد يكون كبيرة من كبائر الذنوب ومن أعمال الكفر قد استحق من فعله العذاب الشديد. . . قال ابن عباس كفر دون كفر وظلم دون ظلم وفسق دون فسق، فهو ظلم أكبر عند استحلاله وعظيمة كبيرة عند فعله غير مستحل له." (۴۸)

''ما أنزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنا کفریہ فعل ہے اور بعض صورتوں میں یہ دائرہ اسلام سے اخراج کا باعث بھی بنتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب کوئی شخص اپنے اس فعل کو حلال اور جائز سمجھتا ہو۔ اور بعض اوقات یہ فعل ایک کبیرہ گناہ اور کفریہ فعل ہوتا ہے جس کا فاعل شدید عذاب کا مستحق ہے...عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ 'کفر دون کفر' ہے اور 'ظلم دون ظلم' ہے اور 'فسق دون فسق' ہے۔ پس اگر اس شخص نے اپنے اس فعل کو حلال سمجھا تو یہ کفر اکبر ہے اور اگر اس فعل کو حلال نہ سمجھا تو اس وقت یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔''

شیخ عبد المحسن العباد حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"هل استبدال الشريعة الإسلامية بالقوانين الوضعية كفر فى ذاته؟ أم يحتاج إلى الاستحلال القلبى والاعتقاد بجواز ذلك؟ وهل هناك فرق فى الحكم مرة بغيرما أنزل الله وجعل القوانين تشريعا عاما مع اعتقاد عدم جواز ذلك؟ الجواب: يبدو أنه لا فرق بين الحكم فى

مسألة أو عشرة أو مئة أو أقل أو أكثر فما دام الانسان يعتبر نفسه أنه مخطىء وأنه فعل أمرا منكرا وأنه فعل معصية وأنه خائف من الذنب فهذا كفر دون كفر وأما مع الاستحلال ولو كان فی مسألة واحدة وهو يستحل فيها الحكم بغير ما أنزل الله ويعتبر ذلك حلالا فإنه يكون كفرا أكبر." ﴿۴۹﴾

''سوال: کیا شریعت اسلامیہ کی جگہ وضعی قوانین کا نفاذ بنفسہٖ کفر ہے؟ یا اس کے کفر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان دلی طور پر اس فعل کو حلال سمجھتا اور اس کے جواز کا عقیدہ رکھتا ہو؟ کیا ایک مرتبہ 'ما أنزل اللہ' کے غیر کے مطابق فیصلہ کرنے اور وضعی قوانین کو مستقل و عمومی قانون بنا لینے میں کوئی فرق ہے جبکہ قانون ساز اس قانون سازی کے جائز نہ ہونے کا بھی عقیدہ رکھتا ہو؟ جواب: یہ بات ظاہر ہے کہ کسی ایک مقدمہ یا دس یا سو یا اس سے زائد یا کم میں فیصلہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب تک انسان یہ سمجھتا ہو کہ وہ خطا کار ہے اور اس نے ایک برا اور نافرمانی کا کام کیا ہے اور اسے اپنے گناہ کا خوف بھی لاحق ہو تو یہ کفر اصغر ہے اور اگر وہ اپنے اس فعل کو حلال سمجھتا ہو' چاہے ایک مقدمہ میں ہی کیوں نہ ہو اور وہ اس مقدمہ میں 'ما أنزل اللہ' کے غیر کے مطابق فیصلہ کو حلال سمجھتا ہو تو یہ کفر اکبر ہو گا۔''

شیخ عبد اللہ بن عبد العزیز بن حمادۃ الجبرین حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"أن يضع تشريعا أو قانونا مخالفا لما جاء فی كتاب الله وسنة رسوله ويحكم به معتقدا جواز الحكم بهذا القانون أو معتقدا أن هذا القانون خير من حكم الله أومثله فهذا شرك مخرج من الملة." ﴿۵۰﴾

''یہ کہ حکمران کوئی ایسی قانون سازی کرے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کے مخالف ہو اور وہ اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو عقیدہ کے اعتبار سے جائز سمجھتا ہو یا اس قانون کو اپنے عقیدہ میں اللہ کے حکم سے بہتر خیال کرتا ہو یا اس کے برابر سمجھتا ہو تو یہ ایسا شرک ہے جو ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث ہے۔''

پس معاصر سلفی علماء کے نزدیک غیر اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والے حکمرانوں کا کفر دو قسم کا ہے:

1. کفر حقیقی
2. کفر عملی

اگر تو وہ غیر اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کو حلال یا شریعت اسلامیہ سے بہتر یا اس کے برابر اور جائز سمجھتے ہوئے کر رہے ہوں تو یہ کفر اعتقادی ہے ورنہ کفر عملی۔ اس تقسیم اور موقف کے قائل عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ' امام احمد بن حنبل' امام محمد بن نصر مروزی' امام ابن جریر طبری' امام ابن بطہ' امام ابن عبد البر' امام سمعانی' امام ابن جوزی' امام ابن العربی' امام قرطبی' امام ابن تیمیہ' امام ابن قیم' امام ابن کثیر' امام شاطبی' امام ابن ابی العز الحنفی' امام ابن حجر عسقلانی' شیخ عبداللطیف بن عبد الرحمٰن آل الشیخ' شیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی' علامہ صدیق حسن خان' علامہ محمد امین شنقیطی رحمۃ اللہ علیہم اور شیخ عبد المحسن العباد حفظہ اللہ ہیں۔ [51]

سعودی سلفی علماء میں شیخ سلمان بن فہد العودۃ اور شیخ سفر الحوالی حفظہما اللہ کے بارے یہ تاثر عام ہے کہ وہ اہل تکفیر میں سے ہیں اور سعودی حکمرانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ بلا شبہ ان دونوں شیوخ کے قدیم اقوال میں تکفیر اور خروج کے مسئلہ میں غلو پایا جاتا ہے لیکن سعودی حکومت کی طرف سے جب ان حضرات کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا پڑیں اور بعد ازاں بعض علماء کی کوششوں سے ایک معاہدے کے نتیجے میں یہ حضرات کئی سال بعد جیل سے باہر آئے تو انہوں نے اپنے منہج میں واضح تبدیلی کی ہے۔ یہاں تک کہ جہادی عالم دین شیخ ابو معاویہ شامی نے ''الشیخ سلمان العودة یرد الشیخ سلمان العودة'' کے نام سے مضمون لکھا جس میں شیخ سلمان العودہ حفظہ اللہ کے سابقہ بیانات کی روشنی میں' کہ جن سے وہ رجوع کر چکے تھے' ان کے موجودہ موقف کا رد کیا کہ جسے انہوں نے نئے منہج کے طور پر اختیار کیا تھا۔ ریاض میں ہونے والے خود کش حملوں کی بھی دونوں شیخین نے مخالفت کی۔ شیخ سفر الحوالی حفظہ اللہ نے صحیفہ عکاظ کو دیے گئے اپنے ایک انٹرویو میں عراق میں جہاد کی غرض سے جانے والے سعودی نوجوانوں کو روکا اور انہیں یہ مشورہ دیا کہ اس بارے اہل عراق کا معاملہ انہی پر چھوڑ دیا جائے اور سعودی نوجوانوں کے وہاں جانے سے مفاسد پیدا ہوں گے۔ علاوہ ازیں شیخین نے افغانستان میں جہاد کی غرض سے جانے

والے سعودی نوجوانوں کی کثیر تعداد کو بھی وہاں جانے سے روکا اور سعودی عرب میں ہی امریکہ کے خلاف ایک اصلاحی تحریک کی بنیاد رکھی اور ایسے افکار اور اعمال سے نوجوانوں کو منع کیا جن سے ان کی نظر میں مفاسد پیدا ہو سکتے تھے۔ تفصیل کے لیے درج ذیل ویب سائیٹس پر دیے گئے مضامین کا مطالعہ کریں۔ ﴿۵۲﴾

معاصر جہادی تحریکوں میں طالبان افغانستان کا منہج ہمارے نزدیک حکمت عملی اور مومنانہ فراست کا بہترین نمونہ ہے کہ جس کے مطابق اس وقت علماء اور اسلامی تحریکوں کو امریکہ کے خلاف اپنی جدوجہد کو منظّم کرنا چاہیے اور فاسق و ظالم مسلمان حکمرانوں کے خلاف نت نئے محاذ کھول کر اپنی قوت کو منتشر اور اپنے حقیقی دشمن یہود و ہنود کو مضبوط نہیں کرنا چاہیے۔ پاکستان میں جہادی کارروائیوں کے بارے طالبان افغانستان اور القاعدہ کے منہج کا فرق بالکل واضح ہے۔ طالبان افغانستان' پاکستان میں کوئی نیا محاذ کھولنے کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آئی ایس آئی اور افواج پاکستان کی طرف سے طالبان افغانستان کو امریکہ کے خلاف اسی طرح مسلسل حمایت اور سپورٹ جاری ہے جیسا کہ کشمیر میں انڈیا کے خلاف تھی۔

شیخ سفر الحوالی اور شیخ سلمان العودۃ حفظہما اللہ نے بھی درحقیقت جہاد کی مخالفت نہیں کی بلکہ جہاد کے مسئلہ میں طالبان افغانستان کی پالیسی کو اپنایا ہے کہ مسلمانوں کو حکمت عملی اور مصلحت کے تحت اپنے اپنے ممالک اور خطوں میں امریکہ و اسرائیل کے خلاف احتجاجی تحریک چلانی چاہیے اور یہی وقت کا ایک اہم تقاضا ہے جسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سب دشمنوں کے خلاف ایک ساتھ محاذ نہیں کھولے تھے' اگرچہ وہ کافر بھی تھے بلکہ آپ نے پہلے مشرکین مکہ سے معاہدہ [صلح حدیبیہ] کر کے یہود کی خبر لی اور ان کی طاقت کو منتشر کیا اور اس کے بعد ان کی باری لگائی۔

طالبان افغانستان کے منہج اور حکمت عملی کے برعکس القاعدہ نے جب سعودی حکومت کے خلاف محاذ کھولا تو سارے کبار سلفی علماء ان کے خلاف ہو گئے۔ اسی طرح جب طالبان پاکستان نے امریکہ کی بجائے پاکستانی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کیا تو بریلوی علماء تو شروع دن سے ہی ان کے خلاف ہو گئے۔ اب ۱۵۰ کبار دیوبندی علماء کا فتویٰ بھی آ گیا ہے کہ علمائے دیوبند بھی پاکستانی حکومت کے خلاف عسکری جدوجہد کے قائل نہیں

ہیں۔ ۵۳ اہل الحدیث کی بھی نمائندہ جماعتیں جماعۃ الدعوۃ اور جمعیت اہل حدیث وغیرہ طالبان پاکستان کے منہج کو درست نہیں سمجھتی ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب تک ہماری جہادی تحریکوں کی فکری و عملی جدوجہد کا رخ کفار' مشرکین اور یہود و ہنود کے خلاف ہوگا تو ہمیں تمام مسلمانوں کی حمایت حاصل ہوگی اور اگر ہم نے تکفیر اور خروج کے مسئلے میں مسلمان حکمرانوں یا مسلم معاشروں ہی کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور اپنی توپوں کا رخ ان کی طرف پھیر دیا تو عوام الناس تو کجا' ہمیں مذہبی حلقوں سے حمایت ملنی بھی دشوار ہو جائے گی اور اس صورت میں مذہبی جذبہ اور رجحان رکھنے والوں کے مابین پیدا ہونے والے شدید اختلافات سے سوائے انتشارِ ذہنی اور طوائف الملوکی کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ جب پاکستانی حکمرانوں اور عدلیہ کی تکفیر کی بات آتی ہے تو دو سلفی بھائیوں میں اتفاق ناممکن ہو جاتا ہے۔ ۵۴ ایسے مسئلے کو چھیڑنے سے دین کی کیا خدمت ہوگی کہ جس میں دو سلفی بھائی بھی متفق نہ ہو سکیں۔ اور ابھی ظالم حکمرانوں کی تکفیر کے مسئلے کو کچھ آگے بڑھنے دیں' مفتیان کرام کا جو تواربازار اس تکفیر کے نتیجے میں سامنے آئے گا' اس کا تصور بھی محال ہے۔

پاکستان میں تکفیر کی تحریک

بعض سلفی علماء کا کہنا ہے کہ تکفیر کی عالمی تحریک کی بنیاد مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے توحید حاکمیت کے بارے غلط تصورات بنے ہیں اگرچہ مولانا نے کسی حکمران کی تکفیر نہیں کی ہے اور نہ وہ اس کے قائل تھے۔ ان کے بقول مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے رب' دین' عبادت اور الٰہ جیسی بنیادی اصطلاحات کی حکومت' سلطنت اور قانون سازی جیسے الفاظ کے ساتھ تشریح فرمائی اور ان بنیادی دینی اصطلاحات کو توحید حاکمیت کے گرد اگرد ہی گھماتے پھراتے رہے۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے اس فکر کو سید قطب رحمۃ اللہ علیہ نے لیا جنہوں نے اس میں مزید غلو پیدا کیا۔ اور سید قطب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ فکر 'جماعۃ التکفیر' اور 'القاعدہ' نے لی۔ پھر ان دو جماعتوں سے یہ فکر پورے عالم اسلام میں پھیل گیا۔ ۵۵

بہر حال صورت حال جو بھی ہو پاکستان میں تکفیر کی باقاعدہ تحریک کا آغاز سوات' وزیرستان اور دیگر قبائلی علاقوں کے باشندوں پر حکومتِ پاکستان کے ظلم وستم کے ردعمل

میں شروع ہوا۔ پاکستان میں انگریزی قوانین کا نفاذ شروع دن ہی سے ہے لیکن پاکستان کے قیام کے بعد نصف صدی تک حکمرانوں کی تکفیر کا کوئی مرحلہ نظر نہیں آتا بلکہ حکمرانوں کی تکفیر میں جو جہادی تحریکیں پیش پیش ہیں' ان کے اکابرین نصف صدی کے اس طویل دورانیے میں حکومت پاکستان کی سرپرستی میں جہاد فرماتے نظر آتے ہیں۔ پس پاکستانی حکمرانوں کی تکفیر کی حالیہ تحریک کا اصل سبب فطری انسانی ردعمل ہے۔ بلاشبہ مذہبی طبقات اور رہنماؤں کے موقف کے مطابق معاصر پاکستانی حکمران فاسق و فاجر اور ظالم ہیں لیکن ان کے کافر ہونے کے بارے معروف مکاتب فکر میں سے کسی بھی مکتب فکر کے علماء کا تاحال کوئی فتویٰ جاری نہیں ہوا ہے۔

پہلا سلفی گروہ

پاکستانی افواج اور سکیورٹی فورسز کے ظلم وستم کے خلاف کھڑے ہونے والے طالبان پاکستان کا اس بارے موقف واضح ہے کہ وہ معاصر حکمرانوں اور ان کے ہر قسم کے معاونین کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اس بارے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں بہت سا لٹریچر عام ہو چکا ہے اور عام کیا جا رہا ہے۔ پاکستان میں اس فکر کا نمائندہ ادارہ 'موحدین' نامی ویب سائیٹ ہے جس پر اس فکر سے متعلق بیسیوں مستقل اور مترجم کتابیں موجود ہیں۔ ویب سائیٹ کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو چلانے والے سلفی حضرات ہیں۔ اس ویب سائیٹ پر موجود سارا لٹریچر درحقیقت اس عربی لٹریچر کا ترجمہ ہے جسے القاعدہ اور عالمی جہادی تحریکوں میں شامل علماء اور ان کے قائدین نے مرتب کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عبدالحمید امین لکھتے ہیں:

> ''اور ان مددگاروں وحامیوں میں وہ لوگ بھی برابر کے شریک ہیں جو عملی طور پر ان کی مدد و حمایت کرتے ہیں مثلاً فوجی، سپاہی، فورسز، اسپیشل فورسز، جمہوریت پسند، امن قائم کرنے والے اور سراغ رساں افراد، پولیس، وزراء، لیڈرز، اور وہ ارکان سلطنت جن سے مرتد حکام خفیہ ریاستی امور میں مشاورت کرتے ہیں یہ تمام طاغوت کے حامی اور مددگار ہیں جو نہ صرف اس کی بلکہ اس کی سلطنت، اس کے بنائے گئے کفریہ قوانین ودستور کی بھی حفاظت کرتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو عوام الناس اور اللہ کے قانون کے مطابق حکومت کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹیں

ہیں بلکہ یہ لوگ تو طاغوت اور طاغوتی نظام کے دفاع اور حفاظت میں سر دھڑ کی بازیاں لگا دیتے ہیں اور اس کی مخالفت کرنے والوں اور اس کے خلاف بغاوت کرنے والوں پر غداری کا الزام لگا کر انہیں سزائے موت دیتے ہیں۔ اگر یہ سب نہ ہوتے تو وہ مرتد حکام بھی نہ ہوتے۔ یہ ان کی بقاء اور ان کی حکومت کی بقاء کی ضمانت ہیں۔ یہی اصل سبب ہیں، سو جب ان حکام کو مرتد اور کافر قرار دیا جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق حکومت نہیں کرتے تو ہر وہ شخص جو ان کی کسی بھی طرح مادی یا معنوی مدد یا حمایت کرے یا کسی بھی طرح ان کا دفاع کرے وہ بھی انہی کی طرح کافر و مرتد ہوا کیونکہ یہی طاغوت اور طاغوتی نظام کا (بلاواسطہ) اولین حامی و مددگار ہے اور مسلمانوں پر ان کے ملکوں میں ان مرتد حکام کے وضع کردہ کفریہ قوانین کو نافذ کر کے ان ملکوں میں کفر بواح (ایسا کفر جو انسان کو اسلام کی حدود سے نکال دیتا ہے) کو ظاہر کرنے کا اولین سبب ہے۔ اور فقہاء جانتے ہیں کہ کسی بھی شئے سے بلاواسطہ تعلق رکھنے والے اور اس شئے کا سبب بننے والے کا بھی شرعاً وہی حکم ہوتا ہے جو خود اس شئے کا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس اصول کی رو سے طاغوت کے حامی، مددگار، معاونین بھی طاغوت اور اس کی طرح کافر و مرتد ہوئے۔ علاوہ ازیں کتاب وسنت میں موجود دلائل سے بھی یہی ثابت اور متحقق ہوتا ہے۔'' [۵۶]

عبداللہ عمر اثری لکھتے ہیں:

''وکیل اور جج ہائی کورٹ وسیشن کورٹ کے جج اور وکیل جو اس نظام کو لانے والے ہیں اور اس پر عمل کرنے والے ہیں بلکہ بنیاد ہی یہ لوگ رکھتے ہیں یہ لوگ بھی اس نظام کے مضبوط مددگار ہیں بلکہ وہ یونیورسٹی جہاں سے یہ وکیل اور جج وضعی قانون پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں یہ سب مرتد واجب القتل ہیں...خلاصہ کلام یہ کہ اس طرح کے بے دین حکمرانوں کی ہتھیار، قول یا فعل سے مدد کرنا اس طاغوتی مرتد اور کفریہ نظام کے دوام کا سبب بنتا ہے۔ ان لوگوں پر کفر کا وارتداد کا حکم لگایا جائے گا (یہ مددگار کافر و مرتد ہیں)۔ ان کے صدر ہوں، امیر ہوں یا سربراہ جو ان پر اپنا حکم چلاتے ہیں وہ اصل ہیں اور یہ ان کی فرع ہیں لہٰذا ان کا حکم ان پر بھی جاری ہوگا۔ ان سربراہوں کا حکم آگے آئے گا فی الحال ہم ان کے مددگاروں جیسے

علمائے سوء، درباری مولوی، فوج، پولیس، وکلاء اور پوری حکومتی کابینہ کے متعین کفر اور ان کے واجب القتل ہونے کے شریعت سے دلائل دیں گے۔'' ۵۷

ان کے علاوہ اس موضوع پر بیسیوں مترجم کتب، مقالات اور کتابچے اس موقف کے اثبات میں http://muwahideen.ds4a.com/ ویب سائیٹ پر ان پیج فارمیٹ میں موجود ہیں۔اس موقف کو معروف معاصر علماء کی حمایت حاصل نہیں ہے۔

توحید حاکمیت کی بنیاد پر تکفیر میں غلو اور ردعمل اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسے تکفیر کے قائل گروہوں کے ہاں توحید الوہیت یا توحید اسماء وصفات کی اہمیت بہت زیادہ نظر انداز ہوتی ہے۔کتاب وسنت جو توحید الوہیت اور اسماء وصفات سے بھرے پڑے ہیں' ان کے بیان یا ان کی بنیاد پر تکفیر کے بالمقابل توحید حاکمیت کی ایک مطلق آیت کو مسلمانوں کی تکفیر کی بنیاد بنانے کو ردعمل نہ کہا جائے تو کیا کہا جا سکتا ہے؟ اگر تو تکفیر کی معاصر تحریک ظلم کے ردعمل کی تحریک نہ ہوتی اور شعوری سطح پر واقعتاً صحیح معنوں میں اسلامی عقیدے کی وضاحت کی تحریک ہوتی تو اس تحریک میں توحید کی اقسام کی بنیاد پر تکفیر کے مسئلے میں وہ توازن واعتدال قائم ہوتا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے توحید کی ان قسموں کے بیان میں کتاب وسنت میں قائم کیا ہے۔

تکفیر کے قائل معاصر سلفی نوجوان جو آج تک توحید اسماء وصفات کی بناء پر معتزلہ' جہمیہ' اشاعرہ' صوفیہ اور ماتریدیہ کا رد کرتے رہے ہیں اور انہیں گمراہ فرقوں میں شمار کرتے رہے ہیں' آج انہی افکار کے حامل اشخاص کو صرف اس وجہ سے امامت کے مرتبے پر فائز کرتے ہیں کہ وہ توحید حاکمیت کی بنا پر حکمرانوں اور مسلم معاشروں کی تکفیر کے قائدین ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ توحید حاکمیت کی بناء پر تکفیر کی تحریک نے توحید الوہیت کہ جس سے قرآن بھرا پڑا ہے' کو کھڈے لائن لگا دیا ہے اور ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ توحید حاکمیت کی بنا پر مسلمان حکمرانوں کی تکفیر ہی' موحد' ہونے یا نہ ہونے کا واحد معیار بن چکا ہے۔ اگر مقصود ومطلوب اسلامی عقیدے ہیکی وضاحت ہے تو توحید کے بیان میں یہ عدم توازن کیوں؟ توحید کی ایک نئی قسم کی بنیاد پر تو آدھی امت کی تکفیر کر دی جائے لیکن سلف صالحین کی کتاب وسنت سے ماخوذ شدہ تقسیم توحید ربوبیت' توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات کا نام آپ کی تحریروں میں ڈھونڈنا پڑے!

دوسرا سلفی گروہ

دوسرا موقف جو پہلے موقف کے بالکل برعکس ہے' طارق علی بروہی کے نام سے ایک صاحب پیش فرما رہے تھے اور اب ان کی جگہ کسی اور صاحب نے لے لی ہے۔ ۵۸

اس موقف کا نمائندہ ادارہ http://www.asliahlesunnet.com نامی ویب سائیٹ ہے جس پر اس موقف سے متعلق بیسیوں کتابیں' رسائل' فتاویٰ اور لیکچرز موجود ہیں۔ اس موقف کے مطابق موجودہ حکمران فاسق و فاجر اور ظالم تو ہیں لیکن کافر نہیں ہیں۔ یہ ویب سائیٹ دراصل اس عربی مواد کا ترجمہ ہے جو کبار سعودی سلفی علماء کے فتاویٰ' رسائل' کتب اور لیکچرز پر مشتمل ہے۔ ایک طرح سے یہ ویب سائیٹ بھی دراصل تراجم پر مشتمل ہے اور سعودی علماء کے موقف کی ترجمان ہے۔ اس ویب سائیٹ پر موجود درج ذیل کتب' رسائل اور فتاویٰ کے عناوین سے قارئین کو یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ ویب سائیٹ مسلمان حکمرانوں کی تکفیر کے حوالے سے کیا موقف پیش کر رہی ہے:

1. آیت تحکیم کی صحیح تفسیر اور حکمرانوں کی غلط تکفیر' علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ ۵۹
2. مسلمان حکمرانوں کی تکفیر ہی دہشت گردی کا سبب ہے' کبار علماء کمیٹی سعودی عرب
3. فتنہ تکفیر' علامہ البانی و شیخ بن باز و شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہم
4. خودکش حملے ہر حال میں حرام ہیں' مجموعہ علماء ۶۰

تیسرا سلفی گروہ

تکفیر کے مسئلے میں تیسرا موقف ادارہ 'ایقاظ' کا ہے جس کے سرپرست پروفیسر حافظ سعید کے بھائی حامد کمال الدین حفظہما اللہ ہیں۔ ادارہ 'ایقاظ' کا کہنا ہے کہ:

1. تکفیر کرتے وقت حکمرانوں اور عوام الناس میں فرق ہوگا۔ حکمرانوں کی تو تکفیر ہوگی لیکن عوام الناس کی تکفیر نہ ہوگی اور عوام الناس کی تکفیر نہ کرنے کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایسا کرنے سے وہ 'جماعۃ التکفیر' بن جائیں گے اور مصلحت اسی میں ہے کہ عوام الناس کی تکفیر نہ کی جائے۔
2. حکمرانوں کی مطلقاً تکفیر ہوگی اور یہ مطلق تکفیر ہر کوئی کرسکتا ہے۔ وہ حکمرانوں کی معین تکفیر کے بھی قائل ہیں لیکن اس کے لیے مستند علماء کی جماعت کے فتاویٰ کی طرف

رجوع کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ﴿۶۱﴾

﴿۱۳﴾ حکمرانوں کی مطلق تکفیر میں ادارہ ایقاظ کے بقول وہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کے قائل ہیں کہ جس کے مطابق مجرد غیر شرعی وضعی قوانین کے مطابق فیصلے کرنا یا ان کا نفاذ ہی ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث بن جاتا ہے' چاہے ایسا کرنے والا اس کو حلال یا جائز سمجھتا ہو یا نہ۔

﴿۱۴﴾ ادارہ 'ایقاظ' کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ کبار سعودی علماء کے مقلد ہیں اور ان کی تقلید کے داعی بھی ہیں۔اس مکتب فکر کی نمایاں ترجمان http://www.eeqaz.com/ نامی ویب سائیٹ ہے جس پر اس فکر سے متعلق بہت زیادہ مواد اور لٹریچر موجود ہے۔

جہاں تک ادارہ ایقاظ کی پہلی بات کا تعلق ہے تو شرعی دلائل اور عقل و منطق کی روشنی میں اصل موقف دو ہی بنتے ہیں۔ یا تو وہ جسے ادارہ 'موحدین' پیش کر رہا ہے کہ اگر کافر ہیں تو حکمرانوں کے ساتھ ساتھ ان کے ہر قسم کے معاونین بھی کافر قرار پاتے ہیں کیونکہ جس طرح غیر شرعی قوانین وضع کرنے والے اور ان کے مطابق فیصلے کرنے والے طاغوت ہیں تو ان عدالتوں سے فیصلے لینے والے عوام بھی 'تحاکم إلی الطاغوت' میں شامل ہونے کی وجہ سے کفر کے مرتکب ہیں؟ یا پھر دوسرا موقف سعودی علماء کا ہے جو حکمرانوں اور عوام الناس دونوں کو فاسق و فاجر شمار کرتے ہیں اور سعودی سلفی علماء کے اس موقف کو ادارہ 'اصلی اہل سنت' پیش کرر ہا ہے۔ جہاں تک تیسرے موقف کا تعلق ہے کہ حکمرانوں اور عوام الناس میں فرق کیا جائے اور عوام الناس کو تکفیر سے بچایا جائے تو یہ عام سوجھ بوجھ سے بالاتر بات ہے۔ جب اللہ کی شریعت کے بالمقابل وضعی قوانین بنانے والے حکمران کافر ہیں تو ان وضعی قوانین کو پاس کرنے والی اسمبلیاں' ان اسمبلیوں کو منتخب کرنے والے عوام الناس' ان وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والی عدالتیں' ان وضعی قوانین کو پڑھنے پڑھانے والے لاء کے طلبا و اساتذہ' ان وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ لینے اور کروانے والے عوام اور وکلا' ان وضعی قوانین کا نفاذ کرنے والے سکیورٹی فورسز کے ادارے اور ان وضعی قوانین کی حفاظت کی خاطر جان قربان کرنے والی افواج پاکستان کیسے مسلمان ہوسکتی ہیں؟ اس موقف کا عدم توازن اور عدم اعتدال صاف ظاہر ہے۔

ادارہ ایقاظ کی تکفیر کی بحث میں بیان کردہ نکتہ نمبر۲ کے بارے ہم یہ کہیں گے کہ تکفیر مطلق اور تکفیر معین میں فرق کا یہ پہلو ایک قابل تعریف امر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پہلو کے اجاگر کرنے سے اصول تکفیر کا غلط استعمال بہت حد تک کنٹرول میں آ جاتا ہے۔

تیسرے نکتے کے بارے ہم مفصل بحث سابقہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس رائے اور فتویٰ سے رجوع کر چکے ہیں کہ بغیر عقیدے کے مجرد غیر شرعی وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے سے ہی کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی شیخ کے فتویٰ کے بارے سلفی علماء کے چار رجحانات ہم نقل کر چکے ہیں۔

چوتھے نکتے کے بارے ہمارا کہنا یہ ہے کہ ادارہ 'ایقاظ' کا اگرچہ دعویٰ تو یہی ہے کہ وہ سعودی علماء کے مقلد ہیں لیکن ان کی ویب سائیٹ کا اگر 'اصلی اہل سنت' کی ویب سائیٹ سے تقابل کیا جائے تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ 'اصلی اہل سنت' کی ویب سائیٹ پر شاید ہی کوئی کتاب' رسالہ' مضمون یا فتویٰ آپ دیکھیں گے کہ جس میں دو چار لفظ کا اضافہ بھی مترجم نے اپنی طرف سے کیا ہو یعنی یہ ویب سائیٹ حقیقی معنی میں سعودی علماء کے کام کو پیش کر رہی ہے اور اگر مترجم اپنی طرف سے کوئی بات کرتا بھی ہے تو اسے حاشیہ میں بیان کرتا ہے' اور یہی درحقیقت علماء کی ترجمانی کہلاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف ادارہ 'ایقاظ' کی ویب سائیٹ پر توحید حاکمیت یا مسئلہ تکفیر سے متعلق شاذ و نادر ہی کوئی ایسا مضمون ہوگا جس میں سعودی علماء کے کثرت سے حوالہ جات موجود ہوں۔ اگر کسی مضمون میں کچھ کبار سعودی علماء کے اِکا دُکا حوالہ جات موجود بھی ہوں تو وہ بھی عموماً ان علماء کے ہوتے ہیں کہ جن کے فتاویٰ موجودہ حالات اور ان حکمرانوں کے بارے نہیں ہیں کہ جن کی خارج میں تکفیر کی جا رہی ہے۔

یہ ادارہ موجودہ خاص حالات میں معاصر کبار سعودی علماء کی متعین رہنمائی کو چھوڑ کر' کہ جسے ادارہ 'اصلی اہل سنت' والے بھی پیش کر رہے ہیں' گزشتہ علماء [مثلاً شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ] کی عمومی نصوص کو پکڑ لیتا ہے اور پھر ان نصوص کی تشریح اور ان کا اطلاق اپنے فہم کی روشنی میں کرتا ہے اور اسے سلفی موقف قرار دے کر اس کی تقلید کی ہر کسی کو

دعوت دے رہا ہے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ درحقیقت ادارہ ’ایقاظ‘ کی تقلید بنتی ہے نہ کہ سلفی علماء کی۔

معاصر سعودی علماء ہی شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی جانشین ہیں۔ اور ان کبار علماء مثلاً شیخ بن باز، شیخ صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہما، شیخ صالح الفوزان، علامہ البانی، شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ، شیخ عبدالعزیز الراجحی، شیخ عبدالمحسن العبیکان حفظہم اللہ اور ہیئۃ کبار العلماء میں سے کوئی بھی عالم دین معاصر مسلمان حکمرانوں کی تکفیر نہیں کرتا ہے۔

دوسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ سعودی علماء تو ’تارک صلاۃ‘ کو بھی حقیقی کافر شمار کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں توحید الوہیت کی بنیاد پر عمومی تکفیر کا جس قدر زور ان علماء کے فتاوی میں نظر آتا ہے وہ توحید حاکمیت کی نسبت سے بہت ہی کم ہے۔ لیکن ادارہ ’ایقاظ‘ سعودی علماء کے توحید الوہیت یا تارک صلاۃ کے بارے تکفیر کے صریح اور دوٹوک موقف کی بنیاد پر پاکستان میں تکفیر کا قائل نہیں ہے۔ اگر تو تقلید کا یہ معنی ہے کہ مقلد نے اپنی مرضی کے علماء [مثلاً شیخ بن باز، شیخ صالح العثیمین اور علامہ البانی کی بجائے شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی] اور اپنی مرضی کے فتاویٰ [مثلاً تارک صلاۃ کی بجائے حکمرانوں کی تکفیر کے مسئلہ میں ان علماء] کی تقلید کرنی ہے تو یہ اجتہاد کی ایک قسم ہے نہ کہ تقلید۔ اور ایسے علماء کو فقہاء کی اصطلاح میں ’اصحاب ترجیح‘ کہتے ہیں اور عموماً علماء ’اصحاب ترجیح‘ کو مجتہدین مذہب میں ہی شمار کرتے ہیں۔

اگر تو ادارہ ’ایقاظ‘ پاکستان کی جماعت اہل الحدیث کی طرح عدم تقلید اور اجتہاد کا دعویدار ہوتا تو ہمیں یہ اعتراض کرنے کا کوئی حق نہ تھا لیکن ایک طرف جب وہ کبار علماء کی تقلید کے دعویدار ہیں اور پاکستانی علماء کو بھی کبار علماء کی تقلید کی دعوت دیتے ہیں تو پھر ان پر یہ اعتراض لازم طور پر وارد آتا ہے کہ وہ خود جب کبار علماء کے مقلد نہیں ہیں تو دوسروں کو اس کی دعوت کیسے دے رہے ہیں؟ ۶۲ مسئلے کا سادہ سا حل یہ ہے کہ اگر ادارہ ایقاظ واقعتاً کبار علماء کی تقلید کا قائل ہے تو کبار علماء مثلاً ہیئۃ کبار العلماء وغیرہ کی خدمت میں تکفیر سے متعلق اپنا فکر تفصیلی طور پر پیش کر کے اس کے بارے تائیدی فتویٰ حاصل کرے اور پھر وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ کبار علماء کا مقلد ہے تو یہ دعویٰ فی الواقع درست ہوگا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ادارہ ایقاظ سلیم الفطرت، فاضل، قابل، مخلص، دیندار اور

تحریکی جذبے کے حامل افراد پر مشتمل ہے اور اگر یہ ادارہ اپنی صلاحیتیں مسلمان حکمرانوں کی تکفیر کے مسئلے ہی کے لیے وقف کرنے کی بجائے کسی قدر مسلمان معاشروں کی اصلاح اور تعمیری کام پر لگائے تو اس معاشرے میں ایک قابل قدر فکری تبدیلی برپا کرسکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو اس کام کے لیے وقف کرے کہ جس کے لیے اس نے انبیاء کو مبعوث کیا ہے۔ آمین!

دوسری طرف 'اصلی اہل سنت' کی ویب سائیٹ کا ایک پہلو تو تعریفی ہے کہ تکفیر اور توحید حاکمیت کے مسئلہ میں وہ سلفی علماء ہی کا موقف پیش کر رہے ہیں لیکن اس ویب سائیٹ کے ذمہ داران' علماء کے ان فتاویٰ کو بعض اوقات کسی دینی شخصیت ہی کو مسخ کر دینے کی صورت میں پیش کرتے ہیں حالانکہ کبار سلفی علماء کا مقصود اس دینی شخصیت کو مسخ کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کے افکار و نظریات سے تحذیر مطلوب ہوتی ہے۔ اختلاف یا نقد تو کسی پر بھی ہوسکتا ہے' نبی کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں ہے لیکن نقد میں انصاف کا دامن تھامے رکھنے والے حضرات بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ جس طرح ایمان کی شاخیں ہیں' اسی طرح کفر اور معصیت کی بھی شاخیں ہیں اور ایک شخص میں 'من وجہ کفر' اور 'من وجہ ایمان' یا 'من وجہ خیر' اور 'من وجہ شر' کا جمع ہونا ممکن ہے۔ اس صورت میں انصاف کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی دینی شخصیت میں خیر کے پہلو کی تعریف کرے اور شر کے پہلو پر نقد کرے۔

تاتاری قانون 'الیاسق' سے معاصر حکمرانوں کی تکفیر پر استدلال

ہم یہاں یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں بعض حضرات نے تاتاریوں کے قانون 'الیاسق' کے حوالے سے امام ابن کثیر اور امام ابن تیمیہ رحمہما اللہ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ان دونوں ائمہ نے 'الیاسق' نامی تاتاری قانون کے مطابق فیصلہ کرنے والے اسلام کے دعویدار تاتاریوں کو کافر قرار دیا ہے۔

بعض سلفی اہل علم نے اس کا جواب یہ دیا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امام ابن کثیر اور امام ابن تیمیہ رحمہما اللہ نے 'الیاسق' نامی مجموعہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے تاتاریوں کو کافر قرار دیا ہے لیکن ان کی تکفیر کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے مجموعہ قوانین کو شرعی

قوانین کے برابر حیثیت دیتے تھے اور یہ اعتقادی کفر ہے اور کسی بھی انسانی قانون کو شرعی قانون کے برابر سمجھنا صریح کفر ہے، جیسا کہ سلفی علماء کے حوالے سے ہم یہ بحث پہلے نقل کر چکے ہیں ۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اسلام قبول کرنے والے تاتاریوں کے عقائد کا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال أكبر مقدميهم الذين قدموا إلى الشام وهو يخاطب رسل المسلمين ويتقرب إليهم بأنامسلمون فقال : هذان آيتان عظيمتان جاء ا من عند الله محمد وجنكيز خان فهذا غاية ما يتقرب به أكبر مقدميهم إلى المسلمين أن يسوى بين رسول الله أكرم الخلق عليه وسيد ولد آدم وخاتم المرسلين وبين ملك كافر مشرك من أعظم المشركين كفرا وفسادا وعدوانا من جنس بخت نصر وأمثاله وذلك أن اعتقاد هؤلاء التتار كان فى جنكسخان عظيما فانهم يعتقدون أنه ابن الله من جنس ما يعتقده النصارى فى المسيح ويقولون إن الشمس حبلت أمه وأنها كانت فى خيمة فنزلت الشمس من كوة الخيمة فدخلت فيها حتى حبلت ومعلوم عند كل ذى دين أن هذا كذب . . . وهم مع هذا يجعلونه أعظم رسول عند الله فى تعظيم ما سنه لهم وشرعه بظنه وهو حتى يقولوا لماعندهم من المال هذا رزق جنكيز خان ويشكرونه على أكلهم و شربهم وهم يستحلون قتل من عادى ما سنه لهم هذا الكافر الملعون المعادى لله ولأنبيائه ورسوله وعباده المؤمنين فهذا وأمثاله من مقدميهم كان غايته بعد الاسلام أن يجعل محمدا بمنزلة هذا الملعون ." [۶۳]

''ان [اسلام کے مدعی تاتاریوں] میں سے جو لوگ شام آئے ان میں سب سے بڑے تاتاری نے مسلمانوں کے پیام بروں سے خطاب کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو مسلمان اور مسلمانوں کے قریب ثابت کرتے ہوئے کہا: یہ دو عظیم نشانیاں ہیں جو اللہ کی طرف سے آئی ہیں۔ ان میں سے ایک محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرا

چنگیز خان ہے۔ پس یہ ان کا وہ انتہائی عقیدہ ہے جس کے ذریعے وہ مسلمانوں کا قرب تلاش کرتے ہیں اور انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ جو مخلوق میں سب سے بزرگ' اولاد آدم کے سردار اور نبیوں کی مہر ہیں' انہیں اور ایک کافر اور مشرکین میں سب سے بڑھ کر مشرک' فسادی' ظالم اور بخت نصر کی نسل کو برابر قرار دیا! ان تاتاریوں کا چنگیز خان کے بارے عقیدہ بہت ہی گمراہ کن تھا۔ ان نام نہاد مسلمان تاتاریوں کا تو یہ عقیدہ تھا کہ چنگیز خان اللہ کا بیٹا ہے اور یہ عقیدہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عیسائیوں کا حضرت مسیح کے بارے عقیدہ تھا۔ یہ تاتاری کہتے ہیں کہ چنگیز خان کی ماں سورج سے حاملہ ہوئی تھی ۔ وہ ایک خیمہ میں تھی جب سورج خیمہ کے روشندان سے داخل ہوا اور اس کی ماں میں گھس گیا۔ پس اس طرح اس کی ماں حاملہ ہوگئی ۔ ہر صاحب علم یہ بات جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے...اس کے ساتھ ان تاتاریوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ چنگیز خان کو اللہ کا عظیم ترین رسول قرار دیتے ہیں کیونکہ چنگیز خان نے اپنے گمان سے ان کے لیے جو قوانین جاری کیے ہیں یا مقرر کیے ہیں یہ ان قوانین کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ جو ان کے پاس مال ہے' اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ چنگیز خان کا دیا ہوا رزق ہے اور اپنے کھانے اور پینے کے بعد [اللہ کی بجائے] چنگیز خان کا شکر ادا کرتے ہیں اور یہ لوگ اس [مسلمان] کے قتل کو حلال سمجھتے ہیں جو ان کے ان قوانین کی مخالفت کرتا ہے جو اس کافر ملعون' اللہ' انبیاء و رسل' محمد عربی ﷺ اور اللہ کے بندوں کے دشمن نے ان کے لیے مقرر کیے ہیں۔ پس یہ ان تاتاریوں اور ان کے بڑوں کے عقائد ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد محمد عربی ﷺ کو چنگیز خان ملعون کے برابر قرار دیتے ہیں۔''

اللہ کے رسول ﷺ کو چنگیز خان کے برابر قرار دینا' چنگیز خان کو اللہ کا بیٹا قرار دینا' چنگیز خان کو اللہ کا رسول قرار دینا اور اس کے دیے گئے قوانین کی تعظیم کرنا' مجموعہ قوانین 'الیاسق' کا انکار کرنے والے مسلمانوں کے خون کو حلال سمجھنا اور کھانے پینے کے بعد چنگیز خان کا شکر ادا کرنا وغیرہ ایسے صریح کفریہ عقائد ہیں کہ جن کے کفر اکبر ہونے میں دو بندوں کا بھی اختلاف ممکن نہیں ہے لہٰذا 'الیاسق' کے مجموعہ قوانین کے بارے تاتاریوں کا جو رویہ اور عقیدہ تھا وہ اعتقادی کفر کا تھا اور اعتقادی کفر کی بنیاد پر سلفی علماء

تکفیر کے قائل ہیں۔

پس آج بھی حکمران اگر وضعی مجموعہ قوانین کو 'من جانب اللہ' سمجھتے ہیں یا اس کو خلاف اسلام کہنے والوں کے خون کو حلال سمجھتے ہیں یا اس قانون کے واضعین کو اللہ کے رسول کے برابر درجہ دیتے ہیں تو ان کے کفر میں بھی کوئی شبہ باقی نہیں رہتا لیکن بغیر کسی کفریہ عقیدے کے مطلق ان وضعی قوانین کے مطابق فیصلے کرنے کو 'کفر اکبر' قرار دینے کی کوئی شرعی، عقلی، نقلی یا تاریخی دلیل موجود نہیں ہے۔ ہاں، ایسا عمل 'کفر اصغر' یا 'کفر عملی' یا 'کفر مجازی' ضرور ہے۔

تکفیر کے قائل بعض سلفی حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ آج کل کے حکمرانوں اور سلف صالحین کے حکمرانوں میں بہت فرق ہے اور اسی فرق کی وجہ سے سلف صالحین نے اپنے دور کے حکمرانوں کی تکفیر نہیں کی لیکن ہمیں کرنی چاہیے۔ ہماری رائے میں یہ تجزیہ بھی تاریخ اور تاریخی حقائق سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔ [٦٤]

مسئلہ تکفیر کی اصولی بنیادیں

سلفی علماء مسئلہ تکفیر میں کچھ بنیادوں کو اس شدت اور صراحت سے نکھارتے ہیں کہ اس کے بعد کسی تفصیل یا وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ ان اصولی بنیادوں کو اس لیے بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ تکفیر کے مسئلہ میں اصولی اختلاف ہی کی وجہ سے خوارج اور معتزلہ گمراہ ہوئے ہیں۔ جب تک کوئی شخص ان اصولوں کو تھامے رہے گا تو وہ سلف صالحین کے منہج پر قائم رہے گا لیکن جیسے ہی اس نے کسی اصول کو ترک کیا تو وہ خوارج اور معتزلہ کے منہج پر چل نکلے گا۔

ہم یہاں یہ بھی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ متقدمین سلف صالحین میں اصولوں کے بیان میں اجمال ہے جبکہ متاخرین نے اس اجمال کو تفصیلی شکل دے دی ہے۔ ہماری رائے میں جو اجمالی بیان متقدمین کے ہاں پایا جاتا ہے اسی کو برقرار رکھنا چاہیے کیونکہ اجمال کی تفصیل میں اہل علم کا اختلاف ممکن ہے۔ مثلاً امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے نواقض اسلام کو انتہائی اجمال کے ساتھ تین صورتوں میں مقید کر دیا ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے جبکہ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے ان اصولوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے

انہیں پھیلا دیا ہے جس سے بعض لوگوں کو تکفیر کے مسئلہ میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔

یہی معاملہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے کہ انہوں نے 'ما أنزل اللہ' کے بغیر تحکیم کو چھ حصوں میں تقسیم کر دیا کہ جس سے کئی ایک غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور انہیں بالآخر اپنے قول سے رجوع کرنا پڑا۔ جبکہ سلف صالحین نے اس مسئلے کو اجمال کے ساتھ دو قسموں میں تقسیم کر دیا ہے:

1. کسی شخص نے یہ کام حلال سمجھتے ہوئے کیا ہے۔
2. یا حلال نہ سمجھتے ہوئے کیا ہے۔ [۶۵]

اسی طرح سلف صالحین نے توحید کی اجمال کے ساتھ تین قسمیں بیان کی تھیں:

1. توحید ربوبیت
2. توحید اُلوہیت
3. توحید اَسماء وصفات [۶۶]

اب بعض معاصر سلفی علماء نے جب ان کی تفصیل کرنی چاہی اور توحید حاکمیت کے نام سے ایک اور قسم متعارف کروائی تو اختلافات کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اسی طرح شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے جب نواقض اسلام کی تفصیل میں پڑنا چاہا تو کبار حنفی علماء نے مسئلہ تکفیر میں ان سے شدید اختلاف کیا۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے بقول متقدمین سلف صالحین عقیدہ کی بنیادوں کو متاخرین سے بہت بہتر سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ہماری رائے یہی ہے کہ توحید اور تکفیر کے اصولی اور بنیادی مسائل میں متقدمین سلف صالحین کی اجمالی تقسیم' متاخرین کی تفصیلات کی نسبت راجح اور اقرب الی الصواب ہے۔ اس بحث میں ہم متقدمین میں سے امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی اصولی تقسیم اور مباحث کو شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے نواقض اسلام کی تفصیل پر قابل ترجیح سمجھتے ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی نواقض اسلام کی بجائے امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب 'تارك الصلاة وحكمها' کو بطور عقیدہ پڑھانا اور ذہنوں میں راسخ کرنا چاہیے۔ نواقض اسلام کے بیان میں امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ یا سلف صالحین کے اس اجمالی منہج کو معاصر سلفی علماء نے بھی قبول کیا ہے اور برقرار رکھا ہے جیسا

کہ شیخ عبداللہ بن عبدالعزیز الجبرین حفظہ اللہ نے اپنی کتاب 'تسهيل العقيدة الإسلامية' میں نواقض اسلام کو اجمال کے ساتھ تین قسموں میں بند کیا ہے: اعتقادی کفر' اعتقادی شرک اور اعتقادی نفاق۔

اجمال کی تفصیل میں نواقض اسلام کی چار سو قسمیں بھی بیان کی جا سکتی ہیں' اس میں ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن ہمارا مقصود یہ ہے کہ جس طرح ائمہ اربعہ وغیرہ نے کتاب وسنت کے اجمالات کی تشریحات کی ہیں اور بعد کے آنے والے زمانوں میں کتاب وسنت کے ان اجمالات کے ساتھ ائمہ کی تشریحات کو بھی بعض حضرات نے مقدس نصوص کا درجہ دے دیا بعینہ یہی کام ہمارے زمانے میں عقیدے کے مسئلے میں بھی ہوا ہے۔ کتاب وسنت میں بعض عقائد اجمالی طور پر بیان ہوئے ہیں لہٰذا اصولاً ان عقائد کو اجمالاً ہی بیان کرنا چاہیے جیسا کہ سلف صالحین کا منہج بھی یہی ہے۔ ہاں، ان اجمالی نصوص کی تشریحات بھی کی جا سکتی ہیں لیکن ان تشریحات کو جب مقدس کتابوں کی مانند سمجھا جانے لگے جیسا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'نواقض إسلام' سے اختلاف کو بعض معاصر سلفی حضرات کتاب وسنت سے اختلاف کے مترادف قرار دینے کا رویہ اختیار کرتے ہوں' تو ایسی صورت میں متاخرین کی اس تقسیم کی بجائے سلف کی تقسیم کی طرف لوٹ جانا ازبس ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

تکفیر معین اور غیر معین کا فرق

سلفی علماء نے تکفیر کے مسئلے میں دو بنیادوں کو نمایاں کیا ہے۔ پہلی بنیاد معین اور غیر معین کی تکفیر کے مابین گھومتی ہے۔ سلفی علماء کے ہاں تکفیر کی دو قسمیں ہیں:

۱ **تکفیر معین:** کسی متعین شخص' مسلک' جماعت' گروہ یا ادارے کی تکفیر۔

۲ **تکفیر غیر معین:** اصولی تکفیر کہ جس کا یہ عقیدہ ہوگا وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔

سلفی علماء تکفیر غیر معین کے قائل ہیں بلکہ مسلمانوں میں سے کسی کا بھی اس بارے کوئی اختلاف مروی نہیں ہے کہ تکفیر غیر معین ہر کوئی کر سکتا ہے۔ اسی طرح سلفی علماء تکفیر معین کے بھی قائل ہیں لیکن چونکہ تکفیر معین میں 'تحقیق المناط' ہوتی ہے جو اجتہاد کی ایک قسم ہے لہٰذا یہ کام درجہ اجتہاد پر فائز مستند علماء کی ایک جماعت ہی کر سکتی ہے' ہر ایرے غیرے

کو اس کی اجازت نہیں ہے۔

سلفی علماء کا یہ بھی کہنا ہے کہ جو حضرات مستند اہل علم میں سے نہ ہوں اور پھر بھی تکفیر کرتے ہوں تو عامۃ الناس کے لیے ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا بھی حرام ہے۔ شیخ عبد اللہ بن عبد العزیز جبرین حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”ولهذا ينبغي للمسلم أن لا يتعجل فى الحكم على الشخص المعين أو الجماعة المعينة بالكفر حتى يتأكد من وجود جميع شروط الحكم عليه بالكفر وانتفاء جميع موانع التكفير فى حقه وهذا يجعل مسألة التكفير المعين من مسائل الاجتهاد التى لا يحكم فيها بالكفر على شخص أو جماعة أو غيرهم من المعينين إلا أهل العلم الراسخون فيه لأنه يحتاج إلى اجتهاد من وجهين: الأول معرفة هذا القول أو الفعل الذى صدر من هذا المكلف مما يدخل فى أنواع الكفر الأكبر أو لا؟ والثانى: معرفة الحكم الصحيح الذى يحكم به على هذا المكلف وهل وجدت جميع أسباب الحكم عليه بالكفر وانتفت جميع الموانع من تكفيره أم لا . . . كما أنه يحرم على العامة وصغار طلاب العلم أن يحكموا بالكفر على مسلم أو على جماعة معينة من المسلمين أو على أناس معينين من المسلمين ينتسبون إلى مذهب معين دون الرجوع فى ذلك إلى العلماء كما أنه يجب على مسلم أن يجتنب مجالسة الذين يتكلمون فى مسائل التكفير وهم ممن يحرم عليهم ذلك لقلة علمهم .“ [۲۷]

”اس لیے مسلمان کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ کسی معین شخص یا معین جماعت کی تکفیر میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اس معین شخص یا جماعت میں کفر کا حکم لگانے کے لیے جمیع شروط موجود ہوں اور تکفیر کے وجود میں تمام موانع ختم ہو جائیں ۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تکفیر معین کا مسئلہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور کسی معین شخص یا

جماعت یا معین ادارے وغیرہ پر کفر کا حکم وہی لگا سکتے ہیں جو راسخون فی العلم ہیں کیونکہ اس قسم کی معین تکفیر میں دو اعتبارات سے اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے: اس بات کو معلوم کرنا کہ معین مکلّف سے جو قول یا فعل صادر ہوا ہے وہ کفر اکبر میں داخل ہے یا نہیں؟ اور دوسرا اس پہلو سے کہ اس صحیح حکم کی معرفت حاصل کرنا جس کا اس مکلّف پر اطلاق کرنا ہے اور اس بات کو معلوم کرنا کہ اس مکلّف پر کفر کا حکم جاری کرنے کے جمیع اسباب پائے جاتے ہیں اور اس کی تکفیر میں جمیع موانع ختم ہو گئے ہیں یا نہیں؟...اسی طرح عامۃ الناس اور چھوٹے درجے کے کسی مذہب کی طرف منسوب دینی طلبا کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ کسی مسلمان یا مسلمانوں کی معین جماعت یا مسلمانوں میں سے متعین لوگوں کی تکفیر کریں یہاں تک کہ وہ اس بارے اپنے علماء کی طرف رجوع نہ کرلیں۔ اسی طرح ایک مسلمان پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ ان لوگوں کی مجلس میں نہ بیٹھے جو تکفیری مسائل پر گفتگو کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر تکفیر کے مسئلے میں گفتگو ان کے قلیل علم کی وجہ سے حرام ہے۔''

تکفیر غیر معین کی مثال یوں سمجھیں کہ آپ کہتے ہیں:

- جو بھی مُردوں سے استغاثہ کرتا ہے' وہ مشرک ہے۔
- جو بھی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا' وہ کافر ہے۔

ایسی تکفیر جائز ہے اور ہر کوئی کرسکتا ہے بلکہ ایسی تکفیر تو ہر وہ شخص کررہا ہوتا ہے جو قرآن کی تلاوت یا سنت کا مطالعہ کررہا ہو۔ مثال کے طور پر جب ایک شخص قرآن کی آیت﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [٦٨] کا مطالعہ کرے گا تو وہ ایک اعتبار سے اللہ کے کلام کی تلاوت کے ساتھ تکفیر بھی کررہا ہوتا ہے۔ سلفی علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ اللہ نے اس آیت کو مطلق بیان کیا ہے لہٰذا اس آیت کا مطلق معنی ومفہوم یہی ہے کہ جو شخص بھی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اب بعض صورتوں میں عملی اور مجازی کافر ہوگا یعنی ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوگا اور بعض صورتوں میں وہ حقیقی کافر ہوگا یعنی ملت اسلامیہ سے خارج ہوگا۔ پس کافر تو وہ ہے لیکن یہ تعین کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ وہ مجازی وعملی کافر ہے یا حقیقی کافر۔ شریعت کی بعض دوسری نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض صورتوں میں

وہ عملی ومجازی کافر ہوگا اور بعض میں حقیقی ہوگا۔

پس اگر کوئی شخص اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے والے حاکم یا جج کو کافر کہے اور اس کی مراد عملی ومجازی کفر ہو تو ایسا کہنا جائز ہوگا لیکن عرف میں چونکہ کافر کے لفظ سے کفر حقیقی مراد ہوتا ہے لہٰذا قائل کو یہ وضاحت ضرور کرنی چاہیے کہ اس کی مراد مجازی وعملی کفر ہے۔

جہاں تک تکفیر معین کا معاملہ ہے تو اسے نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے تکفیر کے مسئلہ میں ٹھوکر کھائی ہے۔ مثلاً معین کی تکفیر تین قسم کی ہوسکتی ہیں:

١ فرد کی تکفیر

٢ نوع کی تکفیر

٣ جنس کی تکفیر

عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ معین کی تکفیر سے مراد محض فرد واحد کی تکفیر ہے حالانکہ معین کی تکفیر میں معین نوع یا معین جنس یا معین جماعت یا معین گروہ کی تکفیر بھی شامل ہے۔ اصول فقہ میں ایک اصطلاح 'خاص' کی ہے جس کی اپنے معنی ومفہوم پر دلالت قطعی ہوتی ہے اور خاص کی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

١ خاص فردی

٢ خاص نوعی

٣ خاص جنسی [٦٩]

پس معین کی تکفیر میں شخص' جماعت' ادارہ یا گروہ وغیرہ بھی شامل ہے جیسا کہ اوپر شیخ عبداللہ بن عبدالعزیز جبرین کا قول اس بارے گزر چکا ہے۔ لہٰذا معین کی تکفیر کی مثال یوں ہوگی:

* فرد واحد کی تکفیر کریں مثلاً یوں کہیں کہ علامہ طالب جوہری یا پروفیسر طاہر القادری کافر ہیں جیسا کہ بعض معاصر طبقات ان حضرات کی تکفیر کرتے ہیں۔

* یا معین جماعت اور گروہ کی تکفیر کریں مثلاً یوں کہیں کہ شیعہ یا ہماری پارلیمنٹ یا پاکستانی حکمران یا ہماری عدلیہ یا افواج پاکستان کافر ہیں۔

اگر ایسی تکفیر عوام الناس یا گلی گلی پھرنے والے مفتی یا نام نہاد مفکرین و مصلحین

کریں تو ہمارے نزدیک یہ ایک فتنہ ہے' جس سے امت مسلمہ کو بچانا چاہیے۔ ہاں، اگر درجہ اجتہاد پر فائز مستند علماء کی کوئی جماعت ایسی معین تکفیر کرے تو وہ اس کے اہل بھی ہیں اور مستحق بھی۔ لیکن علماء کی اس جماعت سے معین کی تکفیر میں کسی دوسرے صاحب علم و فضل کو اختلاف بھی ہوسکتا ہے۔ [70]

معین کی تکفیر چونکہ ایک اجتہادی معاملہ ہے اور اجتہاد میں قطعیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ امت کا اس پر اجماع ہو جائے اور جب تک معین کی تکفیر پر اجماع نہ ہو اس وقت تک درجہ اجتہاد پر فائز علماء کی معین کی تکفیر علم ظن یا مطلقاً علم کا فائدہ دے گی لیکن یہ واضح رہے کہ یہ تکفیر معین بھی 'عند العلماء' ہو گی اور 'عند اللہ' وہ معین شخص یا گروہ کافر ہے یا نہیں' اس کا تعین اللہ کے سوا کسی کو کرنے کا اختیار نہیں ہے اور یہ قیامت ہی کے دن واضح ہو گا۔ [71]

ہمارے ہاں بعض طبقات میں معروف ہے کہ شیعہ کافر ہے ۔ شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ کے تقریباً ۳۲ فرقوں کا تذکرہ کیا ہے ۔ ہر ایک کے عقائد اور نظریات دوسروں سے مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض اہل سنت کے قریب ہیں مثلاً زیدیہ۔ اسی طرح شیعہ کے علماء اور عوام کے عقائد میں بھی فرق ہے۔ پس اہل علم کے نزدیک یہ کہا جا سکتا ہے کہ:

* جو شیعہ قرآن کو اللہ کی مکمل کتاب نہیں مانتا وہ کافر ہے۔

یہ تکفیر درست ہے لیکن یہ غیر معین کی تکفیر ہے ۔ یعنی اصولوں کی روشنی میں غیر معین کی تکفیر کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے:

* جو عدلیہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتی اور اپنے اس فعل کو حلال سمجھتی ہے' وہ کافر ہے۔

یہ بھی غیر معین کی تکفیر ہے اور یہ بھی کی جا سکتی ہے لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ پاکستان کی عدلیہ کافر ہے تو یہ معین جماعت کی تکفیر ہو جائے گی جو درجہ اجتہاد پر فائز علماء کی جماعت کے لیے جائز ہے۔ کیونکہ علماء کی جماعت جب کسی معین شخص یا جماعت کی تکفیر کرتی ہے تو اس کے عقیدے کے بارے مکمل تحقیق کرتی ہے۔ شروط و موانع تکفیر کا لحاظ رکھتی ہے۔ ظاہر و تاویل کا فرق رکھتی ہے وغیرہ ذلک۔ مثلاً کبار سعودی اہل علم کے نزدیک یہ کہا جا سکتا ہے

کہ:

* جو شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے استغاثہ کرے تو وہ مشرک ہے۔

یہ غیر معین کی تکفیر ہے لیکن بریلوی مشرک ہے یہ کہنا غلط ہے کیونکہ یہ معین کی تکفیر ہے۔ بریلوی مکتبہ فکر کی طرف اپنی نسبت کرنے والے کئی ایک حضرات ہم نے ایسے بھی دیکھے ہیں جو سلفی عقائد کے حامل ہیں۔ ویسے تو سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے نام کے ساتھ بریلوی لگاتے تھے۔

مثال کے طور پر بعض حضرات کا یہ کہنا کہ حنفی مشرک ہیں' قطعاً درست نہیں ہے کیونکہ یہ معروف ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اعتقادی مسائل میں تقلید حرام ہے۔ اسی لیے حنفیہ میں معتزلی بھی ہوتے ہیں جیسا کہ صاحب کشاف اور سلفی بھی جیسا کہ شارح عقیدہ طحاویہ ابن ابی العز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ماتریدی بھی جیسا کہ علمائے دیوبند اور اشعری بھی جیسا کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس لیے یہ کہنا کہ حنفی مشرک ہیں درست نہیں ہے ۔الا یہ کہ آپ ایک ایک حنفی کے پاس جا کر اس سے اس کے عقیدے کی تصدیق کر لیں۔ یہاں دراصل 'تحقیق مناط' میں غلطی ہو رہی ہے۔لوگ استخراجی منطق سے کام لے رہے ہیں جو یونانیوں کا طریقہ تھا۔مثلاً انہوں نے ایک بھینس کالے رنگ کی دیکھی تو یہ دعویٰ کر دیا کہ دنیا کی سب بھینسیں کالے رنگ کی ہوتی ہیں حالانکہ اس بات کا امکان ہے کہ دنیا میں کوئی بھینس کالے رنگ کی نہ ہو۔ ہمارے ہاں عام طور معاشرے میں اسی منطق سے کام لے کر تکفیر کی جاتی ہے۔ کسی ایک بریلوی عالم دین کا ایک قول لے کر پوری جماعت پر فتویٰ جڑ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح پارلیمنٹ کے ایک ممبر کے افعال و اقوال کو بنیاد بناتے ہوئے ساری پارلیمنٹ پر کفر کا فتوی تھوپ دیا جاتا ہے حالانکہ یہ بات ہم سب کے علم میں ہے کہ پارلیمنٹ میں جمعیت علمائے اسلام کے لوگ بھی ہیں اور جماعت اسلامی کے اکابر بھی' جو نفاذ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے دعویدار ہیں ۔ اسلامی جماعتوں کو تو چھوڑیں' خود سیاسی جماعتوں کے عقائد و نظریات میں فرق پایا جاتا ہے۔ مسلم لیگ کی کرپشن اس قدر نہیں جس قدر پیپلز پارٹی کی ہے۔ تو دونوں کا حکم ایک کیسے ہوسکتا ہے؟

کفرعملی کی تفصیل

تکفیر کا دوسرا مسئلہ جسے سلفی علماء نے شدت سے نمایاں کیا ہے وہ یہ اصول ہے کہ کفر بعض صورتوں میں اعتقادی اور ملت اسلامیہ سے خارج کرنے والا ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں یہ صرف کفریہ فعل ہوتا ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا اگرچہ اس فعل کے مرتکب کے لیے کتاب وسنت میں کفر یا کافر کا لفظ ہی کیوں نہ وارد ہوا ہو۔ دوسری قسم یعنی کفر عملی سے متعلق امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کافی دقیق اور لطیف بحثیں کی ہیں جن کا خلاصہ ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ پہلی قسم یعنی اعتقادی کفر میں کسی کا بھی کوئی اختلاف نہیں ہے لہذا ہم اس کی تفصیل یہاں بیان نہیں کر رہے ہیں۔

پہلا نکتہ

امام صاحب نے کفر کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

1. کفر اعتقادی جو ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث بنتا ہے
2. کفر عملی۔

دوسری قسم کو انہوں نے مزید دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

1. پہلا وہ کفر عملی ہے جو ایمان کی ضد ہو یعنی اس کفریہ عمل اور ایمان کا اجتماع ممتنع اور ناممکن ہو۔
2. دوسرا وہ کفر عملی ہے جو ایمان کی ضد نہ ہو یعنی اس کا اور ایمان کا اجتماع ممکن ہو۔

پہلی قسم کے کفر عملی کے بارے سلف صالحین کا موقف یہ ہے کہ یہ ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث بنتا ہے جبکہ دوسری قسم کا کفر عملی ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث اور سبب نہیں ہے لیکن امام صاحب یہ بات بھی واضح کرتے ہیں کہ دوسری قسم کے کفریہ فعل کا مرتکب عملی کافر ضرور کہلائے گا کیونکہ جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کافر کہا ہو تو اسے کافر کہنے میں کوئی مانع نہیں ہونا چاہیے بشرطیکہ جس معنی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کو کافر کہا ہے اسی معنی میں اس کو کافر کہا جا رہا ہو۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وھھنا أصل آخر وھو الکفر نوعان : کفر عمل وکفر جحود

وعناد. فكفر الجحود: أن يكفر بما علم أن الرسول جاء به من عند الله جحودا وعنادامن أسماء الرب وصفاته وأفعاله وأحكامه وهذا الكفر يضاد الإيمان من كل وجه. وأما كفر العمل: فينقسم إلى ما يضاد الإيمان وإلى ما لا يضاده فالسجود للصنم والاستهانة بالمصحف وقتل النبى وسبه يضاد الإيمان وأما الحكم بغير ما أنزل الله وترك الصلاة فهو من الكفر العملى قطعا ولايمكن أن ينفى عنه اسم الكفر بعد أن أطلقه الله ورسوله عليه فالحاكم بغير ما أنزل الله كافر وتارك الصلاة كافر بنص الرسول ولكن هو كفر عمل ولايطلق عليهما اسم كافر وقد نفى رسول الله الإيمان عن الزانى والسارق وشارب الخمر وعمن لايأمن جاره بوائقه وإذا نفى عنه اسم الإيمان فهو كافر من جهة العمل وانتفى عنه كفر الجحود والاعتقاد وكذلك قوله لاترجعوا بعدى كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض فهذا كفر عمل وكذلك قوله من أتى كاهنا فصدقه أو امرأة فى دبرها فقد كفر بما أنزل على محمد وقوله إذا قال الرجل لأخيه يا كافر فقد باء بها أحدهما... وهذا التفصيل هو قول الصحابة الذين هم أعلم الأمة بكتاب الله وبالإسلام والكفر ولوازمهما فلاتتلقى هذه المسائل إلا عنهم فإن المتاخرين لم يفهموا مرادهم فانقسموا فريقين فريقا اخرجوا من الملة بالكبائر وقضوا اصحابها بالخلود فى النار وفريقا جعلوهم مؤمنين كاملى الإيمان فهؤلاء غلوا وهؤلاء جفوا وهدى الله أهل السنة للطريقة المثلى والقول الوسط الذى هو فى المذاهب كالإسلام فى الملل فها هنا كفر دون كفر ونفاق دون نفاق وشرك دون شرك وفسوق دون فسوق وظلم دون ظلم.» ﴿۴۲﴾

''اور یہاں ایک اور بنیادی اصول بھی ہے اور وہ یہ کہ کفر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک

عملی کفر اور دوسرا انکار اور دشمنی کا کفر۔ پس کفر انکار یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے اسماء، صفات، افعال اور احکام میں سے کسی ایسی شے کا سرکشی اور ہٹ دھرمی سے انکار کر دے کہ جس کے بارے اسے علم ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ وہ شے اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں۔ یہ ایسا کفر ہے جو ہر پہلو سے ایمان کے منافی ہے۔ جہاں تک کفر عملی کا معاملہ ہے تو [یہ بھی دو قسم پر ہے] ایک یہ کہ وہ ایمان کے منافی ہو اور دوسرا یہ کہ وہ ایمان کے منافی نہ ہو۔ پس بت کو سجدہ کرنا، قرآن مجید کی اہانت کرنا، نبی کو قتل کرنا یا اس کو گالی دینا ایسا کفر عملی ہے جو اس کے ایمان کے منافی ہے جبکہ 'ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلہ نہ کرنا اور نماز کو چھوڑ دینا قطعی طور پر کفر عملی ہے اور ایسے کفر کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کفر کہنے کے بعد بھی کفر نہ کہنا ممکن نہیں ہے۔ پس 'ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والا کافر ہے اور نماز کو ترک کرنے والا بھی اللہ کے رسول ﷺ کی نص کے مطابق کافر ہے لیکن یہ عملی کفر ہے اور ان پر کافر حقیقی کے اسم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے زانی، چور، شراب نوشی کرنے والے اور پڑوسی کو ایذا پہنچانے والے سے ایمان کی نفی کی ہے۔ پس جب آپ نے ایمان کی نفی کر دی تو ایسا شخص عملی اعتبار سے کافر ہے لیکن اس میں انکار اور اعتقاد کا کفر نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا قول کہ میرے بعد کافر نہ بن جانا اور ایک دوسرے کی گردنیں نہ اڑانے لگ جانا بھی کفر عملی کی مثال ہے۔ اسی طرح آپ کا قول کہ جو کسی کاہن کے پاس آیا اور اس نے اس کی تصدیق کی یا اس نے اپنی بیوی سے دبر میں مباشرت کی تو اس نے اس شریعت کا انکار کیا جو محمد عربی ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔ اسی طرح آپ کا قول کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کہے: اے کافر! تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو جاتا ہے [یا تو جسے کہا جا رہا ہے وہ کافر ہے اور اگر وہ کافر نہیں ہے تو کہنے والا کافر ہو جاتا ہے تو یہ بھی کفر عملی ہی ہے]... [کفر کے بارے] یہی تفصیل ان صحابہ کے اقوال میں موجود ہے جو امت میں اللہ کی کتاب، اسلام، کفر اور اس کے لوازمات کے بارے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ پس تم یہ مسائل صرف انہی سے حاصل کرو کیونکہ متاخرین ان کی مراد کو نہ سمجھ سکے اور دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فریق نے کبیرہ گناہ کی بنیاد پر لوگوں کو ملت

اسلامیہ سے خارج اور دائمی جہنمی قرار دینا شروع کر دیا اور دوسرے گروہ نے گناہ کبیرہ کے مرتکبین کو مومن کامل کہا۔ پس پہلا گروہ غالی ہے اور دوسرا ظالم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے مثالی طریقہ اور معتدل قول کی طرف اہل سنت والجماعت کی رہنمائی فرمائی جیسا کہ متفرق مذاہب میں اسلام کا مقام ہے۔ اور یہ معتدل قول یہ ہے کہ یہاں کفر اکبر سے چھوٹا کفر [کفر اصغر] بھی ہے اور نفاق اکبر [اعتقادی نفاق] سے چھوٹا نفاق [نفاق عملی] بھی موجود ہے اور شرک اکبر سے چھوٹا شرک [شرک اصغر] بھی ہے اور گناہ کبیرہ سے چھوٹا گناہ [صغیرہ] بھی ہے اور ظلم اکبر سے چھوٹا ظلم بھی موجود ہے۔''

دوسرا نکتہ

کفر عملی سے متعلق امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصول کو بھی اچھی طرح واضح کیا ہے کہ ایک شخص میں کفر اور ایمان اور توحید اور شرک جمع ہو سکتے ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں:

”وههنا أصل آخر وهو أن الرجل قد يجتمع فيه كفر وإيمان وشرك وتوحيد تقوى وفجور نفاق وإيمان هذا من أعظم أصول أهل السنة وخالفهم فيه غيرهم من أهل البدع كالخوارج والمعتزلة والقدرية ومسألة خروج أهل الكبائر من النار وتخليدهم فيها مبنية على هذا الأصل وقد دل عليه القرآن والسنة والفطرة وإجماع الصحابة . قال تعالى ومايؤمن أكثرهم بالله إلا وهم مشركون فأثبت لهم إيمانا به سبحانه مع الشرك قال تعالى قالت الأعرب آمنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا أسلمنا ولما يدخل الإيمان فى قلوبكم وإن تطيعوا الله ورسوله لا يلتكم من أعمالكم شيئا إن الله غفور رحيم فأثبت لهم إسلاما وطاعة الله ورسوله مع نفى الإيمان عنهم . “ [۴۳]

'' یہاں ایک اور بنیادی اصول بھی واضح رہنا چاہیے کہ کسی شخص میں کفر اور ایمان' شرک اور توحید' تقویٰ اور فسق و فجور' نفاق اور ایمان اکٹھا ہوسکتا ہے۔ یہ اہل سنت

کے اصولوں میں سے ایک بہت اہم اصول ہے جبکہ اہل بدعت میں سے خوارج' معتزلہ اور قدریہ وغیرہ نے اس اصول میں اہل سنت کی مخالفت کی ہے۔ کبیرہ گناہ کے مرتکبین کا جہنم سے نکلنا یا جہنم میں دائمی طور پر رہنے کا اختلاف اس اصولی اختلاف کا نتیجہ ہے۔ اہل سنت کے اس اصول کی دلیل قرآن' سنت' اجماع اور فطرت ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: اکثر لوگ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں وہ اس کے ساتھ [کسی نہ کسی نوع کا] شرک بھی کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے شرک کے ساتھ ایمان کا بھی اثبات کیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بدوؤں نے یہ کہا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں' آپ ان سے کہہ دیں کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یہ کہو کہ ہم نے اسلام قبول کیا ہے اور ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال [کے اجر وثواب] میں سے کچھ کمی نہ کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحیم ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بدوؤں کے لیے اسلام کا اثبات کیا ہے اور ان کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اطاعت کو بھی قبول کیا ہے جبکہ ساتھ ہی ان کے ایمان کی بھی نفی کر دی ہے۔''

تیسرا نکتہ

کفر عملی سے متعلق امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اصول بھی بیان کیا ہے کہ بعض اوقات ایک شخص میں ایمان کی کوئی شاخ ہوتی ہے لیکن اس کو مؤمن نہیں کہا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض اوقات ایک شخص میں کفر کی کوئی قسم پائی جاتی ہے لیکن اس پر لفظ کافر کا اطلاق نہیں ہوتا ہے کیونکہ اسم الفاعل کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ کوئی شخص کثرت سے وہ کام کرتا ہو جیسا کہ لفظ ضارب کا مارنے والے پر اطلاق، یا اس کے غالب اجزاء اور پہلوؤں کا احاطہ کرنے والا ہو جیسا کہ لفظ عالم کا علم والے پر اطلاق ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں:

"هنا أصل آخر وهو أنه لايلزم من قيام شعبة من شعب الإيمان بالعبد أن يسمى مؤمنا وإن كان ما قام به إيمانا ولا من قيام شعبة من

شعب الكفر به أن يسمى كافرا وإن كان ما قام به كفرا كما أنه لا يلزم من قيام جزء من أجزاء العلم به أن يسمى عالما ولا من معرفة بعض مسائل الفقه والطب أن يسمى فقيها ولاطبيبا ولايمنع ذلك شعبه الإيمان إيمانا شعبة النفاق نفاقا وشعبة الكفر كفرا وقد يطلق عليه الفعل كقوله فمن تركها فقد كفر ومن حلف بغير الله فقد كفر . . . فمن صدر منه خلة من خلال الكفر فلا يستحق اسم كافر على الإطلاق وكذا يقال من ارتكب محرما إنه فعل فسوقا وإنه فسق بذلك المحرم ولايلزمه اسم فاسق إلا بغلبة ذلك عليه . "

''یہاں ایک اور اصول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان کی شاخوں میں سے کسی شاخ پر قائم ہو تو لازم نہیں ہے کہ اس پر لفظ مومن صادق آئے' اگر چہ جس چیز کے ساتھ وہ کھڑا ہو وہ ایمان ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کفر کی شاخوں میں سے کسی شاخ کے ساتھ کھڑا ہے تو لازم نہیں ہے کہ اسے کافر کہا جائے' اگر چہ جس کے ساتھ وہ کھڑا ہو وہ کفر ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ اگر کسی شخص کو علم کے اجزا میں سے ایک جز حاصل ہو جائے تو اسے عالم نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی کو فقہ یا علم طب کے بعض مسائل کی معرفت ہو تو اس سے وہ فقیہہ یا طبیب نہیں بن جاتا۔ لیکن یہ قاعدہ اور اصول اس بات میں مانع نہیں ہے کہ ہم اس شخص میں ایمان کی شاخ کو ایمان' نفاق کی شاخ کو نفاق اور کفر کی شاخ کو کفر کا نام دیں [یعنی اسم الفاعل کا اطلاق اس وقت کیا جائے گا جبکہ کوئی شخص اس فعل کو بار بار کرنے والا ہو یا اس کے جمیع اجزا کا احاطہ کرنے والا ہو]۔ بعض اوقات اس پر صرف فعل کا اطلاق ہو گا جیسا کہ آپ نے فرمایا جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اس نے کفر کیا (یعنی کفر یہ فعل کیا ہے اور اس میں ایمان کی شاخوں کے ساتھ کفر کی ایک شاخ بھی وجود میں آ گئی ہے) اور جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی تو اس نے کفر کیا...پس جس سے کفر کی صفات میں سے کوئی صفت صادر ہو تو اس کو مطلق طور پر کافر کہنا جائز نہیں ہے [ہاں، مقید طور پر کافر مجازی یا کافر عملی کہا جا سکتا ہے]۔ اسی طرح جس نے کوئی حرام کام کیا تو اس نے اس حرام کام کے ارتکاب

کی وجہ سے فسق و فجور تو کیا ہے لیکن اس پر فاسق کے لفظ کا اطلاق درست نہیں ہے
اِلا یہ کہ وہ اس حرام کام کو کثرت سے کرے۔''

چوتھا نکتہ

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے عملی کفر کا یہ اصول بھی واضح کیا ہے کہ کتاب وسنت میں جن افعال کے مرتکبین کے اسلام یا ایمان کی نفی کی گئی ہے تو ہم بھی ان کے اسلام اور ایمان کی نفی کریں یعنی ہم انہیں مومن یا مسلم نہیں کہیں گے اور اس سے ہماری مراد ان کی تکفیر نہیں ہے بلکہ شرع کی اتباع میں ہم ایسا کریں گے اگرچہ ان اشخاص میں ایمان یا اسلام کی دوسری شاخیں موجود ہوں گی اور اس وجہ سے ان کو کافر حقیقی نہیں قرار دیا جائے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں:

"وهكذا الزانی والسارق والشارب والمنتهب لايسمى مؤمنا وإن كان معه إيمان كما أنه لايسمى كافرا وإن كان ما أتى به من خصال الكفر وشعبه إذ المعاصی كلها شعب من شعب الكفر كما أن الطاعات كلها من شعب الإيمان. أن سلب الإيمان من تارك الصلاة أولى من سلبه عن مرتكب الكبيرة وسلب اسم الإسلام عنه أولى من سلبه عمن لم يسلم المسلمون من لسانه ويده فلا يسمى تارك الصلاة مسلما ولامؤمنا وإن كان شعبة من شعب الإسلام والإيمان." [45]

''اسی طرح کا معاملہ زانی' چور' شرابی اور لٹیرے وغیرہ کا بھی ہے (یعنی ان پر ان ناموں کا اطلاق اسی وقت درست ہوگا جب ان سے یہ افعال کثرت سے صادر ہوں اور اگر کبھی کبھار ہوں تو پھر یہ تو کہا جائے گا کہ فلاں نے زنا کیا یا چوری کی یا ڈاکہ ڈالا یا شراب پی لیکن انہیں زانی' شرابی' ڈاکو یا چور نہیں کہا جائے گا) پس انہیں (یعنی چور' زانی' شرابی اور لٹیرے کو) نہ تو مومن کہا جائے گا (کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ان کے مومن ہونے کی نفی ہے) اگرچہ ان کے پاس ایمان موجود بھی ہوتا ہے اور نہ ہی انہیں کافر کہا جائے گا اگرچہ جن افعال کا انہوں

نے ارتکاب کیا ہے وہ کفر کی قسموں میں سے ایک قسم ہیں کیونکہ تمام کے تمام گناہ کفر کی مختلف شاخیں ہیں اور تمام قسم کی اطاعتیں ایمان کی شاخیں ہیں۔ گناہ کبیرہ کے مرتکبین سے ایمان کی نفی کے مقابلہ میں [جیسا کہ زانی ' شرابی اور چور سے ایمان کی نفی کی گئی ہے] تارک صلاۃ سے ایمان کی نفی کرنا بالاولیٰ ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ نہ ہوں' اس سے اسلام کی نفی کے مقابلہ میں [جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے] تارک صلاۃ سے اسلام کی نفی کرنا بالاولیٰ ثابت ہوتی ہے۔ پس تارک صلاۃ کو نہ تو مومن کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی مسلمان' اگرچہ وہ ایمان اور اسلام کی شاخوں میں سے بعض شاخوں پر قائم ہو۔''

پانچواں نکتہ

جب کتاب وسنت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایک شخص میں ایمان و کفر اور توحید و شرک جمع ہو سکتے ہیں تو کیا کسی شخص کو روز آخرت عملی کفر کی موجودگی میں اس کا ایمان یا عملی شرک کی موجودگی میں اس کی توحید کام دے گی ؟ اس بارے امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ اس کی دو قسمیں بنتی ہیں:

1. اگر تو کسی شخص کا عملی کفر ایسا ہے جو بقیہ ایمان کے لیے شرط کا درج نہیں رکھتا ہے تو بقیہ ایمان اس کو آخرت میں فائدہ دے گا۔
2. اور اگر تو اس کا عملی کفر بقیہ ایمان کے لیے شرط کا درجہ رکھتا ہے تو اس کا بقیہ ایمان آخرت میں اس کے لیے نفع بخش نہ ہوگا۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ:

* ایک شخص نماز نہیں پڑھتا اور کفریہ فعل کا مرتکب ہوتا ہے تو کیا اسے اس کے روزوں یا صدقہ و زکوۃ وغیرہ جیسے دوسرے نیک اعمال کا فائدہ ہوگا ؟
* یا کوئی حکمران 'ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلے نہیں کرتا ہے اور عملی طور پر کافر ہے تو کیا اسے اس کے نماز روزے کا اجر وثواب ملے گا ؟
* یا ایک شخص مسجد میں جا کر پانچ وقت نماز بھی پڑھتا ہے اور مندر میں جا کر بت کے سامنے ماتھا بھی ٹیکتا ہے تو کیا اس کی نماز اس کے لیے نفع بخش ہوگی ؟

* یا ایک شخص نماز روزہ تو کرتا ہے لیکن اللہ کے نبی ﷺ کو گالی بھی دیتا ہے تو کیا اس کا نماز روزہ اس کے کام آئے گا؟

اس بارے امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نعم يبقى أن يقال فهل ينفعه ما معه من الإيمان فى عدم الخلود فى النار فيقال ينفعه إن لم يكن المتروك شرطا فى صحة الباقى واعتباره وإن كان المتروك شرطا فى اعتبار الباقى لم ينفعه ولهذا لم ينفع الإيمان بالله ووحدانيته وأنه لا إله إلا الله هو من أنكر رسالة محمد ولا تنفع الصلاة من صلاها عمدا بغير وضوء فشعب الإيمان قد يتعلق بعضها ببعض تعلق المشروط بشرطه وقد لا يكون كذلك." [47]

''پس اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کفر یہ فعل کے مرتکب کے پاس جو ایمان ہے وہ اسے دائمی جہنمی بنانے میں مانع ہو گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایمان اس کے دائمی جہنمی ہونے میں رکاوٹ بن سکتا ہے بشرطیکہ جس فعل کو وہ ترک کر رہا ہے وہ بقیہ ایمان کی صحت کے لیے شرط اور معتبر نہ ہو۔ اگر تو جس فعل کو وہ ترک کر رہا ہے وہ بقیہ ایمان کے معتبر ہونے میں شرط ہو تو پھر بقیہ ایمان اس کو فائدہ نہ دے گا۔ پس یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا تو اسے ایمان باللہ اور اللہ کی توحید یا لا الہ الا اللہ کچھ فائدہ نہ دے گا[کیونکہ یہاں اس نے ایک ایسے فعل کو ترک کیا ہے جو اس کے بقیہ ایمان کے لیے بھی ایک معتبر شرط کی حیثیت رکھتا تھا لہٰذا شرط کے مفقود ہونے سے مشروط بھی مفقود ہو گیا۔ پس بقیہ ایمان قابل فائدہ نہ رہا]۔ اسی طرح اس شخص کو اس کی نماز کوئی فائدہ نہ دے گی جو جانتے بوجھتے بغیر وضو کے نماز پڑھتا ہے۔ پس ایمان کی شاخوں میں بعض کا بعض سے تعلق بعض اوقات شرط اور مشروط کا ہوتا ہے اور بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا۔''

حاکم بغیر ما أنزل اللہ کے بارے سلف صالحین کی رائے

ان اصولوں کی بنیاد پر ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ جمیع سلف

صالحین نے 'ما أنزل اللہ' کے غیر کے مطابق فیصلہ کرنے کو عملی یا مجازی کفر قرار دیا ہے یعنی یہ ایسا کفر ہے جو ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث نہیں بنتا ہے جب تک کہ فاعل اس فعل کو حلال اور جائز نہ سمجھتا ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کی تفسیر میں مروی ہے:

"من جحد ما أنزل الله فقد كفر ومن أقر به لم يحكم به فهو ظالم فاسق." [77]

''جس نے جانتے بوجھتے 'ما أنزل اللہ' کا انکار کیا تو اس نے کفر کیا اور جس نے 'ما أنزل اللہ' کو تو مان لیا لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا تو وہ ظالم اور فاسق ہے۔''

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو 'جید' کہا ہے۔ [78]

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إن الله تعالى عم بالخبر بذلك عن قوم كانوا بحكم الله الذى حكم به فى كتابه جاحدين ' فأخبر عنهم أنهم بتركهم الحكم على سبيل ما تركوه كافرون' وكذلك القول فى كل من لم يحكم بما أنزل الله جاحدا به' هو بالله كافر؛ كما قال ابن عباس." [79]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے ذریعے اس خبر کو عام کیا ہے کہ اہل کتاب اللہ کے اس حکم کا جانتے بوجھتے انکار کرنے والے تھے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے یہ خبر دی ہے کہ جس طرح انہوں نے اللہ کے حکم کو چھوڑا ہے (یعنی انکار کے رستے سے) تو اس سے وہ کافر ہو گئے ہیں۔ پس اسی طرح کا معاملہ ہر اس شخص کا بھی ہے جو اللہ کے حکم کا جانتے بوجھتے انکار کر دے تو اس کا یہ فعل اللہ کے انکار کے مترادف ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔''

ابو العباس احمد بن ابی حفص قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكفرون يحتج بظاهره من يكفر بالذنوب وهم الخوارج! ولا حجة لهم فيه لأن هذه الآيات

نزلت فی الیهود المحرفین کلام الله تعالی کما جاء فی الحدیث وهم کفار فیشارکهم فی حکمها من یشارکهم فی سبب نزولها.“ ⁸⁰

’’اور جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ کافر ہیں۔ اس آیت مبارکہ کو خوارج نے اپنے اس موقف کی دلیل کے طور پیش کیا ہے جس کے ذریعے وہ گناہ کبیرہ کے مرتکبین کی تکفیر کرتے ہیں حالانکہ اس آیت میں خوارجیوں کے موقف کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ آیات ان یہود کے بارے نازل ہوئی ہیں جو اللہ کے کلام میں تحریف کرنے والے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور ایسے یہود بلاشبہ کافر ہیں۔ پس ان یہود کے حکم میں وہ شخص ان کا شریک ہو گا جو ان کے ساتھ سبب نزول (یعنی اللہ کی آیت کی تحریف) میں بھی شریک ہو۔‘‘

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”والصحیح: أن الحکم بغیر ما أنزل الله یتناول الکفرین: الأصغر والأکبر بحسب حال الحاکم فإنه إن اعتقد وجوب الحکم بما أنزل الله فی هذه الواقعة وعدل عنه عصیانا مع اعترافه بأنه مستحق للعقوبة فهذا کفر أصغر وإن اعتقد أنه غیر واجب وأنه مخیر فیه مع تیقنه أنه حکم الله فهذا کفر أکبر إن جهله وأخطأه فهذا مخطیء له حکم المخطئین.“ ⁸¹

’’صحیح قول یہ ہے کہ ’ما أنزل اللہ‘ کے بغیر فیصلہ کرنا دو قسم کے کفر پر مشتمل ہوتا ہے: کفر اصغر اور کفر اکبر’ [ان دونوں میں کسی ایک کا حکم] فیصلہ کرنے والے کے حالات کے مطابق عائد ہو گا۔ پس اگر کوئی حکمران کسی مسئلہ میں ’ما أنزل اللہ‘ کے مطابق فیصلہ کو واجب سمجھتا ہے لیکن اپنے آپ کو گناہ گار بھی سمجھتا ہے تو اس حکمران کا کفر’ کفر اصغر ہے۔ اور اگر حکمران کا عقیدہ یہ ہو کہ ’ما أنزل اللہ‘ کے مطابق فیصلہ کرنا لازم نہیں ہے یا اختیاری معاملہ ہے’ چاہے وہ اسے یقینی طور پر اللہ کا حکم ہی سمجھتا ہو تو یہ کفر اکبر ہے۔ اور اگر حکمران نے کوئی فیصلہ جہالت [یعنی شرع حکم سے عدم واقفیت] کی بنیاد پر کیا تو وہ خطا کار ہے اور اس کے لیے خطا کاروں کا حکم

ہے [یعنی اگر مجتہد تھا تو ایک گناہ اجر وثواب ملے گا ورنہ خطا کی جزا ہو گی]۔''
سمعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واعلم أن الخوارج يستدلون بهذه الآية ويقولون: من لم يحكم بما أنزل الله فهو كافر وأهل السنة قالوا: لا يكفر بترك الحكم وللآية تاويلان: أحدهما معناه ومن لم يحكم بما أنزل الله ردا وجحدا فأولئك هم الكفرون والثانى معناه ومن لم يحكم بكل ما أنزل الله فأولئك هم الكفرون والكافر هو الذى يترك الحكم بكل ما أنزل الله دون المسلم." ۸۲

'' یہ جان لیں کہ خوارج اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں: جو'ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے۔ جبکہ اہل سنت کا یہ قول ہے کہ صرف 'ما أنزل اللہ' کو ترک کر دینے سے کافر نہیں ہوگا [جب تک اس کا عقیدہ نہ رکھے]۔اور اس آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں ۔ ایک معنی تو یہ ہے کہ جو شخص 'ما أنزل اللہ' کے مطابق اس کا انکار اور رد کرتے ہوئے فیصلہ نہ کرے تو یہ کافر ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ جو'ما أنزل اللہ' کے مطابق کلی طور پر فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر ہے کیونکہ کافر اپنی زندگی میں اللہ کے حکم کو کلی طور پر چھوڑ دیتا ہے جبکہ مسلمان کا معاملہ ایسا نہیں ہوتا ہے۔''

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أن من لم يحكم بما أنزل الله جاحدا له وهو يعلم أن الله أنزله كما فعلت اليهود فهو كافر ومن لم يحكم به ميلا إلى الهوى من غير جحود فهو ظالم فاسق." ۸۳

'' جو'ما أنزل اللہ' کے مطابق اس کا انکار کرتے ہوئے فیصلہ نہ کرے' جبکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہو کہ اس حکم کو اللہ نے نازل کیا ہے جیسا کہ یہود کا معاملہ تھا تو وہ کافر ہے اور جو'ما أنزل اللہ' کے مطابق اپنی خواہش نفس کی اتباع میں فیصلہ نہ کرے اور اس کا انکار کرنے والا نہ ہو تو وہ ظالم اور فاسق ہے۔''

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"إن حكم بما عنده على أنه من عند الله فهو تبديل له يوجب الكفر و إن حكم به هوى ومعصية فهو ذنب تدركه المغفرة على أصل أهل السنة فى الغفران للمذنبين." [۸۴]

''اگر تو کوئی حکمران نے اپنی کسی رائے میں اس طرح فیصلہ کرے کہ اسے اللہ کی طرف منسوب کرتا ہو تو یہ اللہ کی شریعت کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے اور سبب کفر ہے۔ اور اگر اس نے اپنی خواہش یا نافرمانی میں 'ما أنزل اللہ' کے بغیر فیصلہ کیا تو یہ ایسا گناہ ہے جو قابل معافی ہے جیسا کہ گناہ گاروں کی مغفرت کے بارے اہل سنت کا اصول ہے۔''

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ومن لم يحكم بما أنزل الله مستهينا به منكرا له فأولئك هم الكفرون." [۸۵]

''اور جس نے 'ما أنزل اللہ' کے مطابق اس کا انکار کرتے ہوئے اور اسے حقیر سمجھتے ہوئے فیصلہ نہ کیا تو وہ لوگ کافر ہیں۔''

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولهذا قال هناك ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكفرون لأنهم جحدوا حكم الله قصدا منهم وعنادا وعمدا." [۸۶]

''یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ کہا ہے کہ جو 'ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے کیونکہ اہل کتاب نے اللہ کے حکم کا جانتے بوجھتے' عمداً اور سرکشی سے انکار کر دیا تھا۔''

ابو البرکات نسفی' شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہما اللہ کی اس مسئلے میں رائے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال الشيخ أبو منصور رحمه الله: يجوز أن يحمل على الجحود فى الثلاث فيكون كافرا ظالما فاسقا لأن الفاسق المطلق والظالم المطلق هو الكافر وقيل ومن لم يحكم بما أنزل الله فهو كافر بنعمة

الله ظالم فی حکمه فاسق فی عمله ." ۸۷

''شیخ ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ یہ جائز ہے کہ 'ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کو تینوں مقامات [کافرون' ظالمون اور فاسقون] پر انکار کے ساتھ فیصلہ نہ کرنے پر محمول کیا جائے۔ پس اس صورت میں فیصلہ نہ کرنے والا کافر' ظالم اور فاسق تینوں صفات کا حامل ہوگا کیونکہ مطلق طور پر فاسق اور ظالم سے مراد بھی کافر ہی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جو' ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ اللہ کی نعمت کا کافر (یعنی ناشکرا) اور اپنے حکم میں ظالم اور اپنے عمل میں فاسق ہے۔''

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"المسألة الثانية: قالت الخوارج : كل من عصى الله فهو كافر وقال جمهور الأئمة: ليس الأمر كذلك. أما الخوارج فقد احتجوا بهذه الآية وقالوا: إنها نص في أن كل من حكم بغير ما أنزل الله فهو كافر وكل من أذنب فقد حكم بغير ما أنزل الله فوجب أن يكون كافرا وذكر المتكلمون والمفسرون أجوبة عن هذه الشبهة. . . والخامس: قال عكرمة: قوله ومن لم يحكم بما أنزل الله إنما يتناول من أنكر بقلبه وجحد بلسانه أما من عرف بقلبه كونه حكم الله وأقر بلسانه كونه حكم الله إلا أنه أتى بما يضاده فهو حاكم بما أنزل الله ولكنه تارك له فلا يلزم دخوله تحت هذه الآية وهذا هو الجواب الصحيح والله أعلم ." ۸۸

''[اس آیت میں] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ خوارج کا کہنا یہ ہے کہ جس نے بھی اللہ کی نافرمانی کی وہ کافر ہے۔ جبکہ جمہور ائمہ کا قول یہ ہے کہ ایسا معاملہ نہیں ہے۔ خوارج نے اپنے موقف کے حق میں اس آیت کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت مبارکہ اس بارے نص ہے کہ جو شخص بھی' ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا [چاہے وہ اپنی نجی زندگی میں ہی' ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو اور

اللہ کا نافرمان ہو] تو وہ کافر ہے اور جس نے بھی کوئی گناہ کا کام کیا تو اس نے 'ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلہ نہیں کیا۔ پس ایسے شخص کا کافر ہونا لازم ٹھہرا۔ متکلمین اور مفسرین نے ان خوارج کے اس استدلال کے کئی ایک جوابات نقل کیے ہیں...[ان جوابات میں سے] پانچواں جواب یہ ہے کہ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کا قول کہ جو' ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا' اس کے بارے ہے جو اپنے دل سے اللہ کے حکم کا انکار کردے اور اپنی زبان سے بھی منکر ہو جائے۔ پس جو شخص اپنے دل اور زبان سے اسے اللہ کا حکم مانتا ہو اور پھر بھی اس کے خلاف چلے تو یہ' ما أنزل اللہ' کے مطابق ہی فیصلہ کرنے والا ہے' اگرچہ وہ 'ما أنزل اللہ' کو چھوڑنے والا ضرور ہے۔ پس ایسا شخص اس آیت کے مفہوم میں داخل نہیں ہے اور یہی جواب صحیح ہے۔ واللہ أعلم۔''

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"والخلاصة : أن التكفير هو لمن استحل الحكم بغير ما أنزل الله وأنكر بالقلب حكم الله وجحد باللسان فهذا هو كافر أما من لم يحكم بما أنزل الله وهو مخطىء ومذنب فهو مقصر فاسق مؤاخذ على رضاه الحكم بغير ما أنزل الله . " [۸۹]

'' خلاصہ کلام یہی ہے کہ تکفیر اس شخص کی ہوگی جو' ما أنزل اللہ' کے غیر کے مطابق فیصلہ کرنے کو حلال سمجھتا ہو اور دل و زبان سے اللہ کے حکم کا انکاری بھی ہو تو پس ایسا شخص کافر ہے۔ اور جو شخص' ما أنزل اللہ' کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ گناہ گار' خطا کار اور فاسق ہے اور اس سے اس بات کا مواخذہ ہوگا کہ وہ' ما أنزل اللہ' کے غیر کے مطابق فیصلہ کرنے پر کیوں راضی تھا۔''

علامہ بدیع الدین راشدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

'' ناظرین! اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، جسے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے 'الکبائر' ص ۱۴۶' گناہ نمبر ۳۱ میں بیان کیا ہے۔ لیکن کبیرہ گناہ کے بسبب کسی مسلمان کو اسلام سے خارج نہیں کہہ سکتے جب تک کہ وہ اپنے اس کیے گئے فعل کے صحیح ہونے یا برحق ہونے کا عقیدہ نہیں

رکھتا۔'' [۹۰]

علم دین کا معاملہ بہت ہی نازک ہے اور اسے لیتے ہوئے یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ہم کہاں سے یہ دین لے رہے ہیں؟ کیونکہ آپ کا ارشاد ہے:

((اِتَّخَذَ النَّاسُ رَءُ وْسًا جُهَّالًا' فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ' فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا)) [۹۱]

''[ایک ایسا وقت آنے والا ہے] جبکہ لوگ جہلا کو اپنا بڑا بنا لیں گے۔ ان جہلا سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوے جاری کریں گے پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

آخر میں ہم مسئلہ زیر بحث کی نزاکت واضح کرنے کے لیے مفتی مصر جناب مفتی محمد عبدہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بیان کرتے ہوئے اپنی اس بحث کو ختم کرتے ہیں:

"إنه إذا صدر قول من قائل يحتمل الكفر من مائة وجه ويحتمل الإيمان من وجه واحد حمل على الإيمان ولا يجوز حمله على الكفر." [۹۲]

''جس کسی شخص سے کوئی ایسا قول صادر ہو جائے جس میں سو اعتبارات سے کفر کا احتمال ہو اور ایک پہلو سے ایمان کا احتمال ہو تو اس ایک ایمان والے پہلو کو ترجیح دی جائے گی اور اس کے اس قول کو کفر پر محمول نہ کیا جائے گا۔''

*****

مصادر و مراجع

۱۔خلافت عثمانیہ میں اولاً ۱۸۵۰ء میں فرانسیسی قانون کے مطابق قانون تجارت اور ۱۸۵۷ء میں قانون اراضی نافذ ہوا۔ اس کے بعد فرانسیسی قانون کے نمونے پر قانون فوجداری بھی وضع کیا گیا۔ بعد ازاں اطالوی قانون زیادہ مفید نظر آیا' تو اس کے مطابق ترامیم کر لی گئیں۔ ۱۸۶۱ء میں تجارتی عدالتوں کا قانون اساسی نافذ ہوا۔ ۱۸۶۸ء میں بحری تجارت کا قانون اور ۱۸۸۰ء میں عدالت ہائے دیوانی کا قانون اساسی بنایا گیا' اور ۱۹۱۱ء میں اس کا تکملہ وضع ہوا۔ اور ۱۹۰۶ء میں قانون اِجرا جاری ہوا۔ ان کے علاوہ دوسرے قوانین بھی وضع کیے گئے جیسے یتیموں کے مال کی تنظیم' اور احکام صلح کا قانون اور شرعی

عدالتوں کا قانون اساسی وغیرہ۔(رفیع اللہ شہاب پروفیسر، اسلامی ریاست کا عدالتی نظام،ص۱۹۴، قانونی کتب خانہ، لاہور)

۲۔یوسف القرضاوی الدکتور، أولویات الحرکة الإسلامیة، مؤسسة الرسالة، بیروت، ص ۱۱۰

۳۔سید قطب فوق الاتهام، اگست ۲۰۰۹ء، مطبع، ص ۹۔۱۰، http://www.ikhwanpress.com/

۴۔شیخ بن باز ﷫ نے سید قطب ﷫ کے صحابہ ﷡ کے بارے طعن کو سن کر کہا: یہ خبیث کلام ہے اور سید قطب کی ایسی کتابوں کو پھاڑ دینا چاہیے۔ انبیاء ﷩ کے بارے سید قطب کے غیر مناسب کلمات سن کر شیخ بن باز ﷫ نے ان کے اس فعل کو ارتداد قرار دیا۔اسی طرح استواء علی العرش کے بارے سید قطب ﷫ کا کلام سن کر شیخ بن باز ﷫ نے انہیں 'مسکین ضائع فی التفسیر' کا لقب دیا۔ علامہ البانی ﷫ نے سید قطب کے بارے کہا: انہیں نہ تو دین اسلام کے اصولوں کا علم تھا اور نہ ہی فروعات کا اور وہ دین اسلام سے منحرف تھے۔شیخ صالح العثیمین ﷫ نے وحدت الوجود کے بارے سید قطب ﷫ کا کلام سن کر کہا: سید قطب ﷫ نے بہت بڑی بات کی ہے اور یہ اہل سنت و الجماعت کی مخالفت ہے۔ اسی طرح شیخ نے ایک دوسرے مقام پر سید قطب ﷫ کی تفسیر کے بارے کلام کرتے ہوئے کہا: ان کی تفسیر کو پڑھنے کی نصیحت نہیں کی جا سکتی۔ محدث العصر شیخ حماد انصاری ﷾ نے کہا: اگر سید قطب زندہ رہتے تو ان سے توبہ کروائی جاتی اور اگر وہ توبہ نہ کرتے تو ان کو ارتداد کی حد میں قتل کر دیا جاتا۔ شیخ صالح الفوزان ﷾ نے کہا: سید قطب کو عالم کہنا جائز نہیں ہے' وہ صرف ایک مفکر ہیں اور اگر سید قطب کی جہالت مانع نہ ہوتی تو ہم ان کے الحادی کلام کی وجہ سے ان کی تکفیر کرتے۔ شیخ صالح اللحیدان ﷾ نے کہا: ان کی کتابیں اہل سنت کے عقیدے کے مخالف مواد سے بھری پڑی ہیں اور سید قطب عالم دین نہیں تھے۔ شیخ عبد اللہ الدویش ﷾ نے سید قطب کی تفسیر میں ان کے بعض اقوال کے بارے فرمایا: یہ اہل اتحاد ملحدین کا قول ہے جن کا کفر یہود و نصاریٰ کے کفر سے بڑھ کر ہے۔علمائے ازہر نے سید قطب ﷫ کی کتاب 'معالم فی الطریق' سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔شیخ قرضاوی ﷾ نے کہا: سید قطب صراط مستقیم اور اہل سنت کے منہج سے دور ہیں۔ سعودی سلفی علماء میں سے شیخ ربیع المدخلی' شیخ ابن غدیان' شیخ محسن العباد' شیخ صالح آل الشیخ ﷾ اور شیخ عبد اللہ عزام ﷫ وغیرہ نے بھی سید قطب ﷫ کے افکار و نظریات پر نقد کی ہے۔(عصام بن عبد الله السنانی، براءة

علماء الأمة من تزكية أهل البدعة والمذمة، مكتبة الفرقان، عجمان، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ)

سلفی علماء میں سے شیخ سلیمان العودۃ حفظہ اللہ نے سید قطب رحمہ اللہ کا کسی قدر دفاع کیا ہے۔ انہوں نے بھی سید کی بعض اخطا کا اقرار کیا ہے مثلاً استواء علی العرش کی تاویلات باطلہ' جبکہ بعض اقوال کی ان کی طرف نسبت کو خطا قرار دیا ہے جیسا کہ وحدت الوجود کا قول اور بعض اقوال پر خاموشی اختیار کی ہے جیسا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات وغیرہ۔

شیخ ربیع المدخلی حفظہ اللہ نے 'أضواء إسلامية على عقيدةسيد قطب وفكره' نامی تنقیدی کتاب لکھی جبکہ ابو بلال عبد القادر مزغدی نے اس کا جواب 'الكشف الجلى عن ظلمات ربيع المدخلى' کے نام سے دیا ہے۔

٥۔آل عمران : ٣ : ٧٥

٦۔١٨٧٥ء میں مصری حکومت نے ایک فرانسیسی وکیل استاذ مونوری' جو مصر میں مقیم تھے' کو مختلط عدالتوں کے لیے فرانسیسی قانون سازی کے طرز پر قوانین وضع کرنے کا کام سونپا۔ پس استاذ مونوری نے فرانسیسی قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے مصر کے مدنی قوانین' بری و بحری تجارت کے قوانین' دعویٰ دائر کرنے کے قوانین' جرائم کی سزا اور ان کی تحقیق کے قوانین وضع کیے۔ یہ قانون 'مخلوط قانون مدنی' کے نام سے ١٨٧٥ء میں جاری ہوا۔(عبد الرحمن عبد العزيز القاسم، الإسلام وتقنين الأحكام فى البلاد السعودية، مطبع المدنى، الطبعة الأولى، ١٩٦٤ء، ص٢٤٩)

٧۔تکفیر کی تحریک سے ہماری مراد متعین طور پر مسلمان حکمرانوں یا مسلم معاشروں کی تکفیر کی تحریک ہے جبکہ توحید حاکمیت کی بناء پر تکفیر کی اصولی بحثیں کرنا جیسا کہ کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں' وہ تقریباً ہر دور میں رہی ہیں اگر چہ ان اصولی ابحاث میں دلچسپی اور انہیں بیان کرنے والے علماء بھی بہت کم رہے ہیں۔

٨۔مانع بن حماد الجهنى الدكتور، الموسوعة الميسرة ' جماعات غالية ' جماعة التكفير والهجرة، دار الندوة العالمية، الرياض،الطبعة الرابعة، ١٤٢٠هـ، ١/ ٣٣٣۔٣٣٨

٩۔أيضاً

١٠۔حسن الهضيبى المرشد العالم الثانى للإخوان المسلمين، دعاة لا قضاة، دار

التوزيع والنشر الإسلامية، القاهرة، مارچ ۱۹۷۷ء
۱۱۔ يوسف القرضاوى الدكتور، ظاهرة الغلو فى التكفير، ص ۸، مكتبة وهبة، القاهرة، الطبعة الثالثة، ۱۹۹۰ء
۱۲۔أحمد شاكر شيخ، عمدة التفسير، دار الوفاء، الطبعة الثانية، ۱٤۲٦هـ، ۱٥۱/٤
۱۳۔أيضاً: ٤/ ۱۱۷٤
۱۴۔اسامہ بن لادن، اے اللہ! صرف تیرے لیے، طبع (ن)، سن اشاعت (ن)، ص ۸۵۔۸۶
۱٥۔ماهر بن ظافر القحطانى الشيخ، حوار مع أهل التكفير قبل التفجير، المكتبة الشاملة، بدون الناشر، بدون سنة الطبع، ص ۲
۱٦۔عبد المحسن بن حمد العباد الشيخ، بذل النصح والتذكير لبقايا المفتونين بالتكفير والتفجير، المكتبة الشاملة، بدون الناشر، ۲۰۰٥ء، ص۱٥
۱۷۔أيضاً: ص۱٥
۱۸۔عبدالقیوم جالندھری مفتی، قوانین اسلامی ممالک، ص۱۵۷، ادارہ علم وعمل، لائل پور
۱۹۔ہم نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ '**عصر حاضر میں اجتماعی اجتہاد: ایک تجزیاتی مطالعہ**' کے ایک باب میں اس موضوع سے متعلق فریقین کے دلائل تفصیل سے جمع کر دیے ہیں اور ہماری رائے میں سعودی علماء کا یہ موقف راجح ہے کہ مجتہد فیہ اور اختلافی مسائل میں قانون سازی شرعاً جائز نہیں ہے' چاہے کسی مروجہ فقہ کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔
۲۰۔عبد العزيز بن عبد الله بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد الله بن باز الشيخ، مجموع فتاوى ومقالات، الرئاسة العامة للبحوث العلمية والافتاء، الرياض، ۹/ ۱۰۰
۲۱۔مجموعة من علماء السعودية، فتاوى فى التكفير والخروج على ولاة الأمر، المكتبة الشاملة، بدون الناشر، بدون سنة الطبع، ص ۲۱
۲۲۔أيضاً: ص ۲٥
۲۳۔أيضاً: ص ۱۸۔ ۱۹
۲٤۔أيضاً: ص ۲٥

۲۵۔أیضاً: ص ۳۰

۲۶۔شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد افغانستان کے حق میں تو فتویٰ دیا لیکن وہ مسلمان ممالک میں مسلمان حکومتوں کے خلاف جہاد کے سخت مخالف تھے۔شروع میں شیخ اسامہ بن لادن' شیخ عزام رحمۃ اللہ علیہما کے افکار سے متاثر تھے اور ان کے شاگرد بھی رہے۔شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۸۴ء میں 'مکتب الخدمات للمجاھدین' نامی ادارے کی پشاور میں بنیاد رکھی اور اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کو افغان مجاہدین کی خدمت کی دعوت دی۔اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ نے اس دعوت کو قبول کیا۔لیکن ۱۹۸۸ء میں شیخ عبد اللہ عزام اور اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہما کے مابین اختلاف کا آغاز ہوا اور اسی سال بن لادن افغانستان چلے گئے جہاں انہوں نے ڈاکٹر ایمن الظواہری سے تعلق قائم کر کے ایک نئی جماعت کی بنیاد رکھی۔ایمن الظواہری سے تعلق قائم ہونے کے بعد شیخ اسامہ بن لادن پر تکفیری فکر کے اثرات چھا گئے جبکہ شروع میں شیخ بن لادن بھی اپنے استاذ شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہما کی طرح مسلمان حکمرانوں کی تکفیر یا ان کے خلاف خروج کے قائل نہ تھے۔جہاد افغانستان کے مجاہد عظیم احمد شاہ مسعود رحمۃ اللہ علیہ ،کہ جن کی مدح میں شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مضمون بھی لکھا،کو بھی مستند بیانات کے مطابق القاعدہ ہی نے شہید کروایا ہے۔شیخ عبد اللہ عزام اور اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہما کے ان اختلافات کی تفصیل شیخ عزام کی اہلیہ اور ان کے داماد شیخ عبد اللہ انس الجزائری نے بیان کی ہے۔شیخ عبد اللہ انس الجزائری ۸۰ء کی دہائی میں شمالی افغانستان میں عرب مجاہدین کے قائد بھی رہے ہیں۔(ترکی الدخیل، جریدة البینة الجدیدة، الخمیس، ۱۲ شعبان ۱٤۲۹ھـ، العدد ٦٤۲، العراق)

اس ویب سائیٹ ایڈریس پر بھی ایک انٹرویو موجود ہے:

Unknown, Qatl o Masud Wasmatun Kubra fi Tareekh e Bin Ladin, Retrieved May 28, 2012 from

http://www.alwatanvoice.com/arabic/news/2006/04/28/43591.html

۲۷۔ان علماء میں سے ایک عبد المنعم مصطفیٰ حلیمہ ابو بصیر طرطوسی ہیں۔ان حضرت نے شیخ الازہر علامہ سید طنطاوی' مصری عالم دین سید رمضان بوطی اور شیخ یوسف قرضاوی کی تکفیر کی ہے۔مسلمان علماء کی تکفیر کے سلسلے میں ان حضرت کی تحریر 'قوافل زنادقة العصر' اور 'لماذا کفرت الشیخ یوسف القرضاوی' کا قابل مطالعہ ہیں۔ان صاحب نے اپنے مقالہ 'ھیئة کبار العلماء والسیاسة' میں کبار سعودی علماء اور 'فتاوی اللجنة الدائمة' پر بھی انتہائی سطحی طعن کیا ہے۔یہی وہ صاحب ہیں کہ

جن کی اتباع میں آج کا پاکستانی جہادی نوجوان شیخ بن باز' شیخ صالح العثیمین رحمہما اللہ اور شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ جیسے کبار علمائے اہل سنت کو سرکاری اور درباری مولوی قرار دیتا ہے۔انہی اعلیٰ حضرت کی نادر تحقیقات کا خلاصہ یہ بھی ہے کہ محدث العصر علامہ البانی رحمہ اللہ جہمیہ میں سے تھے۔اپنی اس تحقیق کا اظہار انہوں نے اپنے مقالے 'مذاهب الناس فی الشیخ محمد ناصر الدین الألبانی' میں کیا ہے۔ان صاحب کی کتاب 'زنادقة العصر' کے مطابق تقریباً آدھی سے زیادہ امت کافر قرار پاتی ہے جبکہ یہ خود لندن میں برطانوی حکومت کی زیر سرپرستی 'مستأمن' کی اصطلاح کا حیلہ کر کے امن کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ۷/۷ کے لندن دھاکوں کا شروع میں طرطوسی صاحب نے شدت سے انکار کیا تھا اور اسے ایک شرمناک فعل قرار دیا۔یہ بات واضح ہے کہ کوئی بھی شخص برطانیہ میں اس وقت تک داخل اور مقیم نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ان کے آئین یا قانون کو سپریم لاء نہ مان لے اور اس بات کا اقرار نہ کر لے کہ وہ ان کے ملک میں قیام کے دوران ان کے قانون و آئین کا وفادار و فرمانبردار ہو گا۔ان بنیادوں کو سامنے رکھیں اور ابو بصیر طرطوسی کے منہج تکفیر کو استعمال کریں تو سب سے پہلے خود ان صاحب کی تکفیر لازم آتی ہے کیونکہ مسلمان ممالک کے قوانین میں تو کفر اور اسلام دونوں موجود ہیں جس وجہ سے ان کا کفر علماء کے ہاں مشتبہ اور اختلافی امر ہے جبکہ برطانیہ اور امریکہ کے آئین یا قانون کے کفر اور طاغوت ہونے میں تو کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے لہٰذا قطعی طور پر ثابت شدہ کفریہ آئین و قانون کی وفاداری و تابعداری کا حلف اٹھانے والا اور انہیں سپریم لاء و اقتدار اعلیٰ ماننے کا اقرار کرنے والا کافر کیوں نہیں ہے؟ طرطوسی صاحب اپنے اس کفریہ فعل کی کوئی بھونڈی سی تاویل پیش کر سکتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ پھر شیخ قرضاوی' طنطاوی' بوطی جیسے اہل علم یا مسلمان ممالک کے حکمرانوں کی تاویلات کیوں قابل قبول نہیں ہیں؟

(a)-Abd-al_Mun'em_Mustafa_Halima_Abu_Basi, Retrieved May 28, 2012 from http://www.altartosi.com/index.html

(b)-Abd-al_Mun'em_Mustafa_Halima_Abu_Basi, Retrieved May 28, 2012 from http://www.abubaseer.bizland.com/index.htm

(c)-Unknown, Retrieved May 28, 2012 from http://en.wikipedia.org/wiki/Abd-al_Mun'em_Mustafa_Halima_Abu_Basir

۲۸۔حوار مع أهل التكفير قبل التفجير : ص ۲

٢٩۔محمد بن إبراهيم الشيخ، رسالة تحكيم القوانين، بدون الناشر، بدون سنة الطبع، ص ٢۔٣
٣٠۔ابن أبى العز الحنفى، شرح الطحاوية فى العقيدة السلفية، الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد، المملكة السعودية العربية، ص ٣٠٤۔٣٠٥
٣١۔سعيد بن على بن وهف القحطانى، قضية التكفير بين أهل السنة وفرق الضلال فى ضوء الكتاب والسنة، رئاسة إدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد، الرياض، ص ٧٣
٣٢۔رسالة تحكيم القوانين : ص٣

٣٣۔شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے عملی کفر کو اعتقادی کفر کی ایک قسم قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے بقول اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا حکمران اور جج وضعی قوانین کو عملاً مصدر شریعت کا مقام دے رہا ہوتا ہے۔ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس اصول کے مطابق تمام مسلمان ممالک کے حکمران' قانون وضع کرنے والی اسمبلیاں' انہیں قانون وضع کرنے کا حق دینے والے عوام' ان قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والی عدلیہ اور جج' ان قوانین کا دفاع کرنے والے وکلا' ان قوانین اور دساتیر پر اعتماد کا اظہار کرنے والی سیاسی پارٹیاں اور ان قوانین کے مطابق عدالتوں سے فیصلے کروانے اور ان فیصلوں پر رضامندی کا اظہار کرنے والے عوام الناس بھی کافر قرار پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان مسلمان ممالک سے ہجرت کرنے کو فرض قرار دیا ہے جن میں وضعی قانون کے مطابق فیصلے ہوتے ہوں۔ قابل تعجب بات تو یہ ہے کہ تکفیر کے قائلین شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتویٰ کو نقل نہیں کرتے۔ شیخ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

> ''هل تجب الهجرة من بلاد المسلمين التى يحكم فيها بالقانون ؟ فأجاب : البلد التى يحكم فيها بالقانون ليست بلد إسلام تجب الهجرة منها.'' (محمد بن إبراهيم الشيخ، فتاوى ورسائل، ٦/ ١٨٨)

> '' سوال: کیا آپ ان ممالک اسلامیہ سے ہجرت کو فرض سمجھتے ہیں کہ جہاں قوانین (انسانی) کے مطابق فیصلے ہوتے ہوں؟ جواب: جس ملک میں قوانین (انسانی) کے

مطابق فیصلے ہوتے ہوں وہ اسلامی ملک نہیں ہے اور اس سے ہجرت کرنا فرض ہے۔‘‘

٣٤۔بن باز الشیخ ، مجلة الفرقان ، ، الکویت ، العدد ٢٨ ، ص ١٢

٣٥۔علاوہ ازیں شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوی کی بنیاد پر ان کے زمانے میں ہی ان میں اور بعض کبار سلفی علماء میں شدید وحشت کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی اور یہاں تک بعض شیوخ اپنی تحریروں اور تقاریر میں ان کا پورا نام بھی نہ لیتے تھے بلکہ ’ابن ابراہیم‘ کہتے ہیں جو ایک نامناسب طرز عمل ہے لیکن اس سے سلفی علماء کے اس مسئلے میں شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کی حساسیت کا اندازہ ہوتا ہے۔(علی بن حسن بن علی الحلبی ، صیحة النذیر بخطر التکفیر ، بدون الناشر ، الأردن ، ١٤١٧هـ ، ص٩٩)

٣٦۔ فتاوی ورسائل الشیخ محمد بن إبراهیم : ١/ ٦٥

٣٧۔عبد الرحمن بن معلا اللویحق، الغلو فی الدین فی حیاة المسلمین المعاصرة ، مؤسسة الرسالة ، الطبعة الأولی ، ١٩٩٢ء ، ص٢٩١

٣٨۔صالح بن فوزان الفوزان الشیخ ، کتاب التوحید ، بدون الناشر ، بدون سنة الطبع ، ص ٥٢

٣٩۔صالح بن فوزان الفوزان الشیخ ، أسئلة وأجوبة فی مسائل الإیمان والکفر ، المکتبة الشاملة ، بدون الناشر ، بدون سنة الطبع ، ص ٩

٤٠۔البخاری محمد بن إسماعیل الإمام ، الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول الله صلی الله علیه وسلم وسننه وأیامه‘ کتاب الحدود‘ باب ما یکره من لعن شارب الخمر ، دار ابن کثیر ، بیروت ، الطبعة الثالثة ، ١٩٨٧ء ، ٦/ ٢٤٨٩

٤١۔علی بن حسن الحلبی ، التحذیر من فتنة الغلو فی التکفیر ، دار المنهاج ، الطبعة الأولی ، ٢٠٠٥ء ، ص ٦٦

٤٢۔ أیضاً : ص ٧٧۔٧٨

٤٣۔علی بن نایف الشحود ، المفصل فی شرح آیة الولاء والبراء ، المکتبة الشاملة ، بدون الناشر ، الطبعة الثانیة ، ٢٠٠٧ء ، ص ٢٨٨

٤٤۔عبد الله بن عبد العزیز الجبرین الشیخ ، تسهیل العقیدة الإسلامیة ، دار العصیمی للنشر والتوزیع ، الریاض ، الطبعة الأولی ، ١٤٢٣هـ ، ص ٢٤٢۔٢٤٣

٤٥۔التحذیر من فتنة التكفیر : ص ٨٩

٤٦۔بندر بن نایف العتیبی، الحكم بغیر ما أنزل الله، الریاض، الطبعة الثانیة، ١٤٢٩ھـ، ص ٦٩

٤٧۔عبد اللطیف بن عبد الرحمن بن حسن آل الشیخ، منهاج التأسیس والتقدیس فی كشف شبهات داؤد بن جرجیس، دار الهدایة، الریاض، ١٤٠٨ھـ، ص ٧١

٤٨۔عبد الرحمن بن ناصر السعدی الشیخ، تیسیر الكریم الرحمن فی تفسیر كلام المنان، المائدة : ٤٥، مؤسسة الرسالة، ٢٠٠٠ء، ص ٢٣٣

٤٩۔عبد المحسن العباد الشیخ، شرح سنن أبی داؤد، المكتبة الشاملة، بدون الناشر، بدون سنة الطبع، ١٠/ ٣٣٢

٥٠۔تسهیل العقیدة الإسلامیة : ص ٢٤٢

۵۱۔تفصیل کے لیے کتاب 'أقوال العلماء المعتبرین فی تحكیم القوانین' کا مطالعہ فرمائیں۔

52(a)-Abu Muaaviyah Al-Shami, Al-Sheikh Salman Alaudah Yaruddu Al-Sheikh Salman Alaudah, Retrieved May 28, 2012 fromhttp://www.muslm.ne t/vb/showthread.php?t=253876

52(b)-Abu Rmaan, Safar ul Hawali walsalafiyyah Alislahiyyah, Retrieved May 28, 2012 from http://www.alghad.com/?news=29778

۵۳۔جامعہ اشرفیہ، لاہور میں ۱۵ اپریل ۲۰۱۰ء بروز جمعرات ملک بھر سے تقریباً ڈیڑھ سو علمائے دیوبند کا دو روزہ اجلاس مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا کہ جس میں پاکستان میں نفاذ شریعت کے لیے پر امن جدوجہد ہی کو صحیح لائحہ عمل قرار دیا گیا۔(زاہد الراشدی مولانا، موجودہ صورت حال میں علمائے دیوبند کا اجتماعی موقف، ماہنامہ الشریعہ مئی ۲۰۱۰ء، گوجرانوالہ، جلد ۲۱، شمارہ ۵،ص ۲۔۴)

۵۴۔مثلاً پروفیسر حافظ احمد سعید اور ان کے چھوٹے بھائی حامد کمال الدین حفظہما اللہ کے باہمی اختلافات معروف ہیں اگرچہ دونوں بھائی سلفی ہیں۔

٥٥۔أبو حسام الدین الطرفاوی، الغلو فی التكفیر، المكتبة الشاملة، بدون الناشر، بدون سنة الطبع، ص ٥١۔٦١

٥٦۔عبدالرحمٰن بن عبدالحمید الامین، نثر اللؤلؤ والیاقوت لبیان حکم الشرع فی أعوان وأنصار الطاغوت، مترجم ابوعلی سلفی مہاجر، ناشر (ن)، سن اشاعت (ن)، ص ١٦۔١٧

٥٧۔ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ عمر اثری، آسمانی قوانین سے اعراض، مترجم شیخ ابوجنید، ناشر (ن)، سن اشاعت (ن)، ص ٤١۔٤٣

٥٨۔ اب اس ویب سایٹ کی ادارت طارق علی بروہی کی جگہ کسی اور نے سنبھال لی ہے اور اس میں کچھ بہتری آ رہی ہے۔

59-Retrieved May 28, 2012 fromhttp://www.asliahlesunnet.com/index.php?option=com_content&view=category&id=55:2009-10-15-03-50-08&Itemid=69&layout=default

60-Retrieved May 28, 2012 fromhttp://www.asliahlesunnet.com/index.php?option=com_content&view=category&id=44&Itemid=58

٦١۔ حامد کمال الدین، اداریہ، سہ ماہی 'ایقاظ' جنوری ٢٠١٠ء، لاہور

٦٢۔ 'فتاوی اللجنة الدائمة' کی پانچویں جلد کے مقدمہ میں لجنۃ کا جو منہج تحقیق بیان کیا گیا ہے وہ عدم تقلید اور کتاب وسنت کی اتباع کا ہے۔ یہ واضح رہے کہ اہل الحدیث مذاہب اربعہ اور دیگر ائمہ' فقہاء اور علماء کی اتباع اور ان سے رہنمائی لینے کے قائل ہیں لیکن تقلید جامد کے نہیں۔ اہل الحدیث، علماء کے لیے اجتہاد اور عوام الناس کے لیے تقلید جامد یا تقلید شخصی یا تقلید مذموم کی بجائے اتباع [دلیل معلوم کرنے کے بعد پیروی کرنے] کے قائل ہیں۔

٦٣۔ابن تیمیة أحمد بن عبد الحلیم الحرانی الإمام، مجموع الفتاوی، دار الوفاء، الریاض، ٢٨/ ٥٢١

٦٤۔ مثلاً حجاج بن یوسف کی حدود حرم اور بیت اللہ میں محصور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب پر سنگ باری کو کفریہ فعل کا نام نہ دیا جائے تو اور اسے کیا کہا جائے گا؟ تاریخ کی مستند کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ اس سنگ باری کے نتیجے میں بیت اللہ کی دیواریں بھی متاثر ہوئیں ۔(طبری ابن جریر، تاریخ الرسل والملوك، ٣/ ٣٦١، دار الکتب العلمیة، بیروت)بنوامیہ کے خلاف خروج میں ابن اشعث رحمہ اللہ کے ساتھ علماء اور قراء کی ایک بہت بڑی جماعت بھی شامل تھی۔اس جماعت کے معروف فقیہہ عبد الرحمٰن ابی لیلی رحمہ اللہ نے اپنے ساتھیوں کو بنوامیہ کی افواج کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرنے کے لیے جو تقریر کی' اس میں انہوں نے بنوامیہ کے حکمرانوں پر 'المحلین

المحدثين المبتدعين' کا الزام لگایا۔ (أيضاً: ص ٦٣٥) اسی طرح نفس زکیہ رحمہ اللہ نے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے خلاف خروج سے پہلے جو اسے خط لکھا تھا' اس خط کی ابتداء ہی قرآن کی آیت ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَ هُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَ هُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ(القصص: ٤ ـ ٦)﴾ سے کی تھی۔ (أيضاً: ٤/ ٤٣١)

نفس زکیہ رحمہ اللہ علیہ نے اپنے ایک خطبہ میں ابوجعفر المنصور کو طاغوت اور اللہ کا دشمن قرار دیا اور اسے فرعون سے تشبیہہ دی اور اس پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ اس نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا لیا ہے۔ (ایضاً: ص ۴۲۵) اسی وجہ سے علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ بنوامیہ اور بنوعباس میں جو خروج ہوئے' اس کی وجہ اس وقت کے حکمرانوں کا صرف فسق و فجور نہیں تھا بلکہ ان حکمرانوں کی طرف سے شریعت اسلامیہ کو تبدیل کر دینا' حرام کو حلال بنانا اور کفر کا اظہار کرنا تھا۔ (النووي أبو زكريا يحى بن شرف، المنهاج شرح صحيح مسلم، ١٢/ ٢٢٩، دار إحياء التراث العربي، بيروت) یہ تو بنوامیہ کے زمانے کے قصے ہیں۔ بنوعباس میں سے ابوالعباس سفاح نے بنوامیہ کے خاندان کو چن چن کر قتل کروایا بلکہ ان کی قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال کر جلائی گئیں۔ فاطمی خلفاء کن باطنی عقائد کے حامل تھے وہ تاریخ کے کسی طالب علم سے مخفی نہیں ہے۔ اندلس کے مسلمان امراء معاصر عیسائی سلطنتوں کی مدد سے مدتوں اپنے مسلمان بھائیوں کی گردنیں اڑاتے رہے۔ بعض عثمانی سلاطین نے اپنی خلافت کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے ہی بھائیوں کو قتل کروایا۔ برصغیر میں مغل حکومت کی دینداری اور خاص طور دین اکبری کے بارے تو مذہب کا ایک ادنیٰ سا طالب بھی وافر معلومات رکھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بنوامیہ کے آخری دور میں ہی حکمرانوں میں اس قدر اخلاقی و دینی بگاڑ آ چکا تھا کہ اس وقت سے لے کر عثمانی خلافت تک بادشاہ کا حکم وہی تقدس رکھتا تھا جو آج کل کی مسلمان ریاستوں میں آئین کو حاصل ہے۔ اگرچہ کہنے کو تو بنوعباس، سلطنت عثمانیہ اور مغل حکومتوں کے دور میں حنفی فقہ اور اندلس کی سلطنت میں مالکی یا ظاہری فقہ نافذ رہی لیکن اصل فیصلہ کن حیثیت ان فقہوں کی بجائے بادشاہ کے کلام کو تھی اور جب بادشاہ کسی کا خون حلال کرنا چاہتا تھا تو اس وقت اسے کوئی فقہی رائے، قاضی یا عدالت نہ روک سکتی تھی۔ تاریخ کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ ان ادوار میں اصل آئین بادشاہ کے الفاظ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض خلفاء مثلاً فاطمی سلاطین کی شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ علیہ نے تکفیر بھی کی

ہے۔(محمد بن عبد الوهاب الشيخ، كشف الشبهات، وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، المملكة العربية السعودية، ١٤١٨هـ، ص ٣٣)

٦٥۔ابن أبى العز الحنفى، شرح الطحاوية فى العقيدة السلفية، المكتب الإسلامى، بيروت، الطبعة الرابعة، ١٣٩١هـ، ص ٧٧

٦٦۔أيضاً: ص ١٧٩

٦٧۔تسهيل العقيدة الإسلامية: ص ٢٩٣۔٢٩٧

٦٨۔المائدة: ٥: ٤٤

٦٩۔وهبة الزحيلى الدكتور، اصول الفقه الإسلامى، دار الفكر، دمشق، الطبعة الأولى، ١٩٨٦ء، ص٢٠٤

٧٠۔یہی وجہ ہے کہ بعض شرکیہ وکفریہ اعمال کی بنیاد پر شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر سے معروف حنفی فقیہہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کیا ہے۔علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ”مطلب فى اتباع عبد الوهاب الخوارج فى زماننا . . . كما وقع فى زماننا فى أتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا أنهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل أهل السنة وقتل علمائهم حتى كسر الله شوكتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومائتين وألف.“(رد المحتار على در المختار، كتاب الجهاد، باب البغاة)

یہاں یہ حوالہ نقل کرنے سے ہمارا مقصود یہ نہیں ہے کہ ہمیں ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تبصرہ سے اتفاق ہے بلکہ مقصود کلام صرف یہی ہے کہ جہاں تکفیر کے مسئلہ میں تفصیل اور تطبیق (application) ہو گی وہاں افتراق وانتشار جنم لے گا اور امت کئی حصوں میں منقسم ہو کر باہم دست وگریبان ہو جائے گی۔

٧١۔قادیانی جو غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں، ان کی تکفیر پر جمیع مسالک و مکاتب فکر کا اتفاق ہے لہٰذا ان کی تکفیر قطعی طور ثابت ہے۔

٧٢۔ابن قيم الجوزية الإمام، الصلاة وحكم تاركها، فصل فى نوعى الكفر، دار ابن حزم، بيروت، ص٧٢۔٧٤
٧٣۔أيضاً : ص٧٨
٧٤۔أيضاً : ص٨٠
٧٥۔أيضاً : ص٨٠۔٨١
٧٦۔أيضاً : ص٨١
٧٧۔ طبرى ابن جرير الإمام، جامع البيان عن تأويل آى القرآن المعروف بتفسير الطبرى : المائدة : ٤٤ ، مؤسسة الرسالة ، الطبعة الأولى ، ٢٠٠٠ء، ١٠/ ٣٥٧
٧٨۔ألبانى ناصر الدين، السلسلة الصحيحة، مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، ٦/ ١١٣
٧٩۔تفسير الطبرى : المائدة : ٤٥ ، ١٠/ ٣٥٨
٨٠۔القرطبى أبو العباس أحمد بن أبى حفص عمر بن إبراهيم، المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب الحدود، باب إقامة الحد على من ترافع إلينا من زناة أهل الذمة، المكتبة الشاملة، ١٦/ ٣٦
٨١۔ مدارج السالكين، باب فى أجناس ما يتاب منه ولايستحق العبد اسم التائب حتى يتخلص منها، دار الكتاب العربى، بيروت، ١/ ٣٣٦
٨٢۔السمعانى أبو المظفر منصور بن محمد بن عبد الجبار، تفسير السمعانى : المائدة : ٤٤ ، دار الوطن، الرياض، الطبعة الأولى، ١٩٩٧ء، ٢/ ٤٢
٨٣۔الجوزى عبد الرحمن بن على بن محمد، زاد المسير فى علم التفسير : المائدة : ٤٤ ، دار الكتاب العربى، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤٠٤هـ، ١/ ٥٥٣
٨٤۔ابن العربى محمد بن عبد الله أبوبكر، أحكام القرآن : المائدة : ٤٤، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة، ٢٠٠٣ء، ٢/ ١٢٧
٨٥۔البيضاوى عبد الله بن عمر بن محمد، أنوار التنزيل وأسرار التأويل المعروف بتفسير البيضاوى : المائدة : ٤٤ ، دار الفكر، بيروت، ٢/ ٣٢٨
٨٦۔عماد الدين إسماعيل بن كثير، تفسير القرآن العظيم : المائدة : ٤٤ ، مؤسسة قرطبة، الطبعة الأولى، ٢٠٠٠ء، ٥/ ٢٣٢

٨٧ـالنسفی أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود، مدارك التنزيل وحقائق التأويل المعروف بتفسير النسفى، تفسير نسفى : المائدة : ٤٤، دار الكلم الطيب، بيروت ، الطبعة الأولى، ١٩٩٨ء، ١/ ٤٥١

٨٨ـالرازى محمد بن عمر بن الحسين، مفاتيح الغيب من القرآن الكريم المعروف بتفسير الرازى : المائدة : ٤٤، دار إحياء التراث العربى، ١٢/ ٣٦٥

٨٩ـوهبة الزحيلى الدكتور، التفسير المنير فى العقيدة والشريعة والمنهج، المائدة : ٤٤، دار الفكر، دمشق، الطبعة الثانية، ١٤١٨هـ، ٦/ ٢٠٧

٩٠ـ بديع الدين شاه راشدى علامه، بديع التفاسير، جنورى ١٩٩٨ء، ٧/ ٢٣٨

٩١ـالبخارى محمد بن إسماعيل الجعفى الإمام،الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه المسمى بصحيح البخارى، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم، دار ابن كثير، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٩٨٧ء، ١/ ٥٠، رقم الحديث : ١٠٠

٩٢ـأحمد محمد بوقرين، التكفير مفهومه أخطاره وضوابطه، المكتبة الشاملة، ص ٤٧

*****

باب دوم

توحید حاکمیت بطور اصطلاح

سلفی علماء کے اقوال کی روشنی میں

باب دوم

توحید حاکمیت بطور اصطلاح

سلفی علماء کے اقوال کی روشنی میں

بعض عرب علماء کا کہنا ہے کہ عرب حاکمیت کے لفظ سے نا آشنا تھے یہاں تک کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو استعمال کیا اور ان سے سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے یہ لفظ عربی زبان میں وارد ہوا۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ توحید حاکمیت ایک جدید اصطلاح ہے جو سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کے دعوتی وفکری لٹریچر کے ذریعے عام ہوئی ہے۔ [1]

سلف صالحین نے جب قرآن وسنت میں غور کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ قرآن و سنت میں تین طرح کی توحید کا بیان ہے:

1. توحید ربوبیت
2. توحید اُلوہیت یا توحید عبادت
3. توحید اَسماء وصفات

توحید ربوبیت سے مراد اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال میں یکتا قرار دینا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے' وہی رزق دیتا ہے' وہی زندہ کرتا ہے' وہی مارتا ہے' وہی اسی کائنات کی تدبیر کر رہا ہے وغیرہ۔توحید اُلوہیت سے مراد صرف اللہ ہی کی ذات کو عبادت کے لیے خاص کرنا ہے یعنی اللہ کی محبت' اس کے خوف' اس سے امید' اس کی اطاعت وغیرہ کے جذبات کے ساتھ اس کی عبادت کرنا اور نذر' نیاز' سجدہ' رکوع' طواف' دعا وغیرہ جیسی عبادات میں کسی کو بھی اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا۔توحید اُسماء وصفات سے مراد قرآن و سنت میں جن اُسماء وصفات کا اثبات ہے ان کا اثبات کرنا اور جن عیوب ونقائص سے اللہ کی ذات کو پاک قرار دیا گیا ہے ان سے پاک قرار دینا ہے۔ [2]

مغرب میں سماجی علوم وفنون کی ترقی سے عالم اسلام بھی بہت حد تک متاثر ہوا۔ یورپ میں جب باقاعدہ قانون وآئین سازی کی تاریخ کا آغاز ہوا تو مسلمان ممالک

نے بھی اس مسئلے میں ان کی تقلید کی۔عصر حاضر میں تقریباً تمام مسلمان ممالک میں انگریزی یا فرانسیسی یا اطالوی یا امریکن قوانین وغیرہ جزوی طور پر نافذ ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی آخری خلافت' سلطنت عثمانیہ میں بھی سوائے مدنی قانون 'مجلة الأحكام العدلية' کے بقیہ تمام قوانین مثلاً فوجداری قانون' قانون تجارت' قانون اراضی وغیرہ فرانسیسی و یورپین قوانین سے ماخوذ تھے اور انہی کے مطابق عدالتوں میں فیصلے ہوتے تھے۔پس تقریباً تمام مسلمان ممالک میں نہ تو سو فی صد غیر شرعی و مغربی قوانین نافذ ہیں اور نہ ہی مکمل اسلامی و شرعی قوانین' بلکہ یورپی اور اسلامی قوانین کا ایک ملغوبہ ہے جو اکثر و بیشتر مسلمان ممالک میں نافذ العمل ہے۔

مارچ ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد مسلمان امت میں خلافت کی بحالی کے لیے اسلامی تحریکوں کا آغاز ہوا۔ان تحریکوں نے اپنے موقف میں زور پیدا کرنے کے لیے توحید حاکمیت کی اصطلاح استعمال کی تا کہ عوام الناس کو یہ باور کرایا جا سکے کہ غیر اللہ کے قوانین کا نفاذ شرک ہے لہٰذا انہیں یورپین و مغربی قوانین کے نفاذ کے خلاف اور اسلامی قوانین کی بحالی کے لیے اپنا تن من دھن لگا دینا چاہیے۔شروع میں تو یہ اصطلاح توحید کی باقی اقسام کی طرح ایک قسم کے طور پر بیان ہوتی رہی لیکن آہستہ آہستہ اس کے استعمال میں یہ غلو پیدا ہوا کہ اسلامی تحریکوں کے بعض رہنماؤں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ 'لا إله إلا الله' کا معنی 'لا حاكم إلا الله' ہے [۳] جبکہ اس کا صحیح معنی 'لا معبود إلا الله' ہے جیسا کہ سلف صالحین نے بیان کیا ہے۔'لا حاكم إلا الله' کے اس معنی نے یہ متعین کر دیا کہ انسان کی تخلیق کا مقصد اولین روئے ارضی پر اللہ کی حاکمیت قائم کرنا ہے نہ کہ اس کی عبادت کرنا۔بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ تحریکی و جہادی رہنماؤں کے نزدیک سلف صالحین کی بیان کردہ توحید اُلوہیت' توحید ربوبیت اور توحید اُسماء و صفات پس منظر میں چلی گئیں اور انہیں اسلام و کفر کا معیار صرف توحید حاکمیت ہی میں نظر آنے لگا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حاکم صرف اللہ ہی کی ذات ہے'اور یہ کوئی نئی بحث نہیں ہے بلکہ اُصول فقہ کی قدیم و جدید کتابوں میں حکم کی ابحاث کے ذیل میں 'حاکم' کے عنوان کے تحت اس موضوع پر مفصل مباحث موجود

ہیں۔ علاوہ ازیں عقائد کی کتب میں بھی یہ بات مختلف عنوانات کے تحت موجود ہے کہ غیراللہ کے قانون کے مطابق فیصلے کرنا کفر' ظلم اور فسق ہے۔ اصل سوال اللہ کے حاکم ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف کا نہیں ہے بلکہ سوال درحقیقت یہ ہے کہ سلف صالحین نے توحید کی جو تین اقسام بیان کی تھیں کیا وہ توحید حاکمیت کو بھی شامل تھیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو سلف صالحین کا تصورِ توحید ناقص تھا؟اور اگر ہیں تو ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ذیل میں ہم اس موضوع پر اہل سنت کے علماء کے اقوال کی روشنی میں بحث کر رہے ہیں۔

پہلا موقف

توحید حاکمیت کی اصطلاح استعمال کرنے کے بارے میں سلفی علماء کے تین موقف ہیں۔بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ اس اصطلاح کا استعمال جائز ہے کیونکہ 'لا مشاحة فی الإصطلاح'۔ ایسے علماء کی تعداد بہت ہی کم ہے جن میں نمایاں نام شیخ عبد الرحمٰن بن عبدالخالق یوسف حفظہ اللہ کا ہے جنہوں نے اپنی کتاب 'الصراط' میں توحید حاکمیت کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

دوسرا موقف

دوسرا موقف سلفی علماء کی ایک معتد بہ جماعت کا ہے کہ توحید کی تین ہی اقسام ہیں۔ توحید حاکمیت بھی دراصل توحید اُلوہیت یا توحید ربوبیت ہی کا ایک پہلو ہے۔ لہٰذا نئی اصطلاح وضع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔سلف کی اصطلاحات جامع و مانع ہیں' انہی پر اکتفا کرنا چاہیے۔سابقہ مفتی اعظم سعودی عرب شیخ بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ليست أقسام التوحيد أربعة وإنما هی ثلاثة كما قال أهل العلم وتوحيد الحاكمية داخل فی توحيد العبادة. فمن توحيد العبادة الحكم بما شرع الله' والصلاة والصيام والزكاة والحج والحكم بالشرع كل هذا داخل فی توحيد العبادة." (۴)

''توحید کی اقسام چار نہیں ہیں بلکہ تین ہی ہیں جیسا کہ اہل علم کا کہنا ہے۔ توحید حاکمیت دراصل توحید عبادت (اُلوہیت) میں داخل ہے۔ پس توحید عبادت

(اُلوہیت) میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کیے جائیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کرنا یہ توحید عبادت میں داخل ہے۔''

شیخ عبد اللہ بن الغنیمان اور شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ الراجحی حفظہما اللہ نے بھی یہی موقف بیان کیا ہے۔

تیسرا موقف

یہ موقف بھی سلفی علماء کی ایک بڑی جماعت کا ہے۔ اس موقف کے مطابق توحید حاکمیت کی اصطلاح وضع کرنا ہی بدعت اور گمراہی ہے لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے۔ یہ موقف شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ، علامہ البانی رحمہ اللہ اور شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ وغیرہ کا ہے۔ شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ سے جب توحید کی چوتھی قسم توحید حاکمیت کے بارے سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا:

"السؤال: ما تقول عفا الله عنك فى من أضاف للتوحيد قسماً رابعاً سماه توحيد الحاكمية؟ الجواب: نقول: إنه ضال، وجاهل، لأن توحيد الحاكمية هو توحيد الله عز وجل فالحاكم هو الله فإذا قلت التوحيد ثلاثة أنواع كما قاله العلماء، توحيد الربوبية، فإن توحيد الحاكمية داخل فى توحيد الربوبية، لأن توحيد الربوبية هو توحيد الحكم والخلق والتدبير لله عز وجل وهذا قول محدث منكر، وكيف توحيد الحاكمية؟ ما يمكن أن توحد الحاكمية، المعنى أن يكون حاكم الدنيا كلها واحد أم ماذا؟ فهذا قول محدث مبتدع منكر، ينكر على صاحبه، ويقال له: إن أردت الحكم فالحكم لله وحده، وهو داخل فى توحيد الربوبية، لأن الرب هو الخالق المالك المدبر للأمور كلها، فهذه بدعة وضلالة، نعم." (5)

''سوال: آپ اس شخص کے بارے کیا کہتے ہیں جس نے توحید کی چوتھی قسم توحید حاکمیت بنا لی ہے۔ جواب: ہم کہتے ہیں: وہ گمراہ اور جاہل ہیں۔ توحید حاکمیت

سے مراد اللہ کی توحید ہی ہے۔ پس حاکم صرف اللہ ہی ہے۔ پس اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ توحید کی تین اقسام ہیں جیسا کہ علما نے کہا ہے: توحید ربوبیت (توحید اُلوہیت اور توحید اسماء وصفات)۔ توحید حاکمیت' توحید ربوبیت کا حصہ ہے کیونکہ توحید ربوبیت ہی توحید حکم' توحید خلق اور توحید تدبیر وغیرہ ہے۔ (توحید حاکمیت کو علیحدہ قسم بنانا) ایک بدعی اور منکر قول ہے۔ توحید حاکمیت کیسے ہوگی؟ یہ عملاً ممکن نہیں ہے کہ حاکمیت ایک ہی ہو جائے یعنی ساری دنیا کا حاکم ایک ہی ہو؟ یا پھر توحید حاکمیت سے مراد کیا ہے؟ توحید حاکمیت کا قول ایک بدعتی اور منکر کا قول ہے۔ اس قول کے صاحب کا انکار کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اگر اس سے تیری مراد 'حکم' ہے تو حکم دینے کا اختیار تو اللہ ہی کی ذات کو ہے اور وہ توحید ربوبیت میں داخل ہے کیونکہ رب سبحانہ وتعالیٰ ہی خالق' مالک اور تمام امور کا مدبر ہے۔ پس توحید حاکمیت کی علیحدہ قسم بنانا بدعت اور گمراہی ہے۔ جی ہاں!''

شیخ صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کو اجاگر کیا ہے کہ توحید حاکمیت سے کیا مراد ہو سکتی ہے۔ توحید حاکمیت کا ایک مفہوم تو یہ ہو سکتا ہے کہ حاکم اور شارع اللہ ہی کی ذات ہے یعنی حکم دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔ اس پہلو سے یہ توحید ربوبیت میں داخل ہے کیونکہ حکم جاری کرنا اللہ کا ایک فعل ہے اور اس کے اس فعل میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ توحید حاکمیت کا ایک دوسرا مفہوم شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ بندے اپنے افعال میں اللہ ہی کو حاکم قرار دیں۔ اس اعتبار سے یہ توحید اُلوہیت میں داخل ہے۔ یہ دونوں پہلو ہی مطلوب ہیں لہٰذا توحید حاکمیت ایک پہلو سے توحید ربوبیت اور دوسرے پہلو سے توحید اُلوہیت میں داخل ہے۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ بعض افراد نے اپنی سیاسی تعبیرات کو شرعی معنی پہنانے کے لیے توحید حاکمیت کی اصطلاح وضع کی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"الحاكمية فرع من فروع توحيد الألوهية والذين يدندنون بهذه الكلمة المحدثة فى العصر الحاضر' يتخذون سلاحاً ليس لتعليم المسلمين التوحيد الذى جاء به الأنبياء والرسل كلهم وإنما سلاحا سياسياً." [٦]

''حاکمیت' توحید اُلوہیت کے فروعات میں سے ایک فرع ہے۔ جو لوگ عصر حاضر میں اس بدعتی کلمے کو لیے پھرتے ہیں وہ اس اصطلاح کے ذریعے مسلمانوں کو اس توحید کی تعلیم نہیں دینا چاہتے جسے تمام انبیاء و رسل لے کر آئے بلکہ یہ لوگ اس اصطلاح کو سیاسی اسلحے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔''

شیخ عبد العزیز الراجحی حفظہ اللہ کا کہنا ہے کہ توحید حاکمیت میں غلو نے توحید اُلوہیت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ ایسی جماعتیں یا گروہ بھی وجود میں آ گئے ہیں جو توحید اُلوہیت کو نظر انداز کرتے ہوئے توحید حاکمیت کا تکرار کر رہے ہیں' جس کی وجہ سے توحید کے صحیح تصور میں عدم توازن پیدا ہو رہا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں:

"توحيد الحاكمية هل هو من أقسام توحيد الربوبية أم الألوهية؟ الجواب: توحيد الحاكمية نوع فرد من أفراد توحيد العبادة' وجعله من توحيد الحاكمية هذا غالت بعض الجماعات' بعض الجماعات غالوا فى توحيد الحاكمية' وبعض الجماعات صيروه فردا' توحيد الحاكمية من أنواع توحيد العبادة' يجب أن تفرد الله بالدعاء والذبح والنذر والحكم تتحاكم إلى شرعه' لماذا تخصص لو يأتى واحد يقول: توحيد الدعاء ويجعله توحيدا' توحيد النذر' توحيد الطواف' توحيد الصلاة' توحيد الركوع' توحيد السجود' توحيد الحاكمية كلها توحيد العبادة داخلة فى مسمى توحيد العبادة' وحد الله أى : أن توحد الله فى الركوع والسجود والذبح والنذر والحاكمية وغيرها . هذا الأصح' لكن غالى بعض الناس أو الجماعات الذين معرفون الآن فغالوا فى توحيد الحاكمية وصاروا لا يتكلمون إلا عن توحيد الحاكمية ويكفرون الحكام' لأنهم لم يحكموا بالشريعة ولكن لا يتكلمون فى الشرك لا يتكلمون فى الدعاء لغير الله ولا فى الذبح ولا فى النذر مع أن هذا شرك' القبور عندهم وأمامهم وبين أيديهم يذبح لها وينذر لها ولا يتكلمون ولا يتكلموا إلا فى

توحيد الحاكمية لماذا؟ الحاكمية فرد من الأفراد أنكر الشرك فى الدعاء والذبح والنذر كما أنك تنكر على الحكام عدم الحكم بما أنزل الله لما ذا تخصص؟ فرد من أفراد العبادة. نعم. ''

''سوال: توحید حاکمیت' توحید ربوبیت کی قسم ہے یا توحید اُلوہیت کی؟ جواب: توحید حاکمیت' توحید عبادت (اُلوہیت) کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔ توحید حاکمیت کو ایک مستقل قسم قرار دیتے ہوئے بعض جماعتوں نے غلو کیا ہے۔ بعض جماعتوں نے توحید حاکمیت میں غلو کیا ہے جبکہ بعض جماعتیں اسے ایک فرد قرار دیتی ہیں۔ توحید حاکمیت' توحید عبادت (اُلوہیت) کی ایک قسم ہے۔ یہ بات واجب ہے کہ انسان اپنی دعا' ذبح' نذر اور حکم میں اللہ ہی کی شریعت کی طرف اپنا مقدمہ لے جاتے ہوئے اپنے ان افعال میں توحید کو برقرار رکھے۔ (میں کہتا ہوں) توحید حاکمیت ہی کو خاص کیوں کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے: توحید دعا اور اس کو توحید کی ایک مستقل قسم قرار دے یا توحید نذر' توحید طواف' توحید نماز' توحید رکوع' توحید سجود [یعنی نذر' طواف' نماز' رکوع اور سجود صرف اللہ ہی کے لیے ہیں تو توحید کی یہ قسمیں بنانے میں بھی کیا حرج ہے؟] توحید حاکمیت تمام کی تمام توحید عبادت (اُلوہیت) کے مفہوم میں داخل ہے۔ اللہ کی توحید اختیار کرو یعنی رکوع' سجود' ذبح' نذر اور حاکمیت وغیرہ میں۔ یہ بات صحیح ہے لیکن بعض افراد اور معروف جماعتوں نے توحید حاکمیت میں غلو کیا ہے۔ یہ لوگ توحید حاکمیت کے علاوہ کچھ بیان ہی نہیں کرتے اور مسلمان حکمرانوں کی تکفیر کرتے ہیں کیونکہ یہ حکام شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ یہی لوگ غیر اللہ کے لیے دعا کرنے' غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے اور غیر اللہ کے لیے نذر ماننے کے بارے میں فتوے نہیں دیتے حالانکہ یہ بھی شرک ہے اور ان حضرات کے سامنے اور ارد گرد قبریں ہیں' ان کے سامنے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جاتا ہے اور نذریں مانی جاتی ہیں (لیکن پھر بھی یہ حضرات اس توحید پر توجہ نہیں دیتے)۔ غیر اللہ سے دعا کرنے' ذبح کرنے اور نذر ماننے کے شرک کا بھی اسی طرح انکار ہوگا جس طرح حکام کے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرنے کا آپ انکار کرتے ہیں۔ توحید حاکمیت' توحید عبادت کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔ جی ہاں!''

اسی طرح شیخ صالح الفوزان ﷻ فرماتے ہیں:

”يا فضيلة الشيخ وفقكم الله ما حكم من يقول: معنى لا إله إلا الله هى: لا حاكمية إلا الله؟ الشيخ: ما شاء الله! هذا أخذ جزء، جزء قليل من معنى لا إله إلا الله و ترك الأصل الذ ى هو التوحيد والعبادة. لا إله إلا الله معناها: لا معبود بحق إلا الله. فهى تنفى الشرك وتثبت التوحيد، والحاكمية جزء من معنى لا إله إلا الله ولكن الأصل هو التوحيد، الأصل فى لا إله إلا الله هو التوحيد ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا إلها واحدا﴾ ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾ ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾ لكن هذه فتنة هؤلاء الذين يقولون هذه المقالة، إما أنهم جهال، يفسرون كلام الله وكلام رسوله، هو ليس عندهم علم، إنما هم أصحاب ثقافة عامة، ويسمونهم 'مفكرين' لكن ليس لهم فقه فى دين الله، وعدم الفقه فى دين الله آفة. . . على كل حال هو تفسير ناقص جدا، ولا ينفع حتى لو حكم، لو قامت المحاكم على تحكيم الشريعة فى المخاصمات بين الناس والأعراض والحدود، وترك أمر الشرك والأضرحة قائما، فهذا لا ينفع ولا يفيد شيئا ولا يعتبروا مسلمين بذلك حتى يزيلوا الشرك ويهدموا الأوثان، النبىﷺ بدأ بهدم الأوثان قبل أن يأمر الناس بالصلاة والصيام والزكاة والحج، تعلمون أنه أقام فى مكة ثلاثة عشر سنة، يأمر بالتوحيد وينهى عن الشرك، حتى إذا تمهدت العقيدة وقامت العقيدة ووجد من المسلمين من يؤازر الرسول ﷺ على أمر الجهاد، نزلت عليه شرائع الإسلام: الصلاة والصيام والحج وبقية شرائع الإسلام، البناء لا يقوم إلا على الأساس، لا بد من الأساس أولا ثم البناء

ولذلك شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله هی أول أركان الإسلام والنبی ﷺ يقول فليكن أول ما تدعوهم إليه: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله' نعم' بعضهم كتب كتاب يقول فيه: إن الله خلق الخلق ليحققوا الحاكمية فی الأرض' هذا مخالف لقوله تعالی﴿وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾ يعنی ما راح للآية هذه' بل خلقهم من أجل يحققوا الحاكمية' يا سبحان الله! الله تعالی يقول : وما خلقت الجن و الإنس إلا ليعبدون وأنت تقول ليحققوا الحاكمية؟ نعم؛ من أين جاء بهذا التفسير؟ وفی الحقيقة هم مكفرين لا مفكرين ' فانتبه !'' ❽

''سوال: شیخ صاحب' اللہ آپ کو توفیق دے' اس شخص کا حکم بیان کریں جو 'لا إله إلا الله' کا معنی یہ بیان کرتا ہو کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حاکمیت اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہے؟ جواب: ما شاء اللہ! یہ کلمہ توحید 'لا إله إلا الله' کا ایک جزء بلکہ بہت ہی قلیل جزء ہے۔ اس تفسیر کے ذریعے کلمہ توحید کے اصل مقصود کو چھوڑ دیا گیا ہے اور وہ ہے توحید اور عبادت۔ 'لا إله إلا الله' کا معنی ہے کوئی حقیقی معبود اللہ کے سوا نہیں ہے۔ یہ تصور شرک کی نفی بھی کرتا ہے اور توحید کو ثابت بھی کرتا ہے۔ حاکمیت 'لا إله إلا الله' کا ایک جزء ہے جبکہ اس کلمے کی اصل' توحید ہے۔ 'لا إله إلا الله' میں اصل مفہوم توحید کا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور نہیں انہیں حکم دیا گیا مگر یہ کہ وہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں۔ اسی طرح ارشاد ہے: اور انہیں نہیں حکم دیا گیا مگر اس کا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لیے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ اسی طرح ارشاد ہے: اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ 'لا إله إلا الله' کی حاکمیت کے ذریعے تفسیر کرنا درحقیقت ان لوگوں کا فتنہ ہے جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ یا تو یہ لوگ جاہل ہیں' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کی تفسیر کرتے ہیں' حالانکہ ان کے پاس اس کا علم نہیں ہے۔ یہ لوگ درحقیقت تہذیب و کلچر کے میدان کے لوگ ہیں اور 'مفکرین' کہلاتے ہیں لیکن ان کے پاس اللہ کے

دین کی سوجھ بوجھ موجود نہیں ہے۔ جبکہ اللہ کے دین کی سوجھ بوجھ نہ ہونا ایک آفت ہے....بہر حال یہ ایک بہت ہی ناقص تفسیر ہے۔ اگر اللہ کی حاکمیت قائم کر بھی دی جائے تو پھر بھی یہ تفسیر بے فائدہ ہو گی۔ اگر عدالتیں لوگوں کے مابین جھگڑوں‘ حدود و عزت کے مسائل میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کرنے بھی لگ جائیں اور حال یہ ہو کہ معاشرے میں شرک موجود ہو‘ مزار قائم ہوں تو یہ توحید حاکمیت کوئی فائدہ نہ دے گی اور لوگ اس توحید کی وجہ سے مسلمان نہیں ہو جائیں گے جب تک کہ وہ شرک کی جڑ نہ کاٹ دیں اور بتوں کو گرا دیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے لوگوں کو نماز‘ روزہ‘ حج اور زکوۃ کا حکم دینے سے پہلے اپنی دعوت کا آغاز بتوں کو گرانے سے کیا۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپ نے تیرہ سال مکہ میں قیام کیا۔ اس دوران آپ توحید کا حکم دیتے تھے اور شرک سے روکتے تھے یہاں تک کہ جب عقیدہ درست و صحیح ہو گیا اور مسلمانوں میں جہاد کے حکم پر آپ کی مدد کرنے والے میسر آ گئے تو نماز‘ روزہ‘ حج اور بقیہ شریعت نازل ہونا شروع ہوئی۔ عمارت اپنی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ پہلے بنیاد کو پکڑیں پھر عمارت تعمیر کریں۔ یہی وجہ ہے کہ’ لا إله إلا الله محمد رسول الله‘ کی گواہی دینا اسلام کا پہلا رکن ہے۔ ان میں سے کسی نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں کہا ہے: اللہ نے اپنی مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ زمین میں اللہ کی حاکمیت قائم کریں۔ یہ قول آیت مبارکہ ﴿وما خلقت الجن و الإنس إلا ليعبدون﴾ کے خلاف ہے۔ یعنی اس شخص کو یہ آیت مبارکہ راس نہ آئی۔ (اس کا کہنا یہ ہے) بلکہ ان کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ حاکمیت کو ثابت کریں۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے‘ اور تم یہ کہتے ہو کہ اس لیے پیدا فرمایا تا کہ اللہ کی حاکمیت ثابت کریں۔ جی ہاں! یہ تفسیر کہاں سے لے آئے ہیں؟ درحقیقت یہ لوگ تکفیری ہیں نہ کہ مفکرین۔ ان سے خبردار رہیں!‘‘

شیخ عبد السلام بن برجس آل عبد الکریم فرماتے ہیں:

”فمن ثم وضع توحيد الحاكمية قسيماً لأقسام التوحيد المعروفة الثلاثة هو من الأمور التى أدخلها بعض من انحرف فى مسائل

التکفیر فی هذ االعصر کجماعة الإخوان المسلمین و غیرهم و هو لیس فی شیء . “ ❾

’’توحید حاکمیت کو توحید کی تین معروف اقسام کی طرح ایک مستقل قسم ان لوگوں نے قرار دیا ہے جنہوں نے عصر حاضر میں مسئلہ تکفیر میں اہل سنت کے منہج سے انحراف کیا ہے جیسا کہ الاخوان المسلمون وغیرہ ہیں۔ توحید کی اس قسم کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔‘‘

شیخ ابو عبد المعز محمد علی فرکوس الجزائری فرماتے ہیں:

”هل شرح سید القطب ل ”لا إله إلا الله“ یعد أفضل شروحات کلمة التوحید؟ الجواب: . . . فتفسیر سید قطب وأخیه محمد قطب لمعنی لا إله إلا الله بالحاکمیة أی لا حاکم إلا الله تفسیر قاصر غیر صحیح فکیف یکون الأفضل؟ فهو مخالف لما علیه تفسیر السلف الصالح لمعنی لا إله إلا الله و هو لا معبود بحق إلا الله ویدل علیه قوله تعالی ﴿ذلك بأن الله هو الحق وأن ما یدعون من دونه هو الباطل وأن الله هو العلی الکبیر﴾ وقوله تعالی ﴿ولقد بعثنا فی کل أمة رسولا أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت﴾ وقوله تعالی ﴿واعبدوا الله والا تشرکوا به شیئا﴾ وقوله تعالی ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا لیعبدون﴾ وقوله ﷺ ((أمرت أن أقاتل الناس حتی یشهدوا أن لا إله إلا الله)) . “ ❿

’’سوال: کیا سید قطب کی ’لا إله إلا الله‘ کی تفسیر کلمہ توحید کی افضل ترین شرح ہے؟ جواب: ...سید قطب اور ان کے بھائی محمد قطب نے ’لا إله إلا الله‘ کی تفسیر حاکمیت کے ساتھ کی ہے یعنی ’لا إله إلا الله‘ سے مراد ’لا حاکم إلا الله‘ ہے‘ یہ تفسیر ایک ناقص اور غیر صحیح تفسیر ہے چہ جائیکہ کہ اس کو افضل قرار دیا جائے۔ ان دونوں بھائیوں کی یہ تفسیر اس معنی کے خلاف ہے جو سلف صالحین نے ’لا إله إلا الله‘ کا بیان کیا ہے اور وہ معنی یہ ہے کہ اس سے مراد ’لا

معبود بحق إلا الله' ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ سلف کی اس تفسیر پر درج ذیل آیات اور احادیث شاہد ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: یہ اس وجہ سے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی حقیقی معبود ہے اور جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ معبودان باطلہ ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی عظیم اور بڑا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا تا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔ اسی طرح ارشاد ہے: اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اسی طرح ارشاد ہے: اور نہیں میں نے پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اسی طرح حدیث مبارکہ میں ہے: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ 'لا إله إلا الله' کی گواہی دیں۔''

شیخ ربیع [11] اور شیخ ابراہیم الرحیلی [12] نے بھی تقریباً یہی موقف بیان کیا ہے۔

خلاصہ کلام

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ توحید حاکمیت کی اصطلاح سلف صالحین کے دور میں نہیں تھی اور یہ جدید دور کی اصطلاح ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس اصطلاح کا استعمال جائز ہے یا غیر صحیح یا بدعت؟ جیسا کہ یہ تینوں موقف سلفی علماء میں پائے جاتے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ نئی اصطلاح وضع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ اس کی ضرورت ہو۔ لیکن بغیر کسی وجہ وضرورت کے نئی نئی اصطلاحات کا استعمال انتشار ذہنی کا باعث بن سکتا ہے۔ لہٰذا جب توحید حاکمیت' توحید اُلوہیت یا ربوبیت میں شامل ہے اور ان کی ایک فرع یا فرد ہے تو اسے علیحدہ بیان کرنے کی بجائے انہی دو اقسام کے ذیل میں بیان کرنا چاہیے جیسا کہ شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے۔

پس علیحدہ سے توحید حاکمیت کی اصطلاح کا استعمال غیر ضروری اور درست نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص مجرد اسے بطور اصطلاح استعمال کرے تو اس پر بدعتی یا گمراہ ہونے کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ شیخ عبد اللہ الغنیمان حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''وجعله قسم رابعا ليس له وجه' لأنه داخل فی الأقسام الثلاثة' و التقسيم بلا مقتضى يكون زيادة كلام لا داعی له' والأمر سهل فيه

على كل حال، إذ جعل قسما مستقلاً فهو مرادف، ولا محذور فيه.» [13]

''اور توحید حاکمیت کو چوتھی قسم بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ پہلی تین اقسام میں داخل ہے۔ بغیر ضرورت کے کوئی تقسیم کرنا زیادتی کلام ہے جس کی وجہ یہاں موجو نہیں ہے۔ بہر حال معاملہ آسان ہی ہے۔ اگر کسی نے چوتھی قسم بنا بھی لی تو یہ ایک مترادف اصطلاح ہے جس میں کوئی مانع نہیں ہے۔''

لیکن اگر کوئی شخص توحید حاکمیت کی اصطلاح کو ایسے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے کہ اس سے کئی ایک مزید بدعتی افکار جنم لیتے ہوں یا توحید کا صحیح تصور مسخ ہو رہا ہو یا توحید کی اقسام کی مساوی اہمیت میں عدم توازن پیدا کیا جا رہا ہو یا دین کے کسی شعبے میں اس اصطلاح کے ذریعے غلو پیدا کیا جا رہا ہو تو ایسے حالات میں توحید کے صحیح تصور کی حفاظت کی خاطر بلاشبہ اس اصطلاح کے استعمال سے روکا جائے گا اور اس کو استعمال کرنے والوں پر بدعتی یا گمراہ کا فتویٰ لگانا جائز ہو گا جیسا کہ شیخ صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ، علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ وغیرہ کا موقف ہے۔ سلفی علماء کے دو مختلف موقفوں میں ہمیں تطبیق کی یہی صورت نظر آتی ہے کہ عام حالات میں توحید حاکمیت کی اصطلاح کے استعمال کا جواز درست معلوم ہوتا ہے لیکن بعض متعین حالات میں نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

*****

مصادر ومراجع

1-Dr.Ahmed bin Abdul Karim Najeeb, Altawheed fil Hakmiyyah,Retrieved 06 June2012 from http://www.saaid.net/Doat/Najeeb/f112.htm

٢-ابن أبى العز الحنفى، شرح الطحاوية فى العقيدة السلفية، المكتب الإسلامى، بيروت، الطبعة الرابعة، ١٣٩١هـ، ص ٧٧

3-Sheikh Muhammad Ali Ferkous, Sharh o Syed Qutab La Ilaha Illallah, Retrieved 06 June 2012 from http://www.ferkous.com/rep/Ba27.php

٤-بن باز الشيخ، مجموع الفتاوى، الرئاسة العامة للبحوث العلمية والإفتاء،

المملكة السعودية العربية، ٣٠/ ٣٢٨
٥۔محمد صالح العثيمين الشيخ، لقاء الباب المفتوح،المكتبة الشاملة، ١٥٠/ ١٢، لقاء ات كان يعقدها الشيخ بمنزله كل خميس، بدأت فی أواخر شوال ١٤١٢هـ وانتهت فی الخميس ١٤ صفر عام ١٤٢١هـ، عدد اللقاء ات ٢٣٦ لقاء ورقم الجزء هو رقم اللقاء۔
6-Abou Ishaaq, Halil Hakmiyyah Qismun Rabayun, Retrieved 06 June 2012 from http://www.driouch1.com/t7523-topic
7-Abu Malik, Fatawa KibaroAhlil Ilme fil Hakmiyyah, Retrieved 06 June 2012 from http://www.muslm.net/vb/archive/index.php/t-328512.ht ml8-Ibid
9-Abu Malik, Fatawa KibaroAhlil Ilme fil Hakmiyyah, Retrieved 06 Jun e 2012 from http://www.muslm.net/vb/archive/index.php/t-328512.html
10-Sheikh Muhammad Ali Ferkous, Sharh o Syed Qutab La Ilaha Illallah Retrieved 06 June 2012 from http://www.ferkous.com/rep/Ba27.php
11-Sheikh Rabee Al-Madkhali, Al-tawheed Awwalan, Retrieved 06 June 2012 from http://rabee.net/show_book.aspx?pid=5&bid=158&gid=0
12-Abu Malik, Fatawa KibaroAhlil Ilme fil Hakmiyyah, Retrieved 06 Ju ne 2012 from ttp://www.muslm.net/vb/archive/index.php/t-328512.html
13-Sheikh Abdullah Al-Ghunaymaan, Haqeeqat e Tawheed Al-Hakmi yyah Retrieved 06 June 2012 from http://islamqa.com/ar/r ef/11745

*****

باب سوم

تکفیر کی شرعی بنیادیں

باب سوم

تکفیر کی شرعی بنیادیں

ہمارے علم کی حد تک اس وقت تین بڑی بنیادیں ہیں کہ جن کی وجہ سے حکمرانوں کی تکفیر کی جاتی ہے۔

آیت تحکیم

تکفیر کی پہلی بنیاد یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ﴾ ❶

''جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے' وہی کافر ہیں۔''

اس آیت کے بارے ہم مفصل گفتگو سابقہ صفحات میں کر چکے ہیں' یہاں ہم اس سے متعلقہ کچھ مزید ابحاث کا تذکرہ بطور خلاصہ نقل کر رہے ہیں۔ جو لوگ حکمرانوں کی تکفیر کے قائل ہیں ان کے بقول حکمران چونکہ غیر اللہ کے قانون کو نافذ کرتے ہیں لہٰذا دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

ہمارے نزدیک حکمرانوں کی تکفیر میں اس آیت سے کیا جانے والا استدلال ائمہ اہل سنت کے منہج کے خلاف ہے۔ ائمہ اہل سنت نے ہر حال میں اس فعل کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا ہے۔ احادیث مبارکہ میں بہت سے کبیرہ گناہوں پر بھی کفر کا اطلاق کیا گیا ہے اور ان گناہوں کے مرتکبین کے لیے کافر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً آپ کا فرمان ہے: ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوق وَقِتَالُـه کفر)) ❷ اور ((من حلف بغیر الله فقد کفر)) ❸ اور ((مَنْ اَتٰی کَاهِنًا أو عرافا فصدقه بما یقول فَقَدْ کَفَرَ بِمَا أنزل عَلٰی مُحَمَّد)) ❹ اور ((بَیْنَ الْعبدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاة)) ❺ اور ((اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاَخِیْهِ یَا کَافِر فَقَدْ بَاء بِهَا اَحَدُهُمَا)) ❻ اور ((لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کفارا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رقاب بعض)) ❼ اور ((لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ)) ❽ وغیرہ جیسی احادیث مبارکہ۔

ایسی تمام روایات کی توجیہہ وتاویل میں ائمہ اہل سنت کا کہنا یہ ہے کہ بعض اوقات کفر کا لفظ معصیت کے معنی میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔اسی لیے اہل سنت کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا کام کرنے والا شخص ایسا کافر نہیں ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے اور دائمی جہنمی ہو۔

اہل سنت کی ایک جماعت اس کو 'کفر دون کفر' قرار دیتی ہے اور کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا کفر 'عملی کفر' ہے۔ائمہ ثلاثہ امام مالک' امام شافعی' امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور محدثین کا قول یہی ہے۔ جبکہ اہل سنت کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ کفر مجازی ہے نہ کہ حقیقی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اہل الرائے کا یہی قول ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو عملی کافر کہیں یا مجازی کافر' بہر حال اس بات پر جمیع اہل سنت کا اتفاق ہے کہ ایسا شخص کافر حقیقی نہیں ہے کہ جس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو یا آخرت میں دائمی جہنم کا مستحق ہو۔

اہل سنت و الجماعت یہ کہتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کہا ہے تو ہماری کیا مجال ہے کہ ہم اسے کافر نہ کہیں لیکن وہ 'عملی کافر' یا 'مجازی کافر' ہے نہ کہ 'حقیقی کافر' کہ جو دائرہ اسلام سے خارج' واجب القتل اور دائمی جہنمی ہو۔ اس کے برعکس خوارج اور معتزلہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان احادیث کی وجہ سے گناہ کبیرہ کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ابن ابی العز الحنفی رحمۃ اللہ علیہ 'عقیدۃ طحاویۃ' کی شرح میں لکھتے ہیں:

"أن اهل السنة متفقون كلهم على أن مرتكب الكبيرة لا يكفر كفرا ينقل عن الملة بالكلية كما قالت الخوارج. . . وأهل السنة أيضا متفقون على أنه يستحق الوعيد المرتب على ذلك الذنب كما وردت به النصوص. . .ثم بعد هذا الاتفاق تبين أن أهل السنة اختلفوا خلافاً لفظياً' لا يترتب عليه فساد' وهو: أنه هل يكون الكفر على مراتب' كفرا دون كفر؟ كما اختلفوا : هل يكون الإيمان على مراتب' إيمانا دون إيمان؟ وهذا الإختلاف نشأ من اختلافهم فى مسمى 'الإيمان': هل هو قول وعمل يزيد وينقص' أم لا؟ بعد

اتفاقهم على أن من سماه الله تعالى ورسوله كافرا نسميه كافرا' إذ الممتنع أن يسمى الله سبحانه وتعالى الحاكم بغير ما أنزل الله كافرا' ويسمى رسوله من تقدم ذكره كافرا ولا نطلق عليهما اسم 'الكافر'. ولكن من قال: إن الإيمان قول وعمل يزيد وينقص قال: هو كفر عملى لا اعتقادى' والكفر عنده على مراتب' كفر دون كفر' كالإيمان عنده. ومن قال: إن الإيمان هو التصديق ولايدخل العمل فى مسمى الإيمان ' والكفر هو الجحود' ولا يزيدان ولا ينقصان قال: هو كفر مجازى غير حقيقى' إذ الكفر الحقيقى هو الذى ينقل عن الملة.'' 9

''جمیع اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایسا کفر نہیں کرتا کہ جس کی وجہ سے وہ ملت اسلامیہ سے کلی طور پر خارج ہو جائے جیسا کہ خوارج کا قول ہے...اہل سنت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مرتکب کبیرہ اپنے اس گناہ کبیرہ پر اس وعید کا مستحق ہے جو نصوص میں وارد ہوئی ہے...پھر اس اتفاق کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل سنت کا اس مسئلے میں باہمی اختلاف لفظی اختلاف ہے اور اس سے کوئی فساد پیدا نہیں ہوتا۔اہل سنت کا باہمی اختلاف اس میں ہے کہ کیا کفر کے بھی مختلف درجات ہیں مثلاً کفر دون کفر وغیرہ جیسا کہ اہل سنت کا اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ کیا ایمان کے بھی مختلف درجات ہیں مثلاً ایمان دون ایمان؟اور ان کے اس اختلاف کی بنیاد ایمان کے 'مسمی' یعنی تعریف میں ان کا اختلاف ہے۔کیا ایمان قول وعمل کا نام ہے جو گھٹتا ہے اور بڑھتا ہے یا ایسا نہیں ہے؟اہل سنت کا اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کافر کہا ہے تو ہم بھی اسے کافر ہی کہیں گے کیونکہ یہ ناممکن امر ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے کو کافر قرار دیں یا اللہ کے رسول ﷺ بعض افعال کے مرتکبین کو کافر کہیں' جیسا کہ پہلے احادیث گزر چکی ہیں' تو ہم ان افعال کے مرتکبین پر لفظ کافر کا اطلاق نہ کریں۔پس جس کا کہنا یہ ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور یہ گھٹتا بڑھتا ہے تو

اس کے نزدیک یہ 'کفر عملی' ہے نہ کہ اعتقادی' اور ان علماء کے ہاں ایمان کی طرح کفر کے بھی کئی درجات ہیں جیسا کہ کفر دون کفر ہے۔ اور جن علماء کا کہنا یہ ہے کہ ایمان' تصدیق کا نام ہے اور عمل ایمان کے مسمیٰ یعنی تعریف میں داخل نہیں ہے اور کفر' انکار کا نام ہے اور یہ دونوں کم یا زیادہ نہیں ہوتے تو انہوں نے کہا: یہ مجازی کفر ہے نہ کہ حقیقی' جبکہ حقیقی کفر وہ ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دے۔''

ابن ابی العز الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کو بھی خوب اچھی طرح نکھارا ہے کہ 'حکم بغیر ما انزل اللہ' ہر صورت میں ملت اسلامیہ سے خارج کرنے والا نہیں ہوتا۔ امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی حکمران من جملہ شریعت اسلامیہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلے کرنے کو واجب قرار نہیں دیا ہے یا وہ شریعت اسلامیہ کو تیقن کے ساتھ شریعت اسلامیہ سمجھتے ہوئے اس کا استہزاء و مذاق اڑاتا ہو تو اس صورت میں وہ ایسے کفر کا مرتکب ہو گا کہ جس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے اور اگر کوئی حکمران شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کرنے کو واجب سمجھتے ہوئے' اس کے مطابق فیصلے نہ کرے تو وہ کافر حقیقی نہیں بلکہ مجازی یا عملی کافر ہے۔ اور اسی طرح وہ قاضی یا حکمران جو اپنے اجتہاد میں خطا کی بنیاد پر اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہ مجتہد مخطی اور عنداللہ ماجور ہے۔ امام صاحب لکھتے ہیں:

''وهنا أمر يجب أن يتفطن له وهو : أن الحكم بغير ما أنزل الله قد يكون كفرا ينقل عن الملة وقد يكون معصية كبيرة أو صغيرة ويكون كفرا: إما مجازيا وإما كفرا أصغر على القولين المذكورين. وذلك بحسب حال الحاكم: فإنه إن اعتقد أن الحكم بما أنزل الله غير واجب' وأنه مخير فيه' أو استهان به مع تيقنه أنه حكم (الله) فهذا كفر أكبر. وإن اعتقد وجوب الحكم بما أنزل الله وعلمه فى هذه الواقعة وعدل عنه مع اعترافه بأنه مستحق للعقوبة' فهذا عاص ويسمى كفرا مجازيا أو كفرا أصغر. ومن جهل حكم الله فيها مع بذل جهده واستفراغ وسعه فى معرفة الحكم وأخطأ فهذا مخطى له

أجر على اجتهاده وخطؤه مغفور . ‘‘ ⑩

’’یہاں ایک اہم نکتے کو سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرنا بعض اوقات ایک ایسا کفر ہوتا ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے اور بعض اوقات یہ گناہ کبیرہ یا گناہ صغیرہ ہوتا ہے اور ان دو صورتوں میں اس کو مجازی کفر یا کفر اصغر کہیں گے اور اس کا فیصلہ حکمران کے حالات کے مطابق ہو گا۔اگر کسی حکمران کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کرنا غیر واجب ہے یا اختیاری ہے یا اس نے کسی حکم شرعی کو تیقن کے ساتھ اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا تو یہ تمام صورتیں کفر اکبر ہیں۔اور اگر کسی حکمران نے کسی واقعے میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کو تو واجب سمجھا لیکن اس نے اس شرعی حکم کے ساتھ اس مقدمے کا فیصلہ نہ کیا جبکہ وہ اس بات کا معترف بھی ہو کہ وہ اپنے اس عمل کی بنا پر سزا کا مستحق ہے تو ایسا حکمران گناہ گار ہے اور اس کے کفر کو مجازی کفر یا کفر اصغر کہیں گے۔اسی طرح جو حکمران اپنی مقدور بھر کوشش اور طاقت صرف کرنے کے باوجود اللہ کا حکم معلوم نہ کر سکا اور اپنے اجتہاد میں خطا کی بنا پر اللہ کے حکم کے مطابق اس نے فیصلہ نہ کیا تو یہ حکمران مجتہد مخطی ہے اور اسے اپنے اجتہاد کا ثواب ملے گا اور اس کی خطا قابل معافی ہے۔‘‘

یہ واضح رہے کہ شیخ کے قول ’’إن الحكم بما أنزل الله غير واجب‘ وأنه مخير فيه‘‘ سے مراد مکمل شریعت کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا ہے‘ کیونکہ بعض شرعی احکام میں تو اختیار خود شریعت نے دیا ہے۔اباحت شرعی حکم ہی کی ایک قسم ہے اور کئی ایک شرعی احکام میں تخییر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی طرف سے ابتداءً موجود ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ’’أو استهان به مع تيقنه أنه حكم الله‘‘ کے مطابق اہل سنت کے نزدیک شرعی احکام کا مذاق و استہزاء اس وقت ملتِ اسلامیہ سے خارج کرے گا جبکہ حکمران کو اس بات کا یقین ہو کہ جس کا وہ مذاق اڑا رہا ہے وہ ایک شرعی حکم ہے۔بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ حکمران کسی حکم شرعی کا مذاق اس بنا پر اڑا رہا ہوتا ہے کہ وہ اسے اللہ کا حکم نہیں سمجھ رہا ہوتا ہے۔پس اس صورت میں حکمران کی تکفیر میں اس کی

جہالت مانع ہوگی۔ ہمارے موجودہ حکمرانوں کی اکثریت احکام شریعہ سے جاہل بلکہ اجہل ہے۔لہٰذا ان حالات میں اگر کسی حکمران کے منہ سے کوئی ایسا جملہ نکل جائے تو اسے پہلے تنبیہہ کی جائے۔اللہ کا حکم اس پر واضح کیا جائے اور اس کے استہزاء پر اس کا جو دینی مقام(status) ہوگا وہ بھی مفتیان کرام کو واضح کرنا چاہیے۔اس سب کے باوجود بھی اگر حکمران اپنے کفریہ فعل پر مُصر ہو تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ حکمران کسی تاویل کا سہارا تو نہیں لے رہا ہے اور اس تاویل کی وجہ سے اس شرعی حکم کو منسوخ یا مباح یا عارضی و وقتی حکم تو نہیں سمجھ رہا ہے۔اگر وہ کسی تاویل کا سہارا لے رہا ہے تو اس کی تاویل کا علمی جواب دیا جائے گا۔

حکمران کی تاویل کے علمی جواب کے بعد بھی اگر وہ حکمران کسی شرعی حکم کا استہزاء کرے یا اس کے مطابق فیصلہ نہ کرنے پر اصرار کرے تو اب جمیع مکاتب فکر کے اکابر علماء کی ایک جماعت اس پر کفر کا فتویٰ لگائے نہ کہ گلی گلی پھرنے والے مفتی حضرات یا جذباتی نوخیز نوجوان۔ اگر حکمران کی تکفیر پر جمیع مکاتب فکر کے علماء کا اتفاق نہ ہو تو پھر ہر عالم دین کو اپنی اجتہادی رائے کے مطابق فیصلہ دینے کا اختیار ہوگا لیکن ایسے حکمران کو قطعی کافر یا قطعی دائمی جہنمی کہنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس حکمران کی تکفیر اب ایک اجتہادی اور اختلافی مسئلہ ہے اور اجتہادی و اختلافی مسائل میں عموماً علم ظنی حاصل ہوتا ہے۔پس حکمران کی تکفیر میں علماء کے اختلاف سے شبہ پیدا ہو گیا ہے اور شبہ کی وجہ سے علم ظن حاصل ہوا۔

اگر کسی حکمران نے کسی شرعی حکم کا مذاق اڑایا بھی ہے یا کسی غیر شرعی حکم کے مطابق قانون سازی کی بھی ہے تو اس کی تکفیر میں جہالت' تاویل یا خوف مانع ہے یا نہیں؟ تکفیر سے پہلے اس کو دیکھنا ہوگا۔علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ پہلے ایسے حکمران کی جہالت دور کریں' اس کی تاویل باطل کا جواب دیں' اس کو وعظ ونصیحت کریں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں اور اس شرعی حکم کے انکار کے نتائج وعواقب سے ڈرائیں اور اگر پھر بھی وہ حکمران اپنے کفر پر اڑا رہے تو ان بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد ہی اکابر علماء کا اجتماعی و اتفاقی فتویٰ ہی اس حکمران کی قطعی تکفیر کی بنیاد بن سکتا ہے۔تکفیر کی یہی وہ کڑی شرائط ہیں کہ جن کی وجہ سے بعض اہل علم مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

وغیرہ نے ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کو مطلق طور پر 'کفر دون کفر' پر محمول کیا ہے یعنی ایسا کفر جو حقیقی کفر نہیں ہے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

"قال ابن عباس رضی الله عنهما: إنه ليس بالكفر يذهبون إليه إنه ليس كفرا ينقل عن الملة ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ كفر دو ن كفر." [11]

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: جس کو وہ اختیار کرتے ہیں وہ کفر نہیں ہے۔ بے شک وہ ایسا کفر نہیں ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دے۔ اور آیت مبارکہ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ میں کفر دون کفر یعنی ایسا کفر جو کفر حقیقی نہیں ہے' کا ذکر ہے۔''

امام حاکم اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہما نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ [12] تفسیر طبری میں یہ قول عطاء اور طاؤس رحمۃ اللہ علیہما سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ تقریباً ناممکن ہے کہ ایک مسلمان حکمران جانتے بوجھتے اللہ کے حکم کا مذاق اڑائے یا اس کو غیر ضروری سمجھے۔ جب بھی کوئی مسلمان حکمران اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا تو یا تو اس میں جہالت مانع ہو گی یا کوئی اور ایسا دنیاوی عذر مثلاً دشمن کا ڈر یا خوف وغیرہ ہو گا جو اس کے اس کفریہ فعل کو کفر حقیقی کے درجے سے نکال کر کفر مجازی اور کفر عملی میں داخل کر دے گا۔

آیت ولایت

مسلمان حکمرانوں کی تکفیر کی دوسری بڑی بنیاد یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ [13]

''اے اہل ایمان! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی رکھے گا تو وہ بھی انہی میں سے ہے۔''

اس آیت مبارکہ سے حکمرانوں کی تکفیر پر ظاہری استدلال درست نہیں ہے۔ پہلی

بات تو یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت میں یہ بات بالکل واضح طور موجود ہے کہ یہ خطاب اعتقادی منافقین سے ہے' کیونکہ اگلی آیت مبارکہ کے الفاظ ہیں:

﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَائِرَةٌ﴾ ۱۴

''پس آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ انہی یہود و نصاریٰ میں گھستے چلے جاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش دوراں نہ آ جائے۔''

اسی طرح اس سے اگلی دو آیات میں بھی منافقین ہی کا تذکرہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَهٰـؤُلَاءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ ۱۵

''اور اہل ایمان (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں: کیا یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے بارے میں سخت قسمیں کھا کر کہا تھا کہ وہ لازماً تمہارے (یعنی مسلمانوں کے) ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گئے۔ اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا (مثلاً منافق ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائیں گے جو اللہ سے محبت کرتی ہو گی اور اللہ اس سے محبت کرتے ہوں گے اور یہ قوم اہل ایمان کے لیے نرم اور کافروں پر سخت ہو گی۔''

اسی لیے امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ آیات منافقین ہی کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"غير أنه لا شك أن الآية نزلت فی منافق كان يوالی يهودا أو نصاری خوفا علی نفسه من دوائر الدهر لأن الآية التی بعده هذه تدل علی

ذلك وذلك قوله ﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَائِرَةٌ﴾." ١٦

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ آیت مبارکہ ایسے منافق کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے بارے میں آنے والے زمانے کے حالات کے خوف سے کسی یہودی یا عیسائی کو قلبی دوست بنا لیتا تھا۔اس آیت مبارکہ کے بعد والی آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے اور وہ یہ آیت ہے:﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَائِرَةٌ﴾.''

پس اب ہم اس آیت کے قطعی و ظنی مفہوم کی تنقیح کی طرف آتے ہیں۔ اگر تو حکمران اعتقادی منافق ہوں یعنی وہ یہود و نصاریٰ کے مذہب کو باطل نہیں سمجھتے یا اپنے مذہب کی حقانیت کا انہیں یقین نہیں ہے اور پھر بھی یہود و نصاریٰ سے دوستی لگاتے ہیں تو ان کی تکفیر جائز ہے۔لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ آپ کے زمانے کے اعتقادی منافقین کے عقیدے کے بارے میں تو بذریعہ وحی آپ کو علم ہو جاتا تھا لیکن آج کل کے اعتقادی منافق کے نفاق کے بارے میں علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض سلف صالحین کا کہنا یہ ہے کہ اعتقادی نفاق صرف آپ کے زمانے میں تھا' اس کے بعد عملی نفاق ہے جس کا احادیث میں تذکرہ ہے۔کیونکہ آپ کے زمانے میں عقیدے کا نفاق بذریعہ آیات قرآنیہ معلوم ہوتا تھا اور آج ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ہم کسی کے باطن میں جھانک کر یا کسی کا دل چیر کر معلوم کر سکیں کہ اس میں نفاق ہے یا نہیں۔پس ہمارے حکمرانوں پر عملی نفاق کا فتویٰ تو لگے گا کیونکہ ان میں عملی نفاق کی ساری نشانیاں پائی جاتی ہیں لیکن اعتقادی نفاق کا نہیں۔یہ بھی واضح رہے کہ بلاشبہ آج بھی اعتقادی منافق ہو سکتے ہیں لیکن بحث یہ ہو رہی ہے کہ کسی کے اعتقادی نفاق کو معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے اِلا یہ کہ وہ شخص خود بتلائے کہ میں اعتقادی منافق ہو۔پس جب کوئی حکمران یا عامی اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہو تو اس کو اعتقادی منافق قرار دینا ناممکن' ناقابل فہم اور خلاف نصوص ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ ١٧

'' جوتمہارے سامنے اپنے سلام (یعنی السلام علیکم کہے یا کلمہ شہادت) کو ظاہر کرے تو اس کو یہ نہ کہو: تم مومن نہیں ہو''۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ ان مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں صریح ہے جو حربی یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھتے ہیں اور وہ مسلمان عقیدے کے منافق بھی ہوں۔ اگر کوئی مسلمان حکمران حربی یہود و نصاریٰ سے دوستی تو رکھتا ہے لیکن ان کے مذہب کو باطل اور مذہب اسلام کو حق سمجھتا ہے تو ایسی دوستی اگر چہ حرام اور ممنوع تو ہے لیکن اس کی بنیاد پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔امام رازی الشافعی اور امام ابن عادل الحنبلی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں:

"موالاة الكافر تنقسم ثلاثة أقسام. الأول: أن يرضى بكفره' ويصوبه' ويواليه لأجله' فهذا كافر' لأنه راض بالكفر ومصوب له. الثاني: المعاشرة الجميلة بحسب الظاهر' وذلك غير ممنوع منه. الثالث: المولاة: بمعنى الركون إليهم والمعونة والنصرة إما بسبب القرابة وإما بسبب المحبة مع اعتقاد أن دينه باطل فهذا منهى عنه ولا يوجبه الكفر." ۱۸

'' کافر سے تعلق ولایت تین قسم پر ہے: پہلی قسم تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان اس کے کفر پر راضی ہو اور اس کے کفر کی تصویب کرتا ہو اور اسی وجہ سے اس سے قلبی تعلق رکھتا ہو تو ایسا شخص بھی کافر ہے کیونکہ یہ کفر پر راضی بھی ہے اور کفر کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ دوسری قسم اس تعلق کی ہے کہ جس میں کسی کافر سے ظاہری طور پر اچھے طریقے سے معاشرت اختیار کرنا مقصود ہو اور ایسا تعلق ممنوع نہیں ہے۔تیسری قسم اس تعلق کی ہے کہ جس میں کافروں پر اعتماد' ان کی اعانت اور نصرت ہو اور اس کا سبب یا تو قرابت داری ہو یا پھر ان کی محبت ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ عقیدہ بھی ہو کہ ان کا دین باطل ہے تو ایسا تعلق اگر چہ ممنوع ہے لیکن موجب کفر نہیں ہے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان ممالک کے حکمرانوں کی اکثریت یہود و نصاریٰ سے دوستیاں اس وجہ سے کرتی ہے کہ وہ ان سے ڈرتے ہیں۔یعنی یہود و نصاریٰ کی ٹیکنالوجی کا ڈر' آسائش پسندی' کاہلی و سستی' موت کا خوف اور دنیا و مال کی محبت وغیرہ ایسے امور

ہیں کہ جن کی وجہ سے مسلمان حکمران حربی یہود و نصاریٰ سے دوستی کرتے ہیں۔ پس اس صورت میں یہ حکمران فاسق و فاجر اور عملی منافق تو قرار پائیں گے لیکن ایسے کافر نہیں کہ جس کی وجہ سے وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے اپنے بچاؤ کی تدبیر کے طور پر ان سے ظاہری دوستی کی اجازت دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ [19]

''پس اہل ایمان' اہل ایمان کو چھوڑتے ہوئے کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی بھی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم (یعنی اہل ایمان) ان کافروں (کی اذیت) سے بچنا چاہو کچھ بچنا۔''

حکمرانوں کے دلوں میں کافروں اور یہود و نصاریٰ کا جو خوف بیٹھا ہوا ہے اس کے بارے میں تو یہ بحث ہوسکتی ہے کہ وہ ہونا چاہیے یا نہیں لیکن اس آیت مبارکہ کا یہ استثناء بہرحال یہود و نصاریٰ سے دوستی کی بنیاد پر حکمرانوں کی تکفیر میں ایک مانع ضرور ہے۔ اس آیت مبارکہ میں 'تقاۃ' سے مراد سلف صالحین نے تقیہ اور خوف دونوں لیے ہیں۔ امام شنقیطی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دشمن کے خوف کے سبب سے کوئی مسلمان ان سے تعلق ولایت کا اظہار کرے تو یہ جائز ہے۔ وہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

”وبين فى مو ضع آخر: أن محل ذلك' فيما إذا لم تكن الموالاة بسبب خوف وتقية وإن كانت بسبب ذلك فصاحبها معذور وهو قوله تعالى: ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ . “ [20]

''ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے یہ تعلقِ ولایت کسی خوف یا بچاؤ کے سبب سے نہ ہو' اور اگر یہود و نصاریٰ سے تعلقِ ولایت

کسی سبب کے تحت ہو تو ایسا شخص معذور ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول ہے: ''پس اہل ایمان، اہل ایمان کو چھوڑتے ہوئے کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی بھی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم (یعنی اہل ایمان) ان کافروں (کی اذیت) سے بچنا چاہو کچھ بچنا۔''

امام نسفی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''﴿إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ إلا أن تخافوا من جهتهم أمرا يجب اتقاؤه أى إلا أن يكون للكافر عليك سلطان فتخافه على نفسك ومالك فحينئذ يجوز لك إظهار الموالاة وإبطان المعاداة.'' [21]

''﴿إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ کا معنی یہ ہے کہ تمہیں ان کی طرف سے کسی ایسے امر کا اندیشہ ہو کہ جس سے بچنا لازم ہو یعنی یہ کہ کسی کافر کو تم پر غلبہ حاصل ہو اور تمہیں اس کافر سے اپنے جان اور مال کا خوف لاحق ہو تو اس وقت تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ تم کافر سے دوستی کا اظہار کرو اور اس سے دشمنی کو چھپا لو۔''

امام بیضاوی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے کہ خوف کے وقت دشمن کافر سے تعلقِ ولایت کا اظہار جائز ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''منع عن موالاتهم ظاهرا وباطنا فى الأوقات كلها إلا وقت المخافة فإن إظهار الموالاة حينئذ جائز.'' [22]

''اللہ تعالیٰ نے جمیع حالات میں کفار سے ظاہری یا باطنی تعلق ولایت قائم کرنے سے منع فرمایا ہے سوائے خوف کی حالت کے، کیونکہ اس حالت میں کافر سے تعلق ولایت کا اظہار جائز ہے۔''

یہ واضح رہے کہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ میں اصلاً مراد اعتقادی منافقین ہیں جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق سے واضح ہے اور اس آیت کا قطعی مفہوم یہی ہے، لیکن تبعاً اس خطاب میں مسلمان بھی شامل ہیں۔ پس اگر اعتقادی منافق یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھے تو اس کی تکفیر ہو گی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اگر کوئی مسلمان حربی یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھے تو پھر ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ [23] سے مراد تحذیر میں شدت (یعنی ڈرانے اور دھمکانے میں مبالغہ) ہے۔ جیسا کہ قرآن کی آیت ﴿فَمَنْ

شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ﴾ ۲۴ اور حدیث مبارکہ ((مَنْ حمل عَلَيْنَا السَّلاحَ فَلَيْسَ مِنَّا)) ۲۵ میں اصل مقصود شدت تحذیر ہے نہ کہ ملت سے اخراج۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ قال ابن عباس: يريد كأنه مثلهم وهذا تغليظ من الله وتشديد فى وجوب مجانبة المخالف فى الدين و نظيره قوله ﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّىْ﴾ .“ ۲۶

”﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ کا معنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا ہے کہ گویا کہ وہ شخص انہی یعنی کفار کی مانند ہوگا۔اور یہ اللہ کی طرف سے دین اسلام کی مخالفت کرنے والے کفار سے کنارہ کشی کے وجوب کے بارے میں ایک سختی اور شدت کا اسلوب ہے اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا قول﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّىْ﴾ ہے۔“

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے۔ ۲۷

امام نسفی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی قول کی طرف ہے۔امام صاحب﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”من جملتهم وحكمه حكمهم وهذا تغليظ من الله وتشديد فى وجوب مجانبة المخالف فى الدين .“ ۲۸

”یعنی وہ شخص من جملہ انہی میں سے ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو ان کا حکم ہے اور یہ اللہ کی طرف سے دین اسلام کی مخالفت کرنے والے کفار سے کنارہ کشی کے وجوب کے بارے میں ایک سختی اور شدت کا اسلوب ہے۔“

ابن عاشور مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس بات پر امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کافر یا غیر مسلم سے تعلقِ ولایت تو رکھتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے لیکن ان کے مذہب کو صحیح نہیں سمجھتا اور اسلام کو دین حق سمجھتا ہے تو ایسا شخص گمراہ اور ضال تو ہے لیکن بالاتفاق کافر نہیں ہے۔ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ سے مراد یا تو تحذیر وتشدید ہے یا پھر کافر کے دین کو صحیح سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ ولایت کا تعلق قائم کرنے پر یہ وعید ہے اور مختلف علماء نے اس آیت کی ان دو میں سے کوئی ایک

تاویل کی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

”﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ من شرطية تقتضى أن كل من يتولاهم يصير واحدا منهم. . .وقد تأولها المفسرون بأحد تأويلين: إما بحمل الولاية فى قوله ومن يتولهم على الولاية الكاملة التى هى الرضى بدينهم و الطعن فى دين الإسلام ولذلك قال ابن عطية: ومن تولاهم بمعتقده ودينه فهو منهم فى الكفر والخلود فى النار وأما بتاويل قوله: فإنه منهم على التشبية البليغ أى فهو كواحد منهم فى استحقاق العذاب قال ابن عطية: من تولاهم بأفعاله من العضد ونحوه دون معتقدهم ولا إخلال بالإيمان فهو منهم فى المقت والمذمة الواقعة عليهم. . .وقد اتفق علماء السنة على أن ما دون الرضا بالكفر وموالاتهم عليه من الولاية لا يوجب الخروج من الربقة الإسلامية ولكنه ضلال عظيم وهو مراتب فى القوة بحسب قوة الموالاة وباختلاف أحوال المسلمين.“ [49]

’’﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ میں ’مَنْ‘ شرطیہ ہے جو اس بات کا متقاضی ہے کہ جس نے بھی ان کفار سے تعلق ولایت قائم کیا وہ انہی میں سے ایک ہو گا...لیکن مفسرین نے اس آیت کی دو میں سے کوئی ایک تاویل کی ہے۔یا تو اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ﴾ میں ولایت سے مراد ولایت کاملہ یعنی کافروں کے دین پر راضی ہو جانا اور دین اسلام پر طعن کرنا ہے۔اسی لیے ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جس نے کفار سے تعلق ولایت اپنے عقیدے اور دین کی وجہ سے رکھا تو ایسا مسلمان کفر اور دائمی جہنمی ہونے کے اعتبار سے انہی کفار کی مانند ہے۔اس آیت کی دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ تشبیہ بلیغ ہے[تشبیہ بلیغ اس کو کہتے ہیں کہ جس میں حرف تشبیہ محذوف ہو] یعنی مراد یہ ہے کہ مسلمان عذاب کا مستحق ہونے میں انہی کفار جیسا ہے۔ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جس مسلمان نے ان کفار سے تعلق اپنے افعال مثلاً ان کی مدد و نصرت وغیرہ کے

ذریعے رکھا لیکن ان کے جیسا اس کا عقیدہ نہیں ہے اور نہ ہی ان افعال کی وجہ سے اس کا ایمان غائب ہوا ہو تو ایسا مسلمان اللہ کے اس غصے اور مذمت کا مستحق ہے جو ان کفار کے بارے میں وارد ہوئی ہے...علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب تک کفر پر رضامندی کے بغیر اور کفار سے کسی معاہدے کی بنا پر اس سے تعلق ولایت ہو تو ایسا تعلق اسلام کے دائرے سے اخراج کا باعث نہیں ہے لیکن ایک بڑی گمراہی ضرور ہے اور اس گمراہی کے مراتب بھی کفار سے تعلق ولایت کی شدت اور مسلمانوں کے احوال و ظروف کے اعتبار سے مختلف ہوں گے۔''

یہ بھی ضمناً واضح رہے کہ حربی کفار اور حربی یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعلق ولایت جائز نہیں ہے لیکن ان کے ساتھ معاہدات اور معاملات وغیرہ جائز ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ معاہدات کیے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے ساتھ تجارت کی۔اسی طرح مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ آپ کا قرض کا معاملہ چلتا رہتا تھا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوئی اور آپ ایک یہودی کے مقروض تھے۔ [30]

غیر حربی کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ احسان وحسن سلوک بھی جائز ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ [31]

'' اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ تم ان کافروں سے حسن سلوک کرو یا انصاف کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

لیکن غیر حربی کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعلق ولایت رکھنے کے بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں۔ایک قول تو یہ ہے کہ غیر حربی کفار کے ساتھ بھی تعلق ولایت رکھنا حرام ہے۔اس قول کے دلائل وہ تمام آیات ہیں کہ جن میں کفار کے ساتھ تعلق ولایت قائم کرنے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالاً وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾ ۳۲

''اے اہل ایمان! تم اپنے علاوہ [کافروں کو] رازدان نہ بناؤ جبکہ وہ تمہاری خرابی و تباہی میں کوئی کمی نہیں کرتے اور وہ چاہتے ہیں (وہ چیز) جو تمہیں مشقت میں ڈالے۔ تحقیق ان کا بغض ان کی باتوں سے ظاہر ہو گیا ہے اور جو ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ تو اس سے بھی بڑا ہے (جسے وہ ظاہر کرتے ہیں)۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَاءَ﴾ ۳۳

''اے اہل ایمان! نہ تم ان کافروں اور اہل کتاب کو قلبی دوست بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل تماشہ بنا لیا۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِيْنًا﴾ ۳۴

''اے اہل ایمان! تم اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو قلبی دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تم اللہ کے لیے اپنے خلاف کوئی واضح دلیل بناؤ۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ۳۵

''اے اہل ایمان! اپنے آباء و اجداد اور بھائیوں کو قلبی دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں۔ اور جو کوئی تم میں سے ان سے تعلق ولایت رکھے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿لاَ تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ﴾ ۳۶

''(اے نبی ﷺ!) آپ ہرگز نہ پائیں گے اس قوم کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالفین ہوں' چاہے وہ ان کے آباء و اجداد یا بیٹے یا بھائی یا خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ﴾ ۳۷

''اے اہل ایمان! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو قلبی دوست نہ بناؤ۔ تم ان کی طرف محبت و الفت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ اس کا انکار کر چکے جو ان کے پاس حق بات آ چکی۔ وہ رسول ﷺ اور تمہیں صرف اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب' اللہ پر ایمان لائے ہو۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ۳۸

''سوا اس کے نہیں اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے کہ تم ان کفار سے قلبی تعلق رکھو جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں قتال کیا اور تمہیں' تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے پر مدد کی۔ اور جو کوئی ان کفار سے تعلق و لایت قائم کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذَا قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ ۳۹

''تمہارے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو' بری ہیں۔ہم نے تمہارا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے مابین دشمنی اور بغض ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ظاہر ہوگیا یہاں تک کہ تم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاؤ۔''

جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ اس مسئلے میں تفصیل ہے۔ہمارا رجحان اسی رائے کی طرف ہے۔اس قول کے قائلین کا کہنا یہ ہے کہ جن آیات میں کفار اور یہود و نصاریٰ سے تعلق ولایت قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے' انہی آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کفار اور یہود و نصاریٰ سے مراد حربی کافر' دین اسلام کے دشمن' اسلام سے نفرت و بغض کا اظہار کرنے والے اور اسلام کا مذاق اڑانے والے ہیں۔آیت مبارکہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ۴۰ میں جن کافر رشتہ داروں سے تعلق ولایت رکھنے سے منع کیا گیا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے کفار ہیں، جیسا کہ دوسری آیت اس کی وضاحت کر رہی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾ ۴۱

اسی طرح آیت قرآنی﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ﴾ ۴۲ میں دین کا مذاق اڑانے والے کفار و اہل کتاب اور آیت قرآنی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾ ۴۳ میں دین اسلام

سے بغض کا اظہار کرنے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی سازشیں کرنے والے کفار اور آیت قرآنی ﴿یَـٰٓأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّکُمْ﴾ ۴۴ میں مسلمانوں سے جنگ اور ان پر ظلم کرنے والے کفار اور آیت قرآنی ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ کَانُوْا آبَاءَ هُمْ اَوْ اَبْنَاءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ﴾ ۴۵ میں اللہ اور اس کے رسول کے دشمن کفار اور آیت قرآنی ﴿اِنَّمَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓـئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ۴۶ میں حربی کفار اور ان کے معاونین اور آیت قرآنی ﴿قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کَفَرْنَا بِکُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ ۴۷ میں ہر ایسے مشرک سے کہ جس کا شرک صریح اور اکبر ہو اور وہ تصور توحید و وحدانیت ہی کا انکاری ہو، سے تعلق ولایت رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایسے کفار اگر قریبی رشتہ دار بھی ہوں تو پھر بھی ان سے تعلق ولایت رکھنا جائز نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یَـٰٓأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا آبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓـئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ۴۸

یہ وہ کفار تھے جو تصور توحید کے سرے ہی سے قائل نہ تھے جیسا کہ ان کا آپ پر اعتراض ہی یہ تھا کہ آپ توحید کی دعوت کیوں دیتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے اعتراض کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ ۴۹

''کیا اُس (محمد ﷺ) نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا ہے۔ بے شک یہ

تو ایک بہت ہی عجیب بات ہے۔''

اس طرح وہ فلاسفہ' دہریے اور سیکولر طبقہ جو سرے سے خدا کے وجود کا ہی قائل نہیں ہے' ان سے بھی کسی قسم کا تعلق ولایت رکھنا قرآن کی درج بالا آیات کے منشا کے خلاف ہو گا۔ اہل کتاب کی اکثریت ایسی ہے جو تصور توحید اور اللہ کی وحدانیت کے عقیدے کے تو قائل ہیں اور اپنے مذہب کو دین توحید کا نام بھی دیتے ہیں لیکن تاویلات باطلہ کے ذریعہ شرک صریح اور کفر اکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اسی طرح کا معاملہ بعض مسلمانوں کا بھی ہے۔ ایسے افراد بلاشبہ مشرک ہیں لیکن ان مشرکین سے تعلق ولایت رکھنے سے منع نہیں کیا گیا ہے کیونکہ یہ تصورِ توحید کو نظری طور پر مانتے ہیں اگرچہ بعد ازاں اس میں عملاً تاویلات کر لیتے ہیں۔ اس کی دلیل قرآن کی وہ آیت ہے کہ جس میں اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کی اجازت دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ ۵۰

''آج کے دن تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور مومن پاکدامن عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں اور اہل کتاب کی پاکدامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں جبکہ تم انہیں ان کا حق مہر دے دو۔''

جب اہل کتاب کی عورت کو بیوی بنانے کی قرآن نے اجازت دی ہے تو بیوی کے بارے میں تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سے تعلق ولایت قائم نہ ہو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ تعلق ولایت قائم نہ کرنے کا حکم ہر کافر کے بارے میں نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں ہر اس شخص سے تعلق ولایت رکھنا حرام ہے جو دین اسلام کا مذاق اڑاتا ہو جیسا کہ بعض کفار نے آپ کی تصاویر چھاپ کر آپ کا مذاق اڑانے کی کوشش کی یا وہ مسلمانوں پر ظلم کرنے والا ہو یا وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے والا ہو یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن ہو یا دین اسلام کے خلاف اپنے بغض کا اظہار کرنے والا ہے یا مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے کفار کا معاون ہو یا وہ

شرک اکبر اور شرک صریح میں مبتلا ہو اور تصورِ وحدانیت کا سرے سے ہی انکاری ہو وغیرہ۔ ایسے تمام افراد سے تعلقِ ولایت یعنی دلی محبت رکھنا کسی طور بھی جائز نہیں ہے۔

عقیدۃ الولاء والبراء

مسلمان حکمرانوں کی تکفیر کی تیسری بڑی بنیاد عقیدہ 'الولاء والبراء' ہے جس کا کسی حد تک تذکرہ سابقہ صفحات میں ہو چکا ہے' یہاں ہم اس کی مزید وضاحت بیان کر رہے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں صریح الفاظ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے دشمنوں سے قلبی محبت رکھنے' ان کو رازدان بنانے اور ان کو اپنا قریبی دوست بنانے وغیرہ سے منع فرمایا ہے۔

۱ آیت مبارکہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَّدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾ [۵۱] کے تحت کسی مسلمان کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ کسی حربی کافر کو اپنا رازدان بنائے۔

۲ آیت مبارکہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴾ [۵۲] کے تحت ایک مسلمان کے لیے کسی حربی کافر کو اپنا قلبی دوست بنانا حرام ہے۔

۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَاۗءَ﴾ [۵۳] کے تحت مذہب اسلام کا مذاق اڑانے والے یہود و نصاریٰ اور کفار سے تعلق ولایت رکھنا' ان کے ساتھ ایسے گھل مل کر رہنا جیسے مسلمانوں کے ساتھ رہا جاتا ہے' ایک مسلمان کے لیے حرام ہے۔

۴ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۗءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ﴾ [۵۴] کے تحت حربی کفار سے تعلق ولایت یا ان کی مسلمانوں کے خلاف مدد یا جاسوسی کرنا کسی بھی مسلمان کے لیے حرام ہے۔

۵ مسلمانوں کے لیے اپنے ان باپ' دادا سے بھی تعلق ولایت یعنی اہل ایمان جیسا تعلق رکھنا اور مواخات حرام ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہوں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾۔ ۵۵ ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ۵۶ ہاں ! ایسے کافر والدین سے حسن سلوک جائز ہے جیسا کہ بعض روایات میں اشارہ ہے۔ اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں' جبکہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا' آپ سے سوال کیا تو آپ نے ان سے حسن سلوک کی اجازت دی تھی۔ ۵۷

۶ مسلمانوں کے لیے حربی کفار سے کسی قسم کا بھی قلبی تعلق' محبت یا مودت رکھنا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾ ۵۸

۷ مسلمانوں کے لیے حربی کفار سے کسی قسم کا حسن سلوک کرنا بھی حرام ہے سوائے اس کے وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ ترک کر دیں یا اسلام قبول کر لیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ . اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ۵۹

۸ اگر کوئی مسلمان کسی کافر سے اس بنا پر تعلق ولایت رکھتا ہے کہ وہ اس کافر کے باطل دین پر دل سے راضی ہے یا دین اسلام کو حق دین نہیں سمجھتا تو اس عقیدے کے ساتھ یہود

و نصاریٰ سے تعلق ولایت رکھنا موجب کفر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ﴾ ۶۰ اسی طرح ارشاد فرمایا:﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَاءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَتَوَلَّھُمْ مِنکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ﴾ ۶۱

۹ مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ ایسے مشرکین اور کفار سے اعلان برات کریں جو نظری طور پر تصور توحید کے قائل نہیں ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے دعوت و تبلیغ کے بعد بھی اپنے کفر اور شرک پر مصر رہیں۔مسلمانوں پر یہ بھی واجب ہے کہ اللہ کا پیغام پہنچانے اور کوئی حجت باقی نہ رہ جانے کے بعد ان مشرکین اور کفار کے ساتھ اپنے دل میں بغض' نفرت اور عداوت رکھیں یہاں تک کہ وہ اپنے کفر اور شرک سے باز آ جائیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اِذَا قَالُوْا لِقَوْمِھِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ﴾ ۶۲

۱۰ اگر کوئی مسلمان مذکورہ بالا احکامات پر عمل نہیں کرتا اور حربی کفار کے دین کو غلط اور اپنے دین کو حق سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ تعلق ولایت قائم کرتا ہے تو ایسا شخص گمراہ' فاسق و فاجر اور ضال تو ہے لیکن دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہے اور اس پر تقریباً تمام علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے۔ابن عاشور مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقد اتفق علماء السنة على أن ما دون الرضا بالكفر وممالاتهم عليه من الولاية لا يوجب الخروج من الربقة الإسلامية ولكنه ضلال عظيم وهو مراتب فى القوة بحسب قوة الموالاة وباختلاف أحوال المسلمين." ۶۳

''علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب تک کفر پر رضامندی کے بغیر اور کفار سے کسی معاہدے کی بنا پر اس سے تعلق ولایت ہو تو ایسا تعلق اسلام کے دائرے سے اخراج کا باعث نہیں ہے لیکن ایک بڑی گمراہی ضرور ہے اور اس گمراہی کے مراتب بھی کفار سے تعلق ولایت کی شدت اور مسلمانوں کے احوال و

ظروف کے اعتبار سے مختلف ہوں گے۔"

مذکورہ بالا آیات میں سے کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جو حربی کفار کے ساتھ دوستی رکھنے والے مسلمانوں کو کافر قرار دیتی ہے بلکہ ان آیات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ایسے فعل کے مرتکب مسلمان گمراہ' ایک حرام فعل کے مرتکب اور ظالم ہیں۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ محض کفار سے دوستی رکھنے سے ایک مسلمان کافر ہو جاتا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفر میں داخل ہونے کے بعد وہ کیا چیز ہے جو انہیں اسلام میں داخل کرے گی؟ ظاہری بات ہے کہ وہ کلمہ شہادت ہے اور اس کلمے کا ورد تو وہ بدستور کر رہے ہیں لہٰذا کفر میں داخل ہونے کے بعد پھر مسلمان ہو گئے ہیں۔ دوسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ غیر شرعی قانون وضع کرنا یا ان کو نافذ کرنا یا ان کے مطابق فیصلے کرنا یا حربی کفار سے دوستیاں کرنا وغیرہ یہ مقتدر طبقے سے متعلق ایک محدود جماعت کا تو جرم ہے لیکن ایک عام سکیورٹی اہلکار یا سرکاری ملازم کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اسے سرکار کی خدمت کے عوض دو وقت کی روٹی میسر ہو۔

*****

مصادر ومراجع

١۔ المائدة: ٥ : ٤٤

٢۔البخاری محمد بن إسماعيل الجعفی، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لايشعر، دار طوق النجاة، الطبعة الأولى، ١٤٢٢هـ، ١/ ١٩، رقم الحديث: ٤٨

٣۔الترمذی محمد بن عيسیٰ أبو عيسیٰ، سنن الترمذی، أبواب النذور والأيمان، باب ما جاء فی كراهية الحلف بغير الله، مكتبة ومطبعة مصطفى البابی الحلبی، مصر، الطبعة الثانية، ١٩٧٥ء، ٤/ ١١٠، رقم الحديث: ١٥٣٥

٤۔أحمد بن حنبل الإمام، مسند أحمد، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، ٢٠٠١ء، ١٥/ ٣٣١

٥۔أبو داؤد سليمان بن أشعث، سنن أبی داؤد، كتاب السنة، باب فی رد الإرجاء،

المکتبة العصرية، بيروت، ٤/ ٢١٩
٦۔صحيح البخارى، كتاب الأدب، باب من كفر أخاه بغير تأويل فهو كما قال، ٨/ ٢٦
٧۔صحيح البخارى، كتاب الفتن، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم وسلم لا ترجعوا بعدى كفارا، ٩/ ٥٠
٨۔صحيح البخارى، كتاب المظالم والغصب، باب النهى بغير إذن صاحبه، ٣/ ١٣٦
٩۔ابن أبى العز الحنفى،شرح الطحاوية فى العقيدة السلفية، الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد،الرياض،١٣١٤هـ، ص ٣٠١۔٣٠٤
١٠۔أيضاً: ص ٣٠٤۔٣٠٥
١١۔الحاكم أبو عبد الله محمد بن عبد الله، المستدرك على الصحيحين، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٩٩٠ء، ٢/ ٣٤٢
١٢۔أيضاً
١٣۔المائدة: ٥: ٥١
١٤۔المائدة: ٥: ٥٢
١٥۔المائدة : ٥: ٥٣۔٥٤
١٦۔الطبرى محمد بن جرير بن يزيد بن كثير الإمام، جامع البيان فى تأويل القرآن المعروف بتفسير الطبرى : المائدة : ٥١، الطبعة الأولى، مؤسسة الرسالة، ٢٠٠٠ء، ١٠/ ٣٩٩
١٧۔النساء: ٤: ٩٤
١٨۔ابن عادل الحنبلى أبو حفص سراج الدين عمر بن على، اللباب فى علوم الكتاب: آل عمران: ٢٨، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٩٩٨ء، ٥/ ١٤٣؛ الرازى فخر الدين محمد بن عمر، مفاتيح الغيب المعروف بتفسير الرازى: آل عمران: ٢٨، دار الكتب العلمية، بيروت، ٢٠٠٠ء، ٨/ ١١
١٩۔آل عمران: ٣: ٢٨

٢٠۔الشنقيطى محمد الأمين بن محمد المختار، أضواء البيان فى إيضاح القرآن بالقرآن : المائدة : ٥١، دار الفكر، بيروت، ١٩٩٥ء، ١/ ٤١٣
٢١۔النسفى أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود، مدارك التنزيل وحقائق التأويل المعروف بتفسير النسفى : آل عمران : ٢٨، دار الكلم الطيب، بيروت، الطبعة الأولى، ١٩٩٨ء، ١/ ٢٤٨
٢٢۔البيضاوى أبو الخير ناصر الدين عبد الله بن عمر بن محمد، أنوار التنزيل وأسرار التأويل المعروف بتفسير البيضاوى : آل عمران : ٢٨، دار الفكر، بيروت، ٢/ ٢٦
٢٣۔ المائدة : ٥ : ٥١
٢٤۔ البقرة : ٢ : ٢٤٩
٢٥۔صحيح البخارى، كتاب الديات، باب قول الله تعالى ومن أحياها، ٩/ ٤، رقم الحديث: ٦٨٧٤
٢٦۔تفسير الرازى : المائدة : ٥١، ١٢/ ١٥
٢٧۔تفسير البيضاوى : المائدة : ٥١، ٢/ ٣٣٤
٢٨۔تفسير النسفى : المائدة : ٥١، ١/ ٤٥٣
٢٩۔ابن عاشور المالكى محمد الطاهر بن محمد بن محمد الطاهر، التحرير والتنوير : المائدة : ٥١، مؤسسة التاريخ العربى، بيروت، الطبعة الأولى، ٢٠٠٠ء، ٥/ ١٣٠
٣٠۔صحيح البخارى، كتاب الرهن، باب من رهن درعه، ٣/ ١٤٢، رقم الحديث: ٢٥٠٩
٣١۔الممتحنة : ٦٠ : ٨
٣٢۔آل عمران : ٣ : ١١٨
٣٣۔المائدة : ٥ : ٥٧
٣٤۔النساء : ٤ : ١٤٤
٣٥۔التوبة : ٩ : ٢٣
٣٦۔المجادلة : ٥٨ : ٢٢

٣٧۔الممتحنة : ٦٠ : ١
٣٨۔الممتحنة : ٦٠ : ٩
٣٩۔الممتحنة : ٦٠ : ٤
٤٠۔التوبة : ٩ : ٢٣
٤١۔المجادلة : ٥٨ : ٢٢
٤٢۔المائدة : ٥ : ٥٧
٤٣۔آل عمران : ٣ : ١١٨
٤٤۔الممتحنة : ٦٠ : ١
٤٥۔المجادلة : ٦٠ : ٢٢
٤٦۔الممتحنة : ٦٠ : ٩
٤٧۔الممتحنة : ٦٠ : ٤
٤٨۔التوبة : ٩ : ٢٣
٤٩۔ص : ٣٨ : ٥
٥٠۔المائدة : ٥ : ٥
٥١۔آل عمران : ٣ : ١١٨
٥٢۔النساء : ٤ : ١٤٤
٥٣۔المائدة : ٥ : ٥٧
٥٤۔الممتحنة : ٦٠ : ١
٥٥۔المجادلة : ٥٨ : ٢٢
٥٦۔التوبة : ٩ : ٢٣
٥٧۔ابن هشام عبد الملك بن هشام بن أيوب المعافری، السيرة النبوية، دار الجيل، بيروت، ١٤١١هـ، ٥/ ٥٠
٥٨۔المجادلة : ٥٨ : ٢٢
٥٩۔الممتحنة : ٦٠ : ٨۔ ٩
٦٠۔الممتحنة : ٦٠ : ١٣
٦١۔المائدة : ٥ : ٥١

٦٢۔الممتحنة : ٦٠ : ٤

٦٣۔التحرير والتنوير : المائدة : ٥١ ، ٥/ ١٣١

*****

باب چہارم

خروج کی شرعی بنیادیں

باب چہارم

خروج کی شرعی بنیادیں

مذہبی طبقات اور حلقوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاصر حکمران فاسق و فاجر، ظالم اور کرپٹ ہیں۔ صدر آصف علی زرداری کی www.youtube.com ویب سائیٹ پر ایسی ویڈیوز موجود ہیں کہ جن کے بارے ناقدین کا دعویٰ ہے کہ وہ شراب پی رہے ہیں۔ [1] اسی ویب سائیٹ پر یوسف رضا گیلانی کی بھی ایسی ویڈیوز موجود ہیں کہ جن میں انہیں شیری رحمان کے ساتھ غیر شرعی حرکات کرتے دکھایا گیا ہے۔ [۲] اسی طرح کی ویڈیوز سلمان تاثیر اور بلاول بھٹو زرداری کی غیر شرعی حرکات کے بارے میں بھی موجود ہیں۔ ہر شخص اس ویب سائیٹ پر ان حضرات کے نام پر یہ ویڈیوز تلاش کر کے دیکھ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے فسق و فجور، ظلم وستم اور کرپشن کے بارے اخباری کالم نگاروں اور ٹیلی ویژن اینکر پرسنز نے اس قدر مواد الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں جمع کر دیا ہے کہ کسی صاحب بصیرت کے لیے اس دعوے کا انکار ممکن نہیں ہے۔

فاسق حکمرانوں کے خلاف خروج

پس ایسے حکمرانوں کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے لیکن اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین کے مطابق کسی فاسق و فاجر مسلمان حکمران کے خلاف خروج حرام ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کا اجتماعی ضرر اور فتنہ وفساد ہے۔ اگرچہ فاسق و فاجر حکمران کی حکمرانی میں بھی اجتماعی ضرر اور فتنہ ہوتا ہے لیکن وہ اس کے خلاف خروج کے ضرر اور فتنہ سے کم ہوتا ہے۔ ہاں اگر کسی پُر امن طریقے مثلاً احتجاجی سیاست وغیرہ سے ان حکمرانوں کی معزولی اور ان کی جگہ اہل عدل کی تقرری ممکن ہو تو پھر ان کی معزولی اور امامت کے اہل افراد کی اس منصب پر تقرری بھی اُمت مسلمہ کا ایک فریضہ ہو گی۔ فاسق و فاجر حکمرانوں کے خلاف خروج کے عدم جواز کے لیے اہل علم کی جماعت کی طرف سے درج ذیل دلائل نقل کیے جاتے ہیں۔

احادیث مبارکہ اور خروج

آپ کا ارشاد ہے:

① ((ألا من ولی علیه وال فرآه یأتی شیئاً من معصیة الله فلیکره ما یأتی من معصیة الله ولا ینزعن یدا من طاعة)) ❸

”خبردار! جس پر بھی کوئی امیر مقرر ہوا اور وہ اس امیر میں اللہ کی معصیت پر مبنی کوئی کام دیکھے تو وہ امیر کے گناہ کو تو ناپسند کرے لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔“

② ((من کره من أمیره شیئا فلیصبر علیه فإنه لیس من أحد من الناس یخرج من السلطان شبرا فمات علیه إلا مات میتة جاهلیة)) ❹

”جسے اپنے امیر میں کوئی برائی نظر آئے تو وہ اس پر صبر کرے کیونکہ کوئی بھی شخص جب حکمران کی اطاعت سے ایک بالشت برابر بھی نکل جاتا ہے اور اسی عدم اطاعت پر اس کی موت واقع ہو جاتی ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔“

③ ((ومن خرج علی أمتی یضرب برها وفاجرها ولا یتحاش عن مؤمنها ولا یفی لذی عهد عهده فلیس منی ولست منه)) ❺

”اور جو شخص بھی میری امت پر خروج کرے اور اس کے نیک و بدکار دونوں کو مارے اور امت کے مومنین کو بھی اذیت دینے سے نہ بچے اور نہ ہی کسی ذمی کے عہد کا لحاظ کرے تو نہ تو ایسے شخص کا مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی میرا اس سے کوئی تعلق۔“

④ ((مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا)) ❻

”جس نے ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھائے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

⑤ ((سباب المسلم فسوق وقتاله کفر)) ❼

” کسی مسلمان کو گالی دینا فسق و فجور ہے اور اس کا قتل کفریہ فعل ہے۔“

⑥ ((إذا التقی المسلمان بسیفیهما فالقاتل والمقتول فی النار)) ❽

”جب دو مسلمان آپس میں اپنی تلواروں (ہتھیاروں) سے آمنے سامنے ہوں تو قاتل ومقتول دونوں آگ میں ہوں گے۔“

۷ ((لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض)) ۹
"تم میرے بعد کافر مت بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جانا۔"

۸ ((عن عدیسة بنت إهبان بن صیفی الغفاری قالت: جاء علی بن أبی طالب إلی أبی فدعاه للخروج معه' فقال له أبی: إن خلیلی وابن عمك عهد إلی إذا اختلف الناس أن اتخذ سیفا من خشب فقد اتخذته فإن شئت خرجت به معك قالت: فترکه)) ۱۰

" عدیسہ بنت اہبان رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے والد صاحب کے پاس آئے اور انہیں اپنے ساتھ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بالمقابل جنگ میں) نکلنے کی دعوت دی۔تو میرے والد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: بے شک میرے خلیل اور آپ کے چچازاد (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ جب مسلمانوں میں باہمی اختلاف ہو جائے تو تم لکڑی کی ایک تلوار بنا لینا۔پس میں نے لکڑی کی ایک تلوار بنا لی ہے۔اگر آپ چاہتے ہیں تو میں اس تلوار کے ساتھ آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔عدیسہ بنت اہبان رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں: اس بات پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میرے والد کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا۔"

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو 'حسن صحیح' کہا ہے۔ ۱۱

۹ ((کسروا فیها قسیکم وقطعوا أوتارکم واضربوا بسیوفکم الحجارة فإن دخل علی أحدکم فلیکن کخیر ابنی آدم)) ۱۲

"فتنوں کے زمانے میں اپنی کمانیں توڑ دو۔اور ان کی تانتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔اور اپنی تلواریں پتھروں پر دے مارو۔پس اگر تم میں کسی ایک پر کوئی چڑھائی کرے تو وہ آدم کے دو بیٹوں میں سے بہترین کی مانند ہو جائے۔"

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو 'صحیح' کہا ہے۔ ۱۳ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اس بھائی کی مانند ہو جانا کہ جس نے قتل ہونا تو پسند کر لیا تھا لیکن اپنے بھائی کو قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (۲۸) اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ (۲۹)﴾ ۱۴

''البتہ اگر تو نے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تا کہ تو مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں تا کہ میں تجھے قتل کروں۔ بے شک میں تمام جہانوں کے رب سے ڈرنے والا ہوں۔ بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ تم (یعنی قاتل) میرے اور اپنے گناہوں کے ساتھ لوٹ جاؤ اور اس کے سبب سے جہنم والوں میں سے ہو جاؤ اور یہی ظالموں کا بدلہ ہے۔''

۱۰ ((وإن الله ليؤيد هذاالدين بالرجل الفاجر)) ۱۵

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کی تائید و نصرت فاسق و فاجر آدمی کے ذریعے کرتا ہے۔''

۱۱ ((كان الناس يسألون رسول الله ﷺ الخير وكنت أسأله عن الشر مخافه أن يدركنى فقلت يا رسول الله ﷺ إنا كنا فى جاهلية وشر فجاء نا الله بهذا الخير فهل بعد هذا الخير من شر قال نعم فقلت وهل بعد ذلك الشر من خير قال نعم وفيه دخن قلت وما دخنه قال قوم يهدون بغير هديى تعرف منهم وتنكر قلت فهل بعد ذلك الخير من شر قال نعم دعاة على أبواب جهنم من أجابهم إليها قذفوه فيها قلت يا رسول الله صفهم لنا قال هم من جلدتنا ويتكلمون بألستنا قلت فما تأمرنى إن أدركنى ذلك قال تلزم جماعة المسلمين وإمامهم فقلت فان لم يكن لهم جماعة والإمام قال فاعتزل الفرق كلها ولو أن تعض بأصل شجرة حتى يدركك الموت وأنت على ذلك)) ۱۶

''لوگ اللہ کے رسول ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھتے تھے اور میں اس ڈر سے شر

کے بارے میں سوال کرتا تھا کہ وہ مجھے پا نہ لے۔میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: ہم زمانہ جاہلیت اور شر میں مبتلا تھے۔پس آپ ہمارے پاس یہ خیر لے کر آئے۔کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہوگا؟ تو آپ نے کہا: ہاں! میں نے پھر کہا: اس شر کے بعد کیا پھر کوئی خیر ہوگا تو آپ نے کہا: ہاں! لیکن اس میں ملاوٹ ہوگی۔میں نے یہ سوال کیا کہ اس کی ملاوٹ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک ایسی قوم ہوگی جو میری ہدایت کے مطابق ہدایت حاصل نہیں کریں گے۔تم ان کے بعض اعمال کو ناپسند کرو گے اور بعض کو پسند۔میں نے کہا: کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہے؟ تو آپ نے کہا: ہاں! ایسے داعی ہوں گے جو جہنم کے دروازوں کی طرف بلا رہے ہوں گے۔جس نے بھی ان کی دعوت پر لبیک کہا وہ اسے جہنم میں پھینک دیں گے۔میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ان کی صفات بیان کریں۔آپ نے فرمایا: وہ ہمارے جیسے چمڑے رکھتے ہوں گے اور ہماری زبانوں میں ہی گفتگو کریں گے۔ میں نے کہا: اگر مجھے یہ فتنہ پالے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑ لو۔میں نے کہا: اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت اور امام نہ ہو؟ تو آپ نے کہا: پھر تمام فرقوں سے علیحدہ رہو اگرچہ تمہیں درخت کی جڑ چبا کر گزارہ کرنا پڑے یہاں تک کہ موت تمہیں پالے اور تم اسی حالت پر ہو۔''

اجماع امت کا دعویٰ

امام نووی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ فاسق و فاجر حکمران کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔وہ فرماتے ہیں:

”وأما الخروج عليهم وقتالهم فحرام باجماع المسلمين وإن كانوا فسقة ظالمين وقد تظاهرت الأحاديث على ما ذكرته وأجمع أهل السنة أنه لاينعزل السلطان بالفسق.“ [17]

''اور جہاں مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج اور ان سے قتال کا معاملہ ہے تو وہ بالاجماع حرام ہے اگرچہ وہ حکمران فاسق و فاجر اور ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔اس

مسئلے میں وارد شدہ روایات بہت زیادہ ہیں جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے۔اہل سنت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ حکمران فسق و فجور کی وجہ سے امامت سے معزول نہیں ہوتا۔‘‘

بعض اہل علم نے یہ سوال پیدا کیا کہ بعض سلف صالحین مثلاً حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی تو مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج کیا اور ان کے بعد بھی بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں خروج ہوتے رہے تو اجماع کا دعویٰ کیسے ممکن رہا؟ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ شروع میں اس مسئلے میں سلف صالحین میں اختلاف تھا لیکن جب اہل علم نے بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں امت مسلمہ میں ہونے والے خروج کے مفاسد دیکھے تو بعد کے زمانوں میں ان کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ فاسق و فاجر حکمران کے خلاف خروج سداً للذریعہ حرام ہے۔دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بنوامیہ کے بعض حکمرانوں کے خلاف جو خروج تھا وہ مجرد فسق کی بنا پر نہیں تھا بلکہ ان پر دین کو تبدیل کرنے اور کفر کا الزام بھی لگایا گیا تھا۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وقال جماهير أهل السنة من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين لاينعزل بالفسق والظلم وتعطيل الحقوق ولا يخلع ولا يجوز الخروج عليه بذلك بل يجب وعظه وتخويفه للأحاديث الواردة فى ذلك قال القاضى وقد ادعى أبوبكر بن مجاهد فى هذا الإجماع وقد رد عليه بعضهم هذا بقيام الحسين والزبير وأهل المدينة على بنى أمية وبقيام جماعة عظيمة من التابعين والصدر الأول على الحجاج مع بن الأشعث. . .وحجة الجمهور أن قيامهم على الحجاج ليس بمجرد الفسق بل لما غير من الشرع وظاهر من الكفر قال القاضى وقيل أن هذا الخلاف كان أولا ثم حصل الإجماع على منع الخروج عليهم." (18)

’’جمہور اہل سنت یعنی فقہاء، محدثین اور متکلمین کا موقف یہ ہے کہ حکمران فسق و فجور یا ظلم یا حق تلفی کی بنا پر معزول نہیں ہوتا اور نہ ہی ان اسباب کی وجہ سے اسے

حکمرانی سے اتارا جائے گا اور نہ ہی اس وجہ سے اس کے خلاف خروج جائز ہو گا بلکہ اس کو وعظ ونصیحت کرنا اور اس کو اللہ کا خوف دلانا ایک شرعی فریضہ ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ابوبکر بن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور ان کے اس دعویٰ اجماع کا رد یوں کیا گیا ہے کہ حضرت حسین' حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور اہل مدینہ نے بنوامیہ کے حکمرانوں کے خلاف خروج کیا۔اسی طرح صدر اول میں تابعین کی ایک عظیم جماعت نے اُشعث کے ساتھ حجاج کے خلاف خروج کیا...جبکہ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حجاج کے خلاف اِن سلف صالحین کا خروج صرف فسق وفجور کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ اس نے شریعت اسلامیہ کو تبدیل کر دیا تھا اور کفر کی تائید کی تھی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اختلاف شروع میں تھا جبکہ بعد کے زمانوں میں ایسے حکمرانوں کے خلاف خروج کے عدم جواز پر اجماع ہو گیا۔''

اہل علم کے نزدیک اس مسئلے میں اجماع کا دعویٰ درست نہیں ہے اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمہور اہل علم کا موقف یہ ہے کہ فاسق و فاجر حکمران کے خلاف خروج حرام ہے اور اس موقف کے دلائل ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔

مصلحت وحکمت

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس عدم خروج کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسے خروج سے حاصل ہونے والا فتنہ وفساد' اس حکمران کے ذاتی فسق و فجور سے کئی گنا بڑا ہوتا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"لا يجوز إنكار المنكر بما هو أنكر منه ولهذا حرم الخروج على ولاة الأمر بالسيف لأجل المعروف والنهى عن المنكر لأن ما يحصل بذلك من فعل المحرمات وترك واجب أعظم مما يحصل بفعل المنكر والذنوب والأئمة لا يقاتلون بمجرد الفسق كالزنا وغيره فليس كلما جاز فيه القتل جاز أن يقاتل الأئمة لفعلهم إياه إذ

فساد القتال أعظم من فساد کبیرة یرتکبها ولی الأمر .» ۱۹

''کسی منکر کا انکار اس سے بڑے منکر سے جائز نہیں ہے۔اسی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی غرض سے حکمرانوں کے خلاف تلوار سے خروج حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس قسم کے خروج سے جن محرمات کا ارتکاب اور فرائض کا ترک لازم آئے گا' وہ ان حکمرانوں کے منکرات اور گناہوں سے بڑے ہوں گے۔حکمرانوں سے صرف ان کے فسق و فجور مثلاً زنا وغیرہ کی وجہ سے قتال نہیں کیا جائے گا۔پس ہر وہ گناہ کہ جس کے مرتکب کا قتل جائز ہے' اس گناہ کے ارتکاب پر حکمرانوں سے قتال جائز نہیں ہو گا کیونکہ حکمرانوں سے قتال کا فساد اس گناہ سے بہت بڑھ کر ہے کہ جس کا ارتکاب حکمران کرتا ہے۔''

پس اہل علم کے نزدیک ایسے حکمرانوں کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے لیکن اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین کے مطابق ان سے قتال جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کا اجتماعی ضرر اور بڑے پیمانے پر فتنہ و فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں اگر کسی پُر امن طریقے مثلاً احتجاجی سیاست وغیرہ سے ان حکمرانوں کی معزولی اور ان کی جگہ اہل عدل کی تقرری ممکن ہو تو پھر ان کی معزولی اور امامت کے اہل افراد کی اس منصب پر تقرری بھی عامۃ الناس کا ایک بنیادی فریضہ ہو گی۔

ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج

اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمان ممالک میں حکمران طبقہ اور ان کے احکامات کی تنفیذ کرنے والی سکیورٹی فورسز' ایجنسیاں اور انتظامیہ ظلم کرتی ہے۔ان کے ظلم وستم کی داستانوں سے ڈیلی اخبارات اور نیوز چینلز بھرے پڑے ہیں۔ ایسا بھی دیکھنے میں آیا کہ چند امریکی ڈالروں کے عوض ہمارے ہاں سے بے گناہ افراد کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا گیا جیسا کہ ترک باشندے 'مراد کرناز' کی عبرت ناک داستان بعنوان ''جب مجھے تین ہزار ڈالر میں امریکیوں کے ہاتھ فروخت کیا گیا'' ماہنامہ اردو ڈائجسٹ فروری ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی۔آج اگر کوئی شہری لٹ جائے تو انصاف ملنا تو دور کی بات، ایف آئی آر تک کٹوانے کے لیے پولیس والوں کو رشوت دینا پڑتی ہے۔ ہائی کورٹ کے سامنے قتل ہو جائے تو فیصلہ کہیں دوسری نسل جا کر سنتی ہے۔ عدالت میں کوئی الزام ثابت

کیے بغیر معصوم شہریوں کو غائب کر دیا جاتا ہے۔ مدرسے کی معصوم بچیوں پر آگ و بارود کی بارش برسائی جاتی ہے۔ حالیہ سوات آپریشن میں سکیورٹی فورسز کی طرف سے معصوم شہریوں کو کس قدر بے دردی سے ہلاک کیا گیا اس کے لیے ۲۸ مئی ۲۰۰۹ء کے روزنامہ جنگ میں معروف کالم نگار حامد میر کا کالم ''رحمانی بخش کے دل کی آگ کون بجھائے؟'' ملاحظہ فرمائیں۔ اسی طرح معاصر حکمرانوں اور سیاسی لیڈروں کی کرپشن کے بارے میں تحقیقاتی رپورٹس کی ایک پوری لائبریری موجود ہے۔

بہرحال ان حالات میں حکمرانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے اور اس بارے درج ذیل نکات قابل غور ہیں:

❶ ظالم حکمران ایسے شخص کو قتل کر دے جو ان کو ظلم وستم سے روکتا ہو تو یہ شہداء کے سرداروں میں سے ہے۔آپ کا ارشاد ہے:

((سید الشهداء حمزة بن عبد المطلب ورجل قام إلى إمام جائر فأمره ونهاه فقتله)) [20]

''شہداء کے سردار حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جس نے ظالم حکمران کے خلاف کلمہ حق کہا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا اور اس کی وجہ سے حکمران نے اس کو قتل کر دیا۔''

اگر کوئی شخص حکمران کو اس ظلم وستم سے روکتا ہے تو آپ نے اس کو افضل جہاد قرار دیا ہے۔آپ کا ارشاد ہے:

((أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر)) [21]

''افضل جہاد ظالم حکمران کے خلاف کلمہ حق کہنا ہے۔''

❷ اسی طرح اگر کوئی حاکم کسی شخص کو معصیت مثلاً کسی مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دے تو اس مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ حکمران کی بات مانے۔آپ کا ارشاد ہے:

((على المرء المسلم السمع والطاعة فيما أحب وكره إلا أن يؤمر بمعصية فإن أمر بمعصية فلا سمع ولاطاعة)) [22]

''ایک مسلمان کے ذمے اپنے حکمرانوں کی سمع وطاعت ہے چاہے وہ پسند کرے یا نہ کرے سوائے اس کہ اسے (حکمران کی طرف سے) کسی معصیت کا حکم دیا

جائے۔ پس اگر اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو اس کے ارتکاب میں حکمران کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔''

۱۳ ڈاکٹر یوسف القرضاوی حفظہ اللہ کے نزدیک ایسے ظالم حکمرانوں کے خلاف 'پُر امن خروج' جائز ہے یعنی وہ خروج جو قلم یا زبان یا پُر امن طریقے پر مبنی ہو۔ وہ فرماتے ہیں:

"وأما إن كان الخروج بمجرد إظهار رأى مخالف والتعبير عنه باللسان أو القلم فهذا من المعارضة المشروعة ما دامت فى إطار المسلم ولا يجوز معارضة القلم أو اللسان بالسيف وإنما تقابل الحجة بالحجة والفكرة بالفكرة." [۲۳]

''اور اگر خروج کی صورت صرف یہ ہو کہ حکمرانوں کی رائے کے خلاف رائے کا اظہار زبان اور قلم کے ذریعے ہو تو حکمرانوں سے ایسا اختلاف کرنا مشروع ہے جب تک کہ مسلمانی کے دائرے میں ہو۔ قلم اور زبان کا مقابلہ تلوار سے جائز نہیں ہے۔ دلیل کا مقابلہ دلیل سے اور فکر کا فکر سے کیا جائے گا۔''

پس اگر کسی ظالم و غاصب حکمران کی معزولی اور اس کی جگہ کسی عادل حکمران کی تقرری بغیر کسی فتنے کے مثلاً پُر امن خروج یا احتجاجی سیاست سے ممکن ہو تو یہ امت مسلمہ کا ایک اجتماعی فریضہ ہے۔ ابن تین' داؤدی رحمہما اللہ سے نقل کرتے ہیں:

"الذى عليه العلماء فى أمراء الجور أنه إن قدر على خلعه بغير فتنة ولا ظلم وجب وإلا فالواجب الصبر." [۲۴]

''ظالم حکمرانوں کے بارے میں علماء کا قول یہ ہے کہ اگر بغیر فتنے و فساد اور ظلم کے حکمرانوں کو معزول کرنے کی قدرت و طاقت ہو تو ایسا کرنا واجب ہے اور اگر بغیر فتنے و فساد کے یہ ممکن نہ ہو تو پھر صبر کرنا واجب ہے۔''

۱۴ جمہور اہل سنت کے نزدیک ظالم حکمران کے خلاف مسلح بغاوت یا خروج جائز نہیں ہے۔ ان کے نزدیک اس کے دلائل درج ذیل احادیث ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

((يكون بعدى أئمة لا يهتدون بهداى ولا يستنون بسنتى وسيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين فى جثمان إنس قال حذيفة:

قلت: کیف أصنع یا رسول اللہ؟ إن أدرکت ذلك؟ قال: تسمع وتطیع وإن ضرب ظھرك وأخذ مالك فاسمع وأطع)) ❖٢٥

''میرے بعد کچھ حکمران ایسے ہوں گے جو میری ہدایت کے مطابق ہدایت نہیں حاصل کریں گے اور میری سنت کو اپنا طریقہ نہیں بنائیں گے اور انہی حکمرانوں میں ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ ان کے دل' انسانوں کے اجسام میں شیاطین کے دل ہوں گے۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! میں اگر ان حکمرانوں کو پا لوں تو کیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا: ان کی بات سن اور ان کی اطاعت کر' اگرچہ تیری پیٹھ پر کوڑے برسائے جائیں اور تیرا مال چھین لیا جائے تو پھر بھی [معروف میں] ان کی بات مان اور اطاعت کرتا رہ۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے آپ سے سوال کیا:

((یا نبی اللہ أرأیت إن قامت علینا أمراء یسألوننا حقھم ویمنعوننا حقنا فما تأمرنا؟ فأعرض عنه ثم سأله فأعرض عنه ثم سأله فی الثالثة فجذبه الأشعث بن قیس فقال ﷺ اسمعوا و أطیعوا فإنما علیھم ما حملوا و علیکم ما حملتم)) ❖٢٦

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! اگر ہم پر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں جو ہم سے تو اپنے حقوق کا سوال کریں لیکن ہمیں ہمارے حقوق نہ دیں تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے اس صحابی کے سوال سے اعراض کیا۔انہوں نے پھر سوال کیا۔آپ نے پھر اعراض کیا۔انہوں نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نامی صحابی نے سائل کو پیچھے سے کھینچا۔پس آپ نے فرمایا: تم سنو اور اطاعت کرو۔ان حکمرانوں پر محض اس کو پورا کرنا لازم ہے جس کے وہ ذمہ دار بنائے گئے (یعنی عوام کے حقوق پورا کرنا ان کی ذمہ داری ہے) اور تم پر اس کو پورا کرنا لازم ہے جس کے تم ذمہ دار بنائے گئے (یعنی حکمرانوں کے حقوق پورا کرنا تمہاری ذمہ داری ہے)۔''

❺ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ ظالم حکمران کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"وأما الخروج عليهم وقتالهم فحرام باجماع المسلمين وإن كانوا فسقة ظالمين وقد تظاهرت الأحاديث على ما ذكرته وأجمع أهل السنة أنه لاينعزل السلطان بالفسق." [27]

''اور جہاں تک مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج اور ان سے قتال کا معاملہ ہے تو وہ بالاجماع حرام ہے اگرچہ وہ حکمران فاسق و فاجر اور ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔اس مسئلے میں وارد شدہ روایات بہت زیادہ ہیں جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے۔اہل سنت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ حکمران فسق و فجور کی وجہ سے امامت سے معزول نہیں ہوتا۔''

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اجماع کو بیان کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"فی الحديث حجة فی ترك الخروج على السلطان ولوجار وقد أجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وأن طاعته خير من الخروج عليه لما فی ذلك من حقن الدماء وتسكين الدهماء." [28]

''اس روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ حکمرانوں کے خلاف خروج حرام ہے اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بزور شمشیر غالب آنے والے حکمران کی اطاعت میں اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا واجب ہے۔اور اس کی اطاعت اس کے خلاف خروج سے بہت بہتر ہے کیونکہ اس اطاعت کے ذریعے بہت سا خون گرنے سے بچایا اور باہمی اختلاف کرنے والی جماعتوں کو سکون میں لایا جا سکتا ہے۔''

ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اجماع کو بیان کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"وأجمعوا على السمع والطاعة لأئمة المسلمين وعلى أن كل من ولی شيئا من أمورهم عن رضى أو غلبة وامتدت طاعته من بر أو فاجر لا يلزم الخروج عليه بالسيف جار أو عدل." [29]

''علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان حکمرانوں کی سمع و طاعت فرض ہے۔اور جو شخص بھی مسلمانوں کی رضامندی یا بزور بازو ان کا حکمران بن گیا اور اس کی

اطاعت نیک و بد تک پھیل گئی تو ایسے حکمران کے خلاف تلوار سے خروج جائز نہیں ہے' چاہے وہ ظلم کرے یا عدل۔''

یہ واضح رہے کہ مالکیہ اورشوافع کی اکثریت اشعری ہے۔ابو عثمان صابونی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سلف صالحین اور محدثین کا عقیدہ بھی قرار دیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"ولایرون الخروج علیهم بالسیف وإن رأوا منهم العدول عن العدل والجور والحیف." ۳۰

''محدثین کی جماعت مسلمان حکمرانوں کے خلاف تلوار سے خروج کو جائز نہیں سمجھتی' اگرچہ وہ حکمران عدل سے ظلم وستم کی طرف ہی کیوں نہ پھر جائیں۔''

امام ابوجعفر طحاوی نے اسے امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کا عقیدہ قرار دیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"ولا نری الخروج علی أئمتنا وولاة أمورنا وإن جاروا ولا ندعوا علیهم ولا ننزع یدا من طاعة ونری طاعتهم فی طاعة الله عز وجل فریضة ما لم یأمروا بمعصیة وندعوا لهم بالصلاح والمعافاة." ۳۱

'' اور ہم اپنے مسلمان حکمرانوں اور امراء کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم ہی کیوں نہ کریں۔اور ہم ایسے حکمرانوں کے خلاف بد دعا بھی نہیں کرتے اور نہ ہی ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچتے ہیں اور ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت میں شمار کرتے ہیں کہ جس کو اللہ نے فرض قرار دیا ہے جب تک کہ یہ حکمران کسی گناہ کا حکم نہ دیں اور ہم ان کی اصلاح اور معافی کی دعا کرتے ہیں۔''

سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولاینعزل الإمام بالفسق أی بالخروج عن طاعة الله تعالی والجور أی الظلم علی عباد الله تعالی لأنه قد ظهر الفسق وانتشر الجور من الأئمة والأمراء بعد الخلفاء الراشدین والسلف قد کانوا ینقادون لهم ویقیمون الجمع والأعیاد بإذنهم ولایرون الخروج

علیھم .''٣٢

''حکمران فسق و فجور یعنی اللہ کی اطاعت سے نکل جانے اور اللہ کے بندوں پر ظلم و ستم کی صورت میں معزول نہیں ہوتا کیونکہ خلفائے راشدین کے دور کے بعد حکمرانوں کا فسق و فجور اور ظلم و ستم پھیل گیا تھا لیکن سلف صالحین ان کی اطاعت کرتے تھے' ان کے اذن سے ان کے ساتھ جمعہ اور عیدین کی نمازیں قائم کرتے تھے اور ان کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔''

حنفیہ کی اکثریت ماتریدی مکتبہ فکر سے ہے۔اب باقی حنابلہ اور سلفیہ رہ گئے کہ جن کے امام' امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔بنو عباس کے بعض خلفاء معتزلی عقائد کے نہ صرف حامی بلکہ پُر جوش مبلغ بھی تھے۔ان خلفاء نے کئی ایک ائمہ اہل سنت کو خلق قرآن کا عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کیا اور ان کو آزمائش و ابتلاء میں بھی مبتلا کیا لیکن اس کے باوجود ان ائمہ نے ان کے خلاف خروج کو جائز قرار نہیں دیا۔امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بغداد کے تقریباً تمام فقہاء' حاکم وقت' واثق باللہ' کے خلق قرآن کے عقیدے اور اس کی تبلیغ کے خلاف شکایت لے کر آئے اور کہا کہ یہ شخص خلق قرآن کا نہ صرف عقیدہ رکھتا ہے بلکہ اس کی تبلیغ بھی کرتا ہے تو ہم اس کی امارت اور سلطنت پر راضی نہیں ہیں تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں جواب دیا:

"علیکم بالإنکار بقلوبکم ولا تخلعوا یدا من طاعة ولا تشقوا عصا المسلمین ولا تسفکوا دمائکم و دماء المسلمین معکم وانظروا فی عاقبة أمرکم واصبروا حتی یستریح بر ویستراح من فاجر. وقال لیس هذا یعنی نزع أیدیهم من طاعته صواباً هذا خلاف الآثار."٣٣

''تم پر حکمران کے عقیدے کا دل سے انکار واجب ہے اور اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو اور مسلمانوں کی اجتماعیت کو پارہ پارہ نہ کرو اور اپنا اور مسلمانوں کا خون نہ بہاؤ۔اپنے اس فعل کے انجام پر غور کرو اور صبر سے کام لو یہاں تک کہ نیکو کار راحت پائے اور فاسق و فاجر سے راحت حاصل کی جائے۔امام صاحب نے یہ بھی کہا کہ یہ یعنی حکمران کی اطاعت سے ہاتھ کھینچنا درست نہیں ہے اور روایات کے خلاف ہے۔''

بعض اہل علم کا کہنا یہ ہے کہ اس مسئلے میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا اجماع کا دعویٰ درست نہیں ہے کیونکہ بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں ظالم حکمرانوں کے خلاف کئی ایک خروج ہوئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ کے خروج کے حق میں فتویٰ بھی دیا تھا اور صحیح بات یہی ہے کہ ظالم حکمران کے خلاف خروج کے عدم جواز کی رائے اجماعی نہیں بلکہ جمہور کی رائے ہے۔

❷ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علماء نے فاسق و ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کی حرمت کا دعویٰ نقل کیا ہے' وہ دعویٰ تو درست ہے لیکن آج کل کے حکمرانوں پر اس کی تطبیق درست نہیں ہے۔ ان علماء نے اپنے زمانے کے حکمرانوں کے خلاف خروج کو حرام قرار دیا ہے۔ اس دور میں اجتماعی سطح پر دین قائم تھا اور حکمران طبقے کا فسق و فجور اس کی ذات تک محدود تھا جبکہ معاصر حکمران نہ صرف اللہ کے دین کو قائم نہیں کرتے بلکہ اس کے خلاف قوانین کا نفاذ کرتے ہیں لہٰذا ان کے خلاف خروج واجب ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ سابقہ ادوار میں دین اجتماعی سطح پر قائم تھا۔ دین اپنی حقیقی صورت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین ہی کے دور میں قائم تھا۔ بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں خروج کرنے والوں نے اپنے خلفاء پر جو الزامات لگائے' ان میں ذاتی فسق و فجور' ظلم وستم کے علاوہ دین کو بگاڑنے' فساد فی الأرض اور حرام کو حلال بنانے کے الزامات بھی شامل تھے۔ اس میں بہر حال اختلاف کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ بنوامیہ اور بنوعباس کے خلفاء نے حرام کو حلال بنایا تھا یا نہیں' یا ان سے کفریہ اعمال و افعال کا اظہار ہوا تھا یا نہیں' جبکہ قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جس قسم کے الزامات معاصر حکمرانوں پر عائد کیے جاتے ہیں اور ان کی بنا پر ان کے خلاف خروج کو واجب قرار دیا جاتا ہے' اسی قسم کے الزامات بنوامیہ اور بنوعباس کے خلفاء پر ان کے ادوار میں عائد کیے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر حجاج بن یوسف کی حدود حرم اور بیت اللہ میں محصور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب پر سنگ باری کو کفریہ فعل کا نام نہ دیا جائے تو اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ تاریخ کی مستند کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ اس سنگ باری کے نتیجے میں بیت اللہ کی دیواریں بھی متاثر ہوئیں۔ [۳۴] بنوامیہ کے خلاف خروج میں ابن الأشعث رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علماء اور قراء کی ایک بہت بڑی جماعت بھی شامل

تھی۔اس جماعت کے معروف فقیہہ عبد الرحمٰن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں کو بنوامیہ کی افواج کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرنے کے لیے جو تقریر کی' اس میں انہوں نے بنوامیہ کے حکمرانوں پر ''المحلین المحدثین المبتدعین'' کا الزام لگایا۔ [۳۵] اسی طرح نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ نے عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے خلاف خروج سے پہلے جو اسے خط لکھا تھا' اس خط کی ابتداء ہی قرآن کی آیت ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَ هُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَ هُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ سے کی تھی۔ [۳۶] نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خطبہ میں ابو جعفر المنصور کو طاغوت اور اللہ کا دشمن قرار دیا اور اسے فرعون سے تشبیہہ دی اور اس پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ اس نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا لیا ہے۔ [۳۷] اسی وجہ سے علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ بنوامیہ اور بنوعباس میں جو خروج ہوئے تھے' اس کی وجہ اس وقت کے حکمرانوں کا محض فسق و فجور نہیں تھا بلکہ ان حکمرانوں کی طرف سے شریعت اسلامیہ کو تبدیل کر دینا' حرام کو حلال بنانا اور کفر کا اظہار بھی ان کے خلاف خروج کا ایک بڑا سبب تھا۔ [۳۸]

ہم یہاں یہ نہیں کہہ رہے کہ بنوامیہ اور بنوعباس کے حکمرانوں کو ہم کفر بواح کا مرتکب سمجھتے ہیں۔ ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہر دور میں مسلمان حکمرانوں پر کفر' شریعت کی تبدیلی' حرام کو حلال بنانے' دین کے بگاڑ اور طاغوت وغیرہ کے فتوے لگائے جاتے رہے ہیں۔پس اس کا فیصلہ کرنے کے لیے کچھ اصول وضوابط اور منہج وطریقہ کار ہونا چاہیے کہ کسی حکمران نے واقعتاً کسی کفر کا ارتکاب کیا ہے یا نہیں' یا اس نے کسی حرام کو حلال بنایا ہے یا نہیں!

یہ بات بھی واضح رہے کہ بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں کوئی تحریری آئین یا قانون تو تھا نہیں کہ جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ اُس دور کا دستور اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق تھا یا نہیں۔وہاں تو اصل قانون بادشاہِ وقت کا حکم اور فیصلہ تھا۔

عدالتوں میں بھی قاضیوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے فیصلوں میں خلفاء کے اثر سے محفوظ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بنوعباس کی خلافت میں عہدہ قضاء کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا [۴۹] کیونکہ امام صاحب کا تاثر یہی تھا کہ عدالتی فیصلوں میں جہاں بادشاہ کے مفادات پر زد پڑ رہی ہو گی' وہاں وہ کبھی بھی شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلوں کو برداشت نہیں کریں گے۔ تاریخ اسلامی کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ادوار میں بھی حکمران' قاضی کے فیصلوں سے ماوراء ہوکر اپنا کام کرتے تھے۔ تاریخ اندلس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اندلس کے کئی ایک مسلمان حکمران ایسے ہیں کہ جنہوں نے اپنی باہمی لڑائیوں میں عیسائی سلطنتوں سے مدد لی۔ اسی طرح اموی' عباسی' فاطمی اور عثمانی خلفاء نے اپنے مخالفین کو ناحق قتل کیا اور انہیں ان کی خلافت کی کوئی عدالت پوچھنے والی نہ تھی۔ مغل بادشاہ اکبر کے زمانے کا 'دین اکبری' کیا الحاد و زندقہ سے کسی طرح کم ہو گا؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خروج کے بارے نقطہ نظر

ظالم و فاسق مسلمان حکمران کے خلاف خروج کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کیا تھی؟ اس بارے میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (۲۳۹ تا ۳۲۱ھ) کی کتاب 'عقیدہ طحاویہ' سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا نقطہ نظر ظالم و فاسق حکمران کے خلاف عدم خروج کا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”ھذا ذکر بیان عقیدۃ أھل السنۃ والجماعۃ علی مذھب فقھاء الملۃ: أبی حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی وأبی یوسف یعقوب بن إبراھیم الأنصاری وأبی عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی رضوان اللہ علیھم أجمعین وما یعتقدون من أصول الدین ویدینون بہ رب العلمین . . . ولا نری الخروج علی أئمتنا وولاۃ أمورنا وإن جاروا ولا ندعوا علیھم ولا ننزع یدا من طاعتھم ونری طاعتھم من طاعۃ اللہ عز وجل فریضۃ ما لم یأمروا بمعصیۃ وندعوا لھم

بالصلاح والمعافاۃ.“ ⓴

’’یہ فقہائے ملت‘ امام ابو حنیفہ‘ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب پر اہل سنت والجماعت کے عقائد کا بیان ہے اور یہ ائمہ حضرات جن اصول دین کا اعتقاد رکھتے تھے اور ان کو رب العلمین کا دین قرار دیتے تھے‘ یہ [رسالہ] ان عقائد و اصولوں کا بیان ہے...اور ہم اپنے مسلمان حکمرانوں اور امراء کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم ہی کیوں نہ کریں۔اور ہم ایسے حکمرانوں کے خلاف بددعا بھی نہیں کرتے اور نہ ہی ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچتے ہیں اور ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت میں شمار کرتے ہیں کہ جس کو اللہ نے فرض قرار دیا ہے جب تک کہ یہ حکمران کسی گناہ کا حکم نہ دیں اور ہم ان کی اصلاح اور معافی کی دعا کرتے ہیں۔‘‘

اسی عقیدے کا اظہار ابن ابی العز الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (۷۳۱ تا ۷۹۲ھ) نے ’عقیدہ طحاویہ‘ کی شرح میں بھی کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

”وأما لزوم طاعتهم وإن جاروا‘ فلأنه يترتب على الخروج من طاعتهم من المفاسد أضعاف ما يحصل من جورهم‘ بل فى الصبر على جورهم تكفير السيئات ومضاعفة الأجور‘ فإن الله تعالى ما سلط علينا إلا لفساد أعمالنا‘ والجزاء من جنس العمل‘ فعلينا الاجتهاد بالاستغفار والتوبة وإصلاح العمل. قال تعالى ﴿وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ويعفوا عن كثير﴾ وقال تعالى ﴿أو لما أصابتكم مصيبة قد أصبتم مثليها قلتم أنى هذا قل هو من عندأنفسكم﴾ وقال تعالى ﴿ما أصابك من حسنة فمن الله وما أصابك من سيئة فمن نفسك﴾ وقال تعالى ﴿وكذلك نولى بعض الظلمين بعضا بما كانوا يكسبون﴾ فإذا أراد الرعية أن يتخلصوا من ظلم الأمير الظالم. فليتركوا الظلم.“ ㉑

’’اگرچہ وہ حکمران ظلم کریں‘ پھر بھی ان کی اطاعت لازم ہے‘ یہ اس وجہ سے ہے

کہ ان کی اطاعت سے نکل جانے میں جو فساد و بگاڑ ہے وہ اس فساد سے کئی گنا زیادہ ہے جو ان کے ظلم کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔اور اگر امت ان کے ظلم پر صبر کرے گی تو اس کے گناہ معاف ہوں گے اور اس کے درجات بلند ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظالم حکمرانوں کو ہمارے اوپر ہمارے اعمال کے بگاڑ کی وجہ سے مسلط کیا ہے اور سزا' عمل کی جنس سے ہی ہے (یعنی عوام نے ایک دوسرے پر ظلم کیا تو اللہ نے ان پر ظالم حکمران بطور سزا مسلط کر دیے)۔ پس ہم پر لازم ہے کہ ہم توبہ و استغفار اور اصلاح عمل کی خوب کوشش کریں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: جو بھی تم کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے اور تمہارے بہت سے اعمال سے تو اللہ تعالیٰ ایسے ہی درگزر فرما دیتے ہیں۔ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: اور کیا جب تمہیں ایک بڑی مصیبت پہنچی (یعنی احد میں) جبکہ تم اس سے دو گنا مصیبت (کفار کو بدر میں) پہنچا چکے تھے تو تم نے کہا: یہ مصیبت کہاں سے آ گئی؟ آپ کہہ دیں: یہ مصیبت تمہاری اپنی جانوں کی طرف سے ہے (یعنی تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے)۔اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: جو بھی تمہیں بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو بھی تمہیں برائی پہنچتی ہے تو وہ تمہاری اپنی جانوں کی طرف سے ہے۔اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: اور اسی طرح ہم ظالموں کا حکمران بعض دوسرے ظالموں کو بنا دیتے ہیں' اس وجہ سے کہ جو وہ ظالم اعمال کرتے تھے۔پس اگر رعایا حکمران کے ظلم سے نجات چاہتی ہے تو وہ خود ظلم کرنا ترک کر دے۔''

بریلوی اور دیوبندی مدارس میں عموماً عقیدے کی جو کتاب پڑھائی جاتی ہے یا بطور نصاب مقرر ہے وہ 'شرح العقائد النسفیة' ہے۔اس کتاب میں بھی علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۹۳ھ) نے ظالم و فاسق حکمرانوں کے خلاف عدم خروج ہی کا عقیدہ بیان کیا ہے' جیسا کہ ہم 'شرح العقائد النسفیة' کا حوالہ اس مسئلے میں سابقہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲ تا ۱۸۹ھ) کی کتاب 'السیر الکبیر' سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا موقف بھی ظالم و فاسق حکمرانوں کے خلاف عدم خروج کا تھا۔وہ فرماتے ہیں:

”إلا أن يأمرهم بأمر ظاهرلا يكاد يخفى على أحد أنه هلكة أو أمرهم بمعصية فحينئذ لا طاعة عليهم فى ذلك ولكن ينبغى أن يصبروا ولا يخرجوا على أميرهم لحديث ابن عباس رضى الله عنهما أن النبیﷺ قال من أتاه من أميره ما يكرهه فليصبر فإن من خالف المسلمين قيد شبرثم مات مات ميتة الجاهلية .“ ۴۲

’’سوائے اس کے کہ وہ حکمران کسی شخص کو ایسے کام کا حکم دے کہ جس کے بارے میں کسی ایک کو بھی اشتباہ نہ ہو کہ وہ ہلاکت ہے یا حکمران کسی شخص کو معصیت کا حکم دے تو اس وقت اس مسئلے میں حکمران کی اطاعت رعایا پر لازم نہیں ہے لیکن ان کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ صبر کریں اور اپنے حکمران کے خلاف خروج نہ کریں جیسا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا: جو کوئی اپنے حکمران میں کوئی ناپسندیدہ امر دیکھے تو اس پر صبر کرے کیونکہ جس نے بالشت برابر بھی مسلمانوں کی اجتماعیت کی مخالفت کی اور اسی حالت میں وہ مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔‘‘

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

”وعند الحنفية ليست العدالة شرطا للصحة فيصح تقليد الفاسق الإمامة مع الكراهة، وإذا قلد عدلا ثم جار وفسق لا ينعزل، ولكن يستحب العزل إن لم يستلزم فتنة، ويجب أن يدعى له، ولا يجب الخروج عليه، كذا عن أبى حنيفة، وكلمتهم قاطبة فى توجيهه هو أن الصحابة صلوا خلف بعض بنى أمية وقبلوا الولاية عنهم .“ ۴۳

’’حنفیہ کے نزدیک عدالت، صحتِ امامت کے لیے شرط نہیں ہے۔ پس فاسق امام کی تقلید کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ پس اگر تو حالت عدل میں اس کو امامت دی گئی اور پھر وہ ظالم و فاسق بن گیا تو خود بخود معزول نہیں ہو گا لیکن اگر فتنے کا اندیشہ نہ ہو (یعنی پُر امن طریقے سے معزولی ممکن ہو) تو اس کو معزول کرنا لازم ہے۔ یہ بھی (امت پر) واجب ہے کہ ایسے امام کے لیے دعا کرے اور اس کے

خلاف خروج واجب نہیں ہے۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی یہی ہے۔تمام حنفیہ نے اس مسئلے کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ صحابہ بنوامیہ کے حکمرانوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے اور صحابہ نے بنوامیہ کے حکمرانوں کی ولایت قبول بھی کی تھی۔''

تاہم امام جصاص (۳۷۰ھ) نے 'احکام القرآن'[۴۴] اور الموفق المکی (۵۶۸ھ) نے 'مناقب الإمام أبی حنیفة' اور 'حافظ الدین الکردری (۸۲۷ھ) رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی کتاب 'مناقب' میں امام صاحب کے بارے میں اس نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے کہ وہ فاسق وفاجر اور ظالم مسلمان حکمران کے خلاف خروج کو واجب سمجھتے تھے۔مؤخر الذکر دو کتابیں تو تاریخی کتابیں ہیں کہ جن میں رطب و یابس' سب جمع ہوتا ہے لہٰذا کسی امام کے شرعی موقف کو معلوم کرنے کا کوئی مستند ذریعہ نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ دونوں حضرات امام صاحب سے بہت متأخر ہیں اوران کی کسی بات پر بغیر کسی سند کے کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ یہی امام صاحب کا موقف ہے؟اگرچہ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'خلافت وملوکیت' میں خروج کے مسئلے میں امام صاحب کا مسلک بیان کرنے کے لیے انہی دو تاریخی کتابوں کی روایات کو بنیاد بنایا ہے' جو ہمارے نزدیک درست طرزِ عمل نہیں ہے۔

کسی بھی مسئلے میں امام صاحب کا شرعی موقف جاننے کے لیے حنفیہ نے کبھی بھی 'مناقب' یا 'تاریخ' کی کتابوں کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ اس کے لیے عموماً فقہ حنفی کی کتابوں کو بنیادی مصدر سمجھا جاتا ہے۔تاریخ کی کتابوں کا موضوع فقہی موقف کا بیان نہیں ہے بلکہ ماضی کے حالات و واقعات کا بیان ہے۔ فقہ حنفی کے بنیادی مصادر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی چھ کتابیں ہیں کہ جنہیں 'ظاہر الروایۃ' بھی کہتے ہیں۔ان چھ کتابوں میں پانچ مطبوع ہیں جن میں سے ایک 'السیر الکبیر' بھی ہے۔اس کتاب کا حوالہ ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ظالم و فاسق حکمران کے خلاف خروج 'فقہ' کا مسئلہ بھی ہے اور اسی طرح علم 'عقیدہ' کے مباحث میں بھی داخل ہے کیونکہ اہل سنت کو اس مسئلے میں معتزلہ' اہل تشیع اور خوارج سے شروع ہی سے اختلاف رہا ہے۔ معتزلہ' اہل تشیع اور خوارج ظالم اور فاسق و فاجر مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج کو واجب سمجھتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے حنفیہ کے عقیدے کی معتبر کتابوں کے حوالے سے بھی امام صاحب اور صاحبین کا نقطہ نظر بیان کر دیا

ہے۔

تاہم امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے 'أحکام القرآن' کے حوالہ جات قابل غور ہیں۔امام جصاص نے سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ یعنی میرا وعدہ ظالموں کونہیں پہنچے گا' کے تحت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ امام صاحب فاسق و فاجر اور ظالم مسلمان حکمران کے خلاف خروج کو واجب سمجھتے تھے۔امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقف کے اثبات میں آیت مذکورہ بالا کے علاوہ 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کی آیات سے بھی استدلال کیا ہے۔ ۴۵

یہ بات واضح ہے کہ اہل سنت اور معتزلہ کے تصور 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' میں بہت فرق ہے۔'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' معتزلہ کے اصول خمسہ میں سے ایک بنیادی اصول ہے کہ جس کے تحت وہ مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج کو واجب سمجھتے ہیں جیسا کہ عقائد کی کتابوں میں یہ بحث مفصل طور پر موجود ہے۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی جلالت علم اور فقہی بصیرت کے باوجود اس مسئلے میں 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' سے متعلق آیات و احادیث کی جو تشریح و توضیح پیش کرتے ہیں' وہ درحقیقت معتزلہ کے تصور دین اور دلائل پر مبنی ہیں۔اہل سنت 'نہی عن المنکر بالید' کے قائل ہیں لیکن معتزلہ کی طرح ہر حال میں اس کو واجب قرار نہیں دیتے۔رہا امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا آیت مذکورہ یعنی ﴿لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ سے خروج کے وجوب پر استدلال کرنا' تو یہ استدلال کئی اعتبارات سے محل نظر ہے۔پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں خبر دی گئی ہے نہ کہ أمر، اور آیت کا سیاق و سباق ﴿قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ خبر کو بمعنی اَمر لینے میں مانع معلوم ہوتا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس آیت کو خبر بمعنی اَمر مان بھی لیا جائے تو اس آیت میں منشا متکلم یہ ہے کہ فاسق و فاجر یا ظالم کو ابتدائی طور امام یا حکمران نہ بنایا جائے اور اس پر تو جمیع اہل سنت کا اتفاق ہے۔لیکن مسئلہ تو یہ زیر بحث ہے کہ جب ایسا شخص تلوار یا کسی جمہوری طریقے سے حکمران بن جائے تو اس کے بارے میں کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟ تیسری بات یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں امامت سے مراد کوئی سیاسی امامت یا حکمرانی نہیں ہے بلکہ روحانی امامت مراد ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دلوں کی

امامت حاصل تھی نہ کہ وہ دنیا کے بادشاہ تھے۔پس اس معنی میں ہر دور میں اہل علم کو مسلمانوں کی روحانی امامت حاصل رہی ہے اور لوگ دل و جان سے ان کے معتقد و متبع رہے ہیں۔ہمارے نزدیک یہی اس آیت کا حقیقی مفہوم ہے اور یہ امامت آج بھی 'راسخون فی العلم' کو حاصل ہے۔

امام 'فِعال' کے وزن میں اسم مفعول کے معنی میں ہے یعنی جس کی پیروی کی جائے جیسا کہ 'کتاب' ۔اور اصل پیروی تو انبیاء علیہم السلام یا ان کے وارثین اہل علم ہی کی ہوتی ہے نہ کہ سیاسی حکمرانوں کی۔پس اس معنی کے ساتھ ﴿لاَ يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ اللہ کی طرف سے انبیاء' صحابہ' تابعین' ائمہ سلف اور راسخون فی العلم کو روحانی امامت عطا کرنے کا ایک وعدہ ہے جو کہ پورا ہو چکا اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

اگر تاریخی روایات پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھیں تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں تقریباً ۱۲۰ھ میں اپنے استاذ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مسند درس و تدریس پر فائز ہوئے۔زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کا خروج ۱۲۲ھ میں ہوا کہ جس خروج کے حق میں تاریخ کی مستند و ابتدائی کتابوں مثلاً تاریخ طبری' طبقات ابن سعد میں امام صاحب کی تائید کا تذکرہ ہمیں نہیں ملا۔بلکہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے اس خروج کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ یہ کامیاب ہونے والا نہیں ہے۔ [۴۶]
۱۴۵ھ میں محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہما نے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے خلاف خروج کیا۔ [۴۷] مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے امام جصاص اور علامہ کردری رحمۃ اللہ علیہما کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کو نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرنے کی تلقین کرتے تھے اور اس کے ساتھ مل کر عباسی خلیفہ کے خلاف خروج کو کافروں سے جنگ سے بھی زیادہ افضل سمجھتے تھے اور اس خروج کو نفلی حج سے ۵۰ یا ۷۰ گنا زیادہ قابل ثواب سمجھتے تھے۔ [۴۸]

یہاں ہم پھر یہی عرض کریں گے کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'أحکام القرآن' تو سرے سے تاریخ کی کتاب ہی نہیں ہے۔مکی رحمۃ اللہ علیہ چھٹی اور کردری رحمۃ اللہ علیہ نویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں۔تاریخ کے بنیادی مصادر ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۸ تا ۲۳۰ھ) کی 'الطبقات الکبری' اور ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (۲۲۴ تا ۳۱۰ھ) کی

کتاب 'تاریخ طبری' میں امام صاحب کے یہ بیانات ہمیں نہیں ملے۔ اب سوال یہ ہے کہ چھٹی یا نویں صدی ہجری میں الموفق المکی اور علامہ کردری رحمۃ اللہ علیہما کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ امام صاحب کا نفس زکیہ کے خروج کے بارے میں یہ موقف تھا؟ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ امام صاحب کا طرز عمل ان اقوال کی شدت سے نفی کرتا ہے۔ امام صاحب اگر اپنے شاگردوں کو نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی تلقین کرتے تھے تو انہوں نے خود ان کی بیعت کیوں نہ کی؟ اگر امام صاحب کے نزدیک یہ خروج واجب تھا تو انہوں نے ایک شرعی واجب کو ترک کیوں کیا؟ اگر امام صاحب اس خروج کو نفلی حج سے ۵۰ یا ۷۰ گنا زیادہ ثواب کا کام سمجھتے تھے تو وہ یہ ثواب حاصل کرنے میں پیچھے کیوں رہے اور صرف اپنے شاگردوں کو ہی اس ثواب کے حصول کی تلقین کیوں کرتے رہے؟ اور ان کے نمایاں شاگردوں میں سے بھی کیا امام ابو یوسف' امام محمد' امام زفر رحمۃ اللہ علیہم نے ان کے اس فتویٰ پر عمل کیا اور بالفعل اس خروج میں شامل ہوئے؟

ہم اس امکان کو رد نہیں کرتے کہ کبھی امام صاحب سے نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ کے خروج کے بارے میں کوئی سوال ہوا ہو تو انہوں نے اس کے خروج کے جواز کی تائید میں کوئی بات کہی ہو لیکن اس کو بھی اسی وقت مانا جاسکتا ہے جبکہ اس بارے میں تاریخ یا فقہ کی اولین ومستند کتابوں میں کوئی بیانات مذکور ہوں اور جہاں تک اس خروج کے حوالے سے مبالغہ آمیز کہاوتیں امام صاحب کی طرف منسوب کرنے کا معاملہ ہے تو ہم اس کے حق میں بالکل بھی نہیں ہیں جیسا کہ بعض متاخرین حنفیہ اور مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیا ہے۔ ہم ان روایات کی امام صاحب کی طرف نسبت کی شدت سے نفی کرتے ہیں۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ امام صاحب نے نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ کے خروج کے حق میں فتویٰ دیا تھا تو پھر بھی اس بات کا امکان موجود رہتا ہے کہ امام صاحب نے اس خروج کی ناکامی اور مفاسد کو دیکھتے ہوئے اپنی رائے سے رجوع کر لیا ہو جیسا کہ شیخ ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'حیات امام ابی حنیفہ' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خروج کے حوالہ سے امام صاحب کی رائے تبدیل ہوئی تھی۔ [۴۹] علاوہ ازیں 'عقیدة طحاویة' اور 'السیر الکبیر' کے بیانات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی رائے عدم خروج کی تھی اور اگر انہوں نے کسی زمانے میں خروج کے حق میں فتویٰ دیا بھی تھا تو اس سے رجوع کر

لیا تھا۔

ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کے دلائل

بعض علماء کا کہنا یہ بھی ہے کہ قتال کی علت 'ظلم' ہے اور قتال ہوتا ہی 'ظالم' کے خلاف ہے چاہے وہ ظالم' کافر ہو یا مسلمان ہو۔جیسا کہ آیت قرآنی

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا﴾ ۵۰

''(قتال کی) اجازت دی گئی ان لوگوں کو کہ جن سے قتال کیا جارہا تھا اس سبب سے کہ ان پر ظلم ہوا ہے۔''

اور آیت مبارکہ

﴿وَمَالَکُمْ لاَ تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا وَاجْعَلْنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا﴾ ۵۱

''تمھیں کیا ہو گیا ہے تم اللہ کے رستے میں قتال نہیں کرتے حالانکہ کمزور مرد' عورتیں اور بچے یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال کہ جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی سرپرست بنا اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار بنا۔''

اس بات کی دلیل ہیں کہ ظالم کافر سے قتال واجب ہے۔ اور اسی طرح ان علماء کے نزدیک آیت مبارکہ

﴿فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْءَ اِلٰی اَمْرِ اللّٰہِ﴾ ۵۲

''تم لڑائی کرو اس جماعت سے جو ظلم کرتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''

اس بات کی دلیل ہے کہ ظالم مسلمان کے ساتھ بھی قتال واجب ہے۔علاوہ ازیں یہ اہل علم آیت مبارکہ

﴿وَالَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ﴾ ۵۳

''اور وہ لوگ کہ جن کے ساتھ اگر زیادتی یا ظلم ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔''

اور آیت مبارکہ

﴿فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ﴾ ۵۴

''پس جو کوئی تم سے زیادتی کرے تو تم بھی اس سے اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی کہ اس نے تمہارے ساتھ کی ہے۔''

سے بھی ظالم مسلمان حکمران کے خلاف خروج کے جواز پر استدلال پیش کرتے ہیں۔ان علماء کا کہنا یہ ہے کہ قرآن کی جن آیات میں ظالم مسلمان سے قتال یا بدلہ لینے کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے مراد اجتماعی ظلم ہے۔یعنی اگر حکمران کا ظلم اجتماعی ہو اور مسلمانوں کا ایک معتد بہ طبقہ یا جماعت اس ظلم سے متاثر ہو رہی ہو تو پھر اس ظالم مسلمان حکمران کے خلاف قتال جائز ہے۔اور جن احادیث میں ظالم حکمران کے خلاف خروج سے منع کیا گیا ہے، وہ انفرادی ظلم و ستم کے بارے میں ہیں۔

اسی طرح اگر حکمران کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے والی جماعت سے کوئی معاہدہ یا مصالحت ہو جائے تو اب اس معاہدے کی اگر حکمران خلاف ورزی کرے تو حکمران سے قتال قرآن کی آیت

﴿وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْءَ اِلٰی اَمْرِ اللّٰهِ﴾ ۵۵

''اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرواؤ۔پس اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر ظلم و زیادتی کرے تو اس ظلم و زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''

کے تحت جائز ہے۔

یہ بات تو درست ہے کہ قتال کی علت 'ظلم' ہے اور ظالم کافر ہو یا ظالم مسلمان' دونوں سے قتال ہوسکتا ہے بشرطیکہ اس کی اہلیت و استطاعت ہو۔پس آیت مبارکہ

﴿وَالَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ﴾ ۵۶

''اور وہ لوگ کہ جن کے ساتھ اگر زیادتی یا ظلم ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔''

اور آیت مبارکہ

﴿فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ﴾ ۵۷

''پس جو کوئی تم سے زیادتی کرے تو تم بھی اس سے اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی کہ اس نے تمہارے ساتھ کی ہے۔''

اور آیت مبارکہ

﴿فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْءَ اِلٰی اَمْرِ اللّٰهِ﴾ ۵۸

''تم لڑائی کرو اس جماعت سے جو ظلم کرتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''

کا یہ مطلب بالکل بھی نہیں ہے کہ انسان کے پاس بدلے کی اہلیت واستطاعت نہ ہو اور پھر بھی وہ بدلہ لینے چل پڑے اور اس طرح اپنا ہی مزید نقصان کر لے۔ یہ خطاب انہی لوگوں سے ہے جو بدلہ لینے کی استطاعت وصلاحیت رکھتے ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تک بدلہ لینے کی استطاعت وصلاحیت نہ تھی اس وقت بھی ظلم ہو رہا تھا لیکن صبر و مصابرت اور ہاتھوں کو روکنے کا حکم تھا۔جیسا کہ قرآن کی آیت

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّکٰوةَ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ﴾ ۵۹

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جنہیں کہا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھ باندھے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو' پس جب ان پر قتال فرض کیا گیا۔''

میں اس بات کی طرف صریح اشارہ ہے کہ پہلے ظلم کے مقابلے میں ہاتھ نہ اٹھانے کا حکم تھا' پھر بدلہ لینے کی اجازت بھی نازل ہوگئی۔لہٰذا ظلم کے جواب میں صبر ومصابرت اور ظلم کے جواب میں بدلہ لینا دونوں ہی اسلام کے منہج ہیں اور تاحال جاری ہیں۔ان میں سے کوئی منہج بھی منسوخ نہیں ہوا ہے۔بعض ناواقف لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ جہاد وقتال کی آیات کے نزول کے بعد قرآن کا وہ ایک تہائی حصہ منسوخ ہے جو صبر ومصابرت اور انذار وتبلیغ کے بارے میں ہے۔امام ابن تیمیہ نے 'مجموع الفتاویٰ' اور امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہما نے 'البرہان' میں اس مسئلے کی اچھی طرح وضاحت کی ہے کہ یہ دونوں مناہج تاحال برقرار ہیں اور قیامت تک جاری رہیں گے۔ ۶۰ حالات کے اعتبار سے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ کون سا منہج اختیار کیا جائے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کو بھی خوب اچھی طرح نکھارا ہے کہ ان آیات کا مفہوم یہ بالکل بھی نہیں ہے کہ ان آیات میں ہر ظالم کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا ہے۔امام صاحب ﴿وَاِنْ طَائِفَتَان مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا﴾ [61] کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جن دو گروہوں کی لڑائی ہوئی ہے' ان میں سے بھی تو کوئی ایک ظلم و زیادتی کر رہا تھا لیکن اس سے بوجوہ ابتداء قتال کا حکم نہیں دیا اور فرمایا کہ ان کے مابین صلح کروا دو۔امام صاحب اس سے دلیل پکڑتے ہیں کہ ہر ظالم' کہ جس کا ظلم اجتماعی بھی ہو' اس سے قتال کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ مختلف حالات کے تحت حکم مختلف ہو گا۔عام حالات میں ظالم حکمران سے قتال کی صورت میں جو ظلم پیدا ہو گا' اس کے بارے میں امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ یہ اس ظالم حکمران کے ابتدائی ظلم سے بڑھ کر ہو گا۔امام صاحب فرماتے ہیں:

”ولهذا كان المشهور من مذهب أهل السنة أنهم لا يرون الخروج على الأئمة وقتالهم بالسيف وإن كان فيهم ظلم كما دلت على ذلك الأحاديث الصحيحة المستفيضة عن النبیﷺ لأن الفساد فی القتال والفتنة أعظم من الفساد الحاصل بظلمهم بدون قتال ولا فتنة فلايدفع أعظم الفسادين بالتزام أدناهما ولعله لا يكاد يعرف طائفة خرجت على ذی سلطان إلا وكان فی خروجها من الفساد أكثر من الذی فی إزالته والله تعالى لم يأمر بقتال كل ظالم وكل باغ كيفماكان و لا أمر بقتال الباغين ابتداء بل قال﴿ وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فإن بغت إحداهما على الأخرى فقاتلوا التی تبغی حتى تفیء إلى أمر الله فإن فاء ت فأصلحوا بينهما بالعدل﴾ فلم يأمر بقتال الباغية ابتداء فكيف يأمر بقتال ولاة الأمر ابتداء. . . فقد أخبر النبیﷺ أن الأمراء يظلمون ويفعلون أمورا منكرة ومع هذا فأمرنا أن نؤتيهم الحق الذی لهم ونسأل الله الحق الذی لنا ولم يأذن فی أخذ الحق بالقتال ولم يرخص فی ترك الحق

الذی لھم ." ۶۲

''اسی وجہ سے اہل سنت کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ حکمرانوں کے خلاف خروج اور ان کے ساتھ تلوار سے قتال کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اگرچہ وہ حکمران ظالم ہی کیوں نہ ہوں' جیسا کہ اس مسئلے میں صحیح اور معروف روایات آپ سے مروی ہیں۔ کیونکہ حکمرانوں سے قتال اور اس سے پیدا ہونے والے فتنے کے حالات میں جو فساد حاصل ہوتا ہے وہ بغیر قتال و فتنے کے حالات میں حکمرانوں کے ظلم وستم سے حاصل ہونے والے فساد سے بڑھ کر ہے۔ پس دو فسادوں میں سے ادنیٰ فساد کو اختیار کرتے ہوئے بڑے فساد کو دور کیا جائے گا۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ہے کہ (تاریخ اسلامی میں) جس گروہ نے بھی کسی حکمران کے خلاف خروج کیا ہے تو اس کے خروج سے اُس سے بڑھ کر فساد پیدا ہوا ہے جو اس حکمران کی موجودگی میں تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر ظالم اور باغی سے ہر حال میں قتال کا حکم نہیں دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے باغیوں سے بھی ابتدائی طور قتال کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ یہ کہا ہے: اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرواؤ۔ پس اگر ان میں کوئی ایک دوسرے پر ظلم کرے تو اس سے قتال کرو جو ظلم کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم (یعنی صلح) کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ دوسرا گروہ واپس لوٹ آئے تو ان دونوں کے مابین عدل کے ساتھ صلح کروادو۔ پس اللہ تعالیٰ نے باغی گروہ سے بھی ابتدائی طور قتال کا حکم نہیں دیا تو حکمرانوں سے ابتدائی طور قتال کا حکم کیسے ہو گا؟... آپ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ حکمران ظلم کریں گے اور کچھ منکرات کا ارتکاب کریں گے لیکن اس کے باوجود آپ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان حکمرانوں کو ان کا حق دیں اور اللہ سے اپنے حق کا سوال کریں۔ اور آپ نے ہمیں حکمرانوں سے اپنا حق لینے کے لیے قتال کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی ہمیں یہ رخصت دی ہے کہ ہم حکمرانوں کو ان کا حق نہ دیں۔''

امام صاحب اس مسئلے میں صرف فکری بحث نہیں کرتے بلکہ وہ تاریخ اسلام کے حوالے نقل کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس امت میں فاسق و ظالم حکمرانوں کے خلاف جتنے بھی خروج ہوئے ہیں' ان سے ظلم ختم نہیں ہوا بلکہ بڑھا ہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت عائشہ' حضرت طلحہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم اور بنواُمیہ کے

زمانے میں مسلمانوں میں خروج کے نتیجے میں جو باہمی قتل و غارت ہوئی ہے' مسلمان اس کے بارے میں یہ تمنا رکھتے ہیں کہ کاش یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔یہی معاملہ صحابہ کے ما بعد آنے والے زمانوں کا بھی ہے۔امام صاحب فرماتے ہیں:

"وقل من خرج على إمام ذى سلطان إلا كان ما تولد على فعله من الشر أعظم مما تولد من الخيركالذين خرجوا على يزيد بالمدينة وكابن الأشعث الذى خرج على عبد الملك بالعراق وكابن المهلب الذى خرج على ابنه بخراسان وكأبى مسلم صاحب الدعوة الذى خرج عليهم بخراسان أيضا وكالذين خرجواعلى المنصور بالمدينة و البصرة وأمثال هؤلاء وغاية هؤلاء إما أن يغلبوا و إما أن يغلبوا ثم يزول ملكهم فلا يكون لهم عاقبة فإن عبد الله بن على و أبا مسلم هما اللذان قتلا خلقا كثيرا وكلاهما قتله أبو جعفر المنصور وأما أهل الحرة وابن الأشعث وابن المهلب وغيرهم فهزموا و هزم أصحابهم فلا أقاموا دينا ولا أبقوا دنيا والله تعالى لا يأمر بأمر لا يحصل به صلاح الدين ولا صلاح الدنيا وإن كان فاعل ذلك من أولياء الله المتقين ومن أهل الجنة فليسوا أفضل من على وعائشة وطلحة والزبير وغيرهم ومع هذا لم يحمدوا ما فعلوه من القتال وهم أعظم قدرا عند الله وأحسن نية من غيرهم وكذلك أهل الحرة كان فيهم من أهل العلم والدين خلق وكذلك أصحاب ابن الأشعث كان فيهم خلق من أهل العلم والدين والله يغفر لهم كلهم." [۲۶۳]

''اورجس نے بھی کسی صاحب اختیار حکمران کے خلاف خروج کیا تو اُس کے اِس خروج سے پیدا ہونے والاشر' اُس سے پیدا ہونے والے خیر سے بہت بڑھ کر تھا جیسا کہ وہ لوگ کہ جنہوں نے مدینہ میں یزید کے خلاف خروج کیا اور اسی طرح ابن اشعث کہ جنہوں نے عراق میں عبدالملک بن مروان کے خلاف خروج کیا اور

اسی طرح ابن مہلب کہ جنہوں نے خراسان میں اس کے بیٹے ولید بن عبد الملک کے خلاف خروج کیا اور اسی طرح ابو مسلم کہ جنہوں نے خراسان میں حکمرانوں کے خلاف خروج کیا اور وہ لوگ کہ جنہوں نے مدینہ و بصرہ میں ابو جعفر منصور کے خلاف خروج کیا اور اس طرح کے اور لوگ بھی تھے۔ان سب کے خروج کا نتیجہ یا تو یہ تھا کہ یہ لوگ مغلوب ہو گئے یا پھر وقتی طور پر غالب آ گئے لیکن جلد ہی ان کی حکمرانی ختم بھی ہو گئی۔پس اس اعتبار سے ان کا انجام کچھ بھی نہ تھا۔عبد اللہ بن علی اور ابو مسلم نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا اور ان دونوں کو ابو جعفر منصور نے قتل کر دیا۔جہاں تک اہل مدینہ یا ابن اشعث یا ابن مہلب وغیرہ کا معاملہ ہے پس انہوں نے اور ان کے پیروکاروں نے شکست کھائی ۔پس نہ تو یہ لوگ دین کو قائم کر سکے اور نہ ہی اپنی دنیا کو بچا سکے۔اللہ سبحانہ و تعالیٰ کبھی بھی ایسے کام کا حکم نہیں دیتے کہ جس میں نہ تو دین کی اصلاح ہو اور نہ ہی دنیا کی' چاہے اس کے کرنے والے اللہ کے ولی' جنتی اور متقی ہی کیوں نہ ہوں۔پس یہ (خروج کرنے والے) حضرت علی' عائشہ' طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم سے زیادہ افضل نہیں ہو سکتے اور ان لوگوں کے جنتی' متقی اور ولی اللہ ہونے کے باوجود ان کے باہمی قتال کی تعریف نہیں کی گئی حالانکہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کے ہاں بہت بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور ان کی نیت بھی دوسروں کی نسبت زیادہ خالص تھی۔اسی طرح اہل مدینہ کے خروج اور ابن اشعث کے اصحاب میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو اصحاب علم و فضل میں سے تھے اور دین و اخلاق کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان سب سے درگزر فرمائے۔''

مذکورہ بالا کو ہم ایک سادہ سی مثال سے یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ایک تھانیدار نے ایک بے گناہ آدمی زید کو کسی جرم میں اندر کر دیا۔اب اس بے گناہ نے جب تھانیدار سے اپنا جرم پوچھا تو اس نے اسے ایک تھپڑ رسید کر دیا۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس مثال میں تھانیدار ظالم ہے اور زید مظلوم ہے۔اب زید کے تین دوست ہیں۔ایک دوست کا کہنا یہ ہے کہ زید کو اپنے اوپر کی جانے والی زیادتی کا فوراً بدلہ لیتے ہوئے تھانیدار کو بھی ایک تھپڑ رسید کر دینا چاہیے جبکہ دوسرے دوست کا کہنا یہ ہے کہ زید کو صبر کرنا چاہیے کیونکہ اگر اس نے تھانیدار کو تھپڑ رسید کیا تو تھانیدار کی طرف سے اس کا جواب دس بیس تھپڑوں'

لاتوں، مکوں، گالیوں اور ڈنڈوں کی صورت میں ملے گا۔ تیسرا دوست اس بارے میں کسی رائے کا اظہار نہیں کر رہا ہے۔ زید پہلے دوست کی بات مان لیتا ہے اور جواباً تھانیدار کی طرف سے وہی ردعمل سامنے آتا ہے جس کا اظہار خیال دوسرے دوست نے کیا تھا۔ زید ردعمل میں پھر تھانیدار کو ایک تھپڑ رسید کرتا ہے اور جواباً مسلسل تھانیدار کی طرف سے تشدد کا نشانہ بنتا رہتا ہے۔ اب زید کا پہلا دوست اپنے گھر، محلے اور مسجد میں جا کر تھانیدار کے ظلم کی داستانیں عام کرتا ہے لیکن اس سے زید کے ساتھ ہونے والے ظلم کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ اُس پر تھانیدار کا ظلم بڑھتا ہی رہتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ظالم حکمران سے قتال اس صورت جائز ہے جبکہ اس کی اہلیت و استطاعت ہو اور فی زمانہ یہ اہلیت و استطاعت پیدا کرنا تقریباً محال ہے۔ لیکن اس اہلیت و استطاعت کی بعض مخصوص صورتوں پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

جہاں تک اس موقف کا تعلق ہے کہ احادیث میں صرف انفرادی ظلم کے خلاف خروج سے منع کیا گیا ہے تو یہ بات درست نہیں ہے۔ بعض روایات میں حکمران کے اجتماعی ظلم کے خلاف بھی خروج سے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے:

((یا نبی اللہ أرأیت إن قامت علینا أمراء یسألوننا حقھم ویمنعوننا حقنا فما تأمرنا؟ فأعرض عنه ثم سأله فأعرض عنه ثم سأله فی الثالثة فجذبه الأشعث بن قیس فقال ﷺ اسمعوا وأطیعوا فإنما علیھم ما حملوا وعلیکم ما حملتم)) [۶۴]

''اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر ہمارے پر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں جو ہم سے تو اپنے حقوق کا سوال کریں لیکن ہمیں ہمارے حقوق نہ دیں تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے اس صحابی سے اعراض کیا۔ اس نے پھر سوال کیا۔ آپ نے پھر اعراض کیا۔ اس نے پھر تیسری مرتبہ سوال کیا تو اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے اس کو پیچھے سے کھینچا۔ تو آپ نے فرمایا: تم سنو اور اطاعت کرو۔ ان حکمرانوں پر محض اس کو پورا کرنا لازم ہے جس کے وہ ذمہ دار بنائے گئے (یعنی عوام کے حقوق پورا کرنا ان کی ذمہ داری ہے) اور تم پر اس کو پورا کرنا لازم ہے جس کے تم ذمہ دار بنائے گئے (یعنی حکمرانوں کے حقوق پورا کرنا تمہاری ذمہ داری ہے)۔''

اس خروج کی ممانعت کی علت وحکمت وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے یعنی ہر زمانے میں بالعموم اور ہمارے زمانے میں بالخصوص امراء اور مامورین میں طاقت کا توازن نہ ہونے کے برابر ہے۔جمہور علماء مالکیہ' شافعیہ'حنابلہ' اہل الحدیث اور حنفیہ کی ایک جماعت نے اسی حکمت و علت کے پیش نظر ظالم حکمران کے خلاف خروج کو مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے۔ان علماء نے امت میں ہونے والے خروج کے مفاسد اور فتن کو دیکھتے ہوئے اپنا منہج ہی یہ قرار دے دیا کہ فاسق وظالم کے خلاف خروج بالکل بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اکثر لوگوں نے خروج کیا اور ان کا گمان یہ تھا کہ ان کا خروج کامیاب ہو گا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ لہٰذا ان علماء نے قدرت و اہلیت کی شرط بھی نہ لگائی کیونکہ تاریخ میں قدرت واہلیت کی شرط کا اندازہ اکثر و بیشتر خروج کرنے والے نہ کر سکے اور نتیجے میں بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام حاصل ہوا۔ البتہ حنفیہ کی ایک جماعت نے قدرت واہلیت کی شرط لگائی ہے جس پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

ہماری رائے اس مسئلے میں وہی ہے جو جمہور کی ہے کہ ایسے حکمران کے خلاف خروج درست نہیں ہے۔ہاں اگر کسی ریاست یا ملک کے علماء یہ طے کریں کہ اس خطہ ارضی میں حکمرانوں کا ظلم وستم اور فسق و فجور کفر کی حد تک بڑھ گیا ہے اور ان کے خلاف خروج سے پیدا ہونے والا فساد' ان کے اقتدار میں باقی رہنے کے فتنہ وفساد سے بڑھ کر نہیں ہے تو پھر اس صورت میں خروج جائز ہو گا جبکہ اس خروج کی اہلیت و استطاعت موجود ہو اور اس اہلیت و استطاعت کا علم کیسے ہو گا' اس کا فیصلہ بھی اس خطے ہی کے تمام علماء وفقہاء اور اصحاب حل وعقد کریں گے کہ موجودہ حکمرانوں کے خلاف خروج کی طاقت و اہلیت موجود ہے یا نہیں۔اس اجماعی و اتفاقی فتویٰ کی موجودگی میں ظلم کا بدلہ لینے والی آیات یا نہی عن المنکر بالید والی روایات سے استدلال کرتے ہوئے خروج کیا جا سکتا ہے۔

حکمران جماعت سے قتال کی قدرت واختیار ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ کوئی ایک عالم دین' مذہبی لیڈر یا جماعت کرے گی تو سوائے فتنہ وفساد کے کچھ برآمد نہ ہو گا اور یہ قتال جائز بھی نہ ہو گا کیونکہ اس مسئلے کا تعلق مسلمانوں کی اجتماعیت سے ہے۔جب ایک خطے کے تمام مسلمانوں اور مکاتب فکر کے پیروکاروں کو باہمی جنگ و جدال کا حصہ بنانا ہے تو کسی ایک عالم دین یا مذہبی لیڈر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے کسی اجتہاد کی بنیاد پر ظالم

حکمران کے خلاف خروج کرے اور پورے خطے کے مسلمانوں کو جنگ کا حصہ بنا دے۔ اور بالفرض اگر کوئی ایک عالم دین یا گروہ ایسا کرے گا تو اسے حکومت کی مخالفت کے ساتھ دیگر مذہبی جماعتوں' دینی تحریکوں اور مخالف مکاتب فکر کے پیروکاروں کی مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ بھی امکان ہے کہ اس مسلح گروہ کو حکمران سے جنگ لڑنے سے پہلے اپنے ہی مذہبی بھائیوں سے ایک جنگ لڑنی پڑے اور یہ ملک مذہبی فرقہ واریت اور خانہ جنگی کا شکار ہو جائے۔

پاکستان کے حالات میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر بریلوی' دیوبندی' اہل حدیث علماء اور مذہبی' دعوتی' تحریکی و انقلابی جماعتوں کی قیادت بالاتفاق یہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ موجودہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کرنا چاہیے اور ان حکمرانوں کا فسق و فجور اور ظلم کفر کی سرحدوں کو پار کر چکا ہے اور اس کی اہلیت و قدرت بھی ان کے متبعین میں موجود ہے تو اس اجتماعی مذہبی قیادت میں یہ خروج جائز ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب!

بے نماز حکمرانوں کے خلاف خروج

ایسا حکمران جو نماز نہ پڑھتا ہو اس کے خلاف خروج جائز ہے بشرطیکہ اس خروج کی طاقت و اہلیت ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ترک نماز کو کفر قرار دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

((إن بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة)) [۶۵]

''ایک شخص اور کفر و شرک کے مابین حد فاصل نماز کو ترک کر دینا ہے۔''

لہٰذا جو شخص نماز ادا نہیں کرتا' جمہور علماء کے نزدیک وہ مجازی یا عملی کافر ہے جبکہ علماء کی ایک جماعت اسے حقیقی کافر قرار دیتی ہے۔ ہمارا رجحان پہلی رائے کی طرف ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بے نماز کافر و مرتد اور واجب القتل ہے جبکہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بے نماز کافر حقیقی تو نہیں ہے لیکن اس سے تین دن تک توبہ کروائی جائے گی اور اگر توبہ نہ کرے گا تو بطور حد قتل کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بے نماز کی تعزیری سزا مار پیٹ اور قید ہے۔ [۶۶] ہمارا رجحان امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی طرف ہے۔ پس بے نماز حکمران کا فسق و فجور بہت زیادہ

ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے اس فعل کو احادیث میں ایک کفریہ فعل قرار دیا گیا ہے اور ائمہ نے اس کے بارے میں سخت رائے کا اظہار کیا ہے۔ چونکہ ہمارے معاشروں میں جہالت بہت عام ہے لہٰذا ایک بے نماز حکمران کے خلاف خروج کی درج ذیل دو شرائط ہونی چاہئیں:

۱ حکمران کو علماء کی ایک جماعت نماز پڑھنے کی تلقین کرے۔ نماز کے فضائل بتلائے اور اس کو نہ پڑھنے کی وعید سنائے۔ اور نماز نہ پڑھنے کی صورت میں حکمران کو اس کا شرعی مقام (status) بھی بتلایا جائے۔ اگر پھر بھی حکمران نماز نہ پڑھنے پر مصر ہو تو اسے بتلایا جائے کہ اب تمہارے خلاف مسلمانوں کا خروج فلاں احادیث کی بنیاد پر جائز ہے۔

۲ اگر اس سب کچھ کے باوجود حکمران نماز نہ پڑھنے پر مصر رہے تو اس کے خلاف خروج اس صورت میں جائز ہو گا جبکہ اس خروج کی اہلیت و استطاعت ہو اور اس خروج میں مسلمانوں کا بڑے پیمانے پر قتل عام یا فساد فی الارض یا امن و امان کی تباہی کا اندیشہ نہ ہو۔ یعنی اگر بغیر کسی بڑے فتنے و فساد کے ایسے حکمران سے نجات اور صالح حکمران کی تقرری ممکن ہو تو ایسا خروج جائز ہو گا۔

اس مسئلے میں وارد ہونے والی احادیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا خروج جائز ہے یعنی مباح ہے' واجب نہیں ہے۔ لہٰذا ایک مباح کام سے اگر ایک بڑا مقصد حاصل ہو رہا ہو لیکن اس مباح کام کے ارتکاب میں کوئی بڑا مفسدہ بھی ہو تو پھر اس مفسدے سے اجتناب (یعنی دفع مضرت) کو اس مقصد کے حصول (یعنی جلب منفعت) پر ترجیح حاصل ہو گی۔ علاوہ ازیں اس خروج سے پہلے حکمران کا ساتھ دینے والے افراد پر ممکن حد تک حجت قائم کی جائے گی کہ وہ اس مسئلے میں حکمران کا ساتھ نہ دیں۔ اور اس خروج کی اہلیت و قدرت کا فیصلہ متعلقہ خطہ ارضی کے علماء' مذہبی جماعتوں کے رہنما اور اصحاب حل و عقد کریں گے۔

ایک بے نماز حکمران کے خلاف خروج کے جواز کی دلیل یہ روایت ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

((إنه يستعمل عليكم أمراء فتعرفون وتنكرون فمن كره فقد برى

ومن أنکر فقد سلم و لکن من رضی وتابع قالوا یا رسول الله ألا نقاتلهم قال لا ماصلوا)) ٦٧

''عنقریب تم پر کچھ حکمران ایسے مسلط کیے جائیں گے جن کی بعض باتوں کو تم پسند کرو گے اور ان کی بعض باتوں کا انکار کرو گے۔پس جس نے ان حکمرانوں کے منکرات کو دل سے ناپسند جانا تو وہ بری الذمہ ہے اور جس نے نہی عن المنکر باللسان کیا تو وہ بھی بچا رہا لیکن جو ان حکمرانوں کے منکرات پر راضی ہو گیا اور اس نے ان کی پیروی کی [تو ایسا شخص قابل وبال ہے]۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم ایسے حکمرانوں سے قتال نہ کریں۔آپ نے فرمایا: نہیں! جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔''

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ جب تک حکمران تمہارے مابین نماز پڑھتے رہیں تو ان کے خلاف خروج نہ کرو۔یعنی اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کے خلاف خروج جائز ہے' واجب نہیں۔ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((خیار ائمتکم تحبونهم ویحبونکم ویصلون علیکم وتصلون علیهم وشرار أئمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم وتلعنونهم ویلعنونکم قیل یا رسول الله أفلا ننابذهم بالسیف فقال لا ما أقاموا فیکم الصلاة)) ٦٨

''تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں کہ جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔وہ تمہارے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہو۔اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں کہ جن سے تم نفرت کرتے ہو اور وہ تم سے نفرت کرتے ہوں۔تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعن طعن کرتے ہوں۔کہا گیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم ان کو تلوار سے ہٹا نہ دیں۔آپ نے فرمایا: نہیں! جب تک کہ وہ تمہارے مابین نماز پڑھتے رہیں۔''

یہ واضح رہے کہ اس روایت میں 'اقامتِ صلوٰۃ' سے مراد حکمران کا اپنی نماز کو قائم کرنا' اس کی حفاظت کرنا اور اس کو ضائع نہ کرنا ہے جیسا کہ پہلی روایت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر بے نماز حکمران کی معزولی پُر امن خروج اور

بغیر فتنے وفساد کے مثلاً احتجاجی سیاست وغیرہ سے ممکن ہو تو ایسا خروج اُمت مسلمہ پر فرض اور واجب ہے۔

کفر بواح کے مرتکب حکمرانوں کے خلاف خروج

اگر کوئی مسلمان حکمران کفر بواح کا مرتکب ہو تو اس حکمران کے خلاف خروج جائز ہے۔اس خروج کے جواز میں عموماً یہ روایت بیان کی جاتی ہے:

((دعانا رسول اللهﷺ فبايعناه فكان فيما أخذ علينا أن بايعنا على السمع والطاعة فى منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا وأثرة علينا وأن لا ننازع الأمر أهله قال إلا أن تروا كفراً بواحاًعندكم من الله فيه برهان)) [٦٩]

''ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے پکارا۔پس ہم نے آپ سے بیعت کی۔پس جن معاملات میں آپ نے ہم سے وعدہ لیا اور ہم نے آپ سے بیعت کی وہ یہ تھے کہ ہم ہر حال میں سمع و طاعت کریں گے چاہے ہمارے دل آمادہ ہوں یا نہ ہوں' چاہے ہم تنگی میں ہوں یا آسانی میں' اور چاہے ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے۔اور ہم نے اس معاملے میں آپ سے بیعت کی کہ ہم اپنے امراء سے ان کی امارت میں جھگڑا نہیں کریں گے۔آپ نے فرمایا: ہاں !سوائے اس کے کہ تم کفر صریح دیکھو کہ جس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ کے ہاں کوئی روشن دلیل ہو۔''

ہمارے خیال میں مرتد و ظالم حکمران کے خلاف خروج کے جواز میں اس روایت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس روایت کے معنی ومفہوم میں علمائے سلف کے ہاں اختلاف ہے۔ہاں' البتہ اس خروج کے جواز میں کچھ دوسرے دلائل نقل کیے جا سکتے ہیں۔اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اگر تمہارے پاس 'برہان' یعنی انتہائی روشن دلیل ہو تو تم کفر بواح کے مرتکب حکمران کے خلاف خروج کر سکتے ہو۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ روایت خروج کے مسئلے میں نہیں ہے۔اس روایت کے الفاظ میں خروج کا تذکرہ ہی نہیں ہے' زیادہ سے زیادہ بات سمع و طاعت کی ہے ۔اس روایت کا مفہوم امام

نووی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے اگر حکمران کفر بواح کا مرتکب ہو تو اس کی سمع و طاعت جائز نہیں ہے اور کفر سے مراد امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر قسم کی معصیت ہے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”والمراد بالكفر هنا المعاصي . . . ومعنى الحديث لا تنازعوا ولاة الأمور في ولايتهم ولا تعترضوا عليهم إلا أن تروا منهم منكراً محققاً تعلمونه من قواعد الإسلام فإذا رأيتم ذلك فأنكروه عليهم وقولوا بالحق حيث ما كنتم . “ ﴿۷﴾

''یہاں کفر سے مراد معصیت ہے...اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے حکمرانوں سے ان کی حکمرانی کے بارے میں جھگڑا نہ کرو اور ان پر اعتراضات نہ کرو سوائے اس کے کہ تم ان میں کوئی ثابت شدہ منکر دیکھو کہ جو اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہو۔پس جب تم حکمران میں کوئی ایسا منکر دیکھو تو اس منکر کا انکار کرو اور جہاں بھی ہو حق بات کہو۔''

جبکہ اس روایت کا ایک دوسرا مفہوم ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس روایت سے کفر بواح کے مرتکب حکمران کے خلاف خروج کے جواز کا حکم ثابت ہوتا ہے۔اس رائے کا جواز بھی یوں نکلتا ہے کہ 'تنازع' باب مفاعلہ سے ہے اور ''تنازع الأمر أهله'' کا معنی حکومت و امارت کو اس کے اہل سے کھینچنا بھی بن سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک اس حدیث کے الفاظ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی تائید کرتے ہیں کہ یہ روایت خروج کے مسئلے کو بیان ہی نہیں کر رہی ہے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کی تائید اس بات سے بھی ہو رہی ہے کہ اس حدیث کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ آپ نے صحابہ سے یہ بیعت ان ماتحت امراء کے بارے میں لی تھی کہ جن کو آپ وقتاً فوقتاً مختلف غزوات میں امیر مقرر کرتے رہتے تھے۔اور آپ کے زمانے میں آپ کے ان ماتحت امراء کے خلاف خروج کا کوئی مسئلہ زیر بحث ہی نہیں ہو سکتا تھا۔اسی لیے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر ''باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية'' کے نام سے باب باندھا ہے۔بہرحال دونوں معانی کی گنجائش اگرچہ روایت کے الفاظ میں موجود بھی ہو لیکن راجح معنی ہمیں پہلا ہی معلوم ہوتا ہے۔

یہ بات بھی درست ہے کہ کفر بواح کے مرتکب حکمران کے خلاف خروج علماء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے لیکن اس میں ان کا اختلاف ہے کہ اس خروج کے جواز کے دلائل کیا ہیں۔ بعض علماء نے اس خروج کے جواز کے لیے کفر بواح والی مذکورہ بالا روایت کو دلیل بنایا ہے جبکہ بعض علماء نے حکمران کے نماز نہ پڑھنے والی روایات سے اس خروج کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ اس مسئلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی مسلمان حکمران کے مرتد ہونے کی دو صورتیں ہیں:

۱ وہ خود اس بات کا اعلان کرے کہ اس نے دین اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ تو اس کے مرتد ہونے کی قطعی صورت ہے۔ اس صورت میں اس اعلان کے ساتھ ہی وہ مسلمانوں کی امامت سے معزول ہو جائے گا اور اہلیت و استطاعت کی صورت میں اس کے خلاف جہاد واجب ہوگا۔

۲ کوئی مسلمان حکمران نواقض اسلام میں سے کسی ناقض اسلام فعل کا مرتکب یا عقیدے کا حامل ہو اور وہ اپنے مسلمان ہونے کا مدعی ہو تو علماء کے کلام کی روشنی میں اس صورت میں اس کی تکفیر میں اگر تین باتوں کا لحاظ رکھا جائے تو اس کے خلاف خروج جائز ہوگا۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں:

1. اس کی تکفیر میں کوئی مانع نہ ہو مثلاً جہالت وغیرہ۔
2. وہ متأول نہ ہو' اگر وہ کسی نص کی تاویل کر رہا ہے تو اس کا علمی جواب دیا جائے گا۔
3. جن بنیادوں پر اس کی تکفیر کی جائے' وہ اتنی واضح ہوں کہ علماء کے مابین اس کی تکفیر میں اختلاف نہ ہونے کے برابر ہو۔

ان تین شرائط کے پائے جانے کے بعد اس حکمران کو علماء کی طرف سے اپنے اس عقیدے یا کفریہ فعل سے رجوع کی دعوت دی جائے گی اور وہ اس کے باوجود اس عقیدے یا کفریہ فعل پر مصر رہے تو اس کے خلاف خروج جائز ہوگا بشرطیکہ اس کی اہلیت و استطاعت موجود ہو اور اس تکفیر اور خروج کی اہلیت و استطاعت کا فیصلہ بھی متنوع مکاتب فکر کے علماء اور اسلامی تحریکوں کے رہنما کریں گے۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ جہاں تک کافر حکمران کا معاملہ ہے تو اس کے خلاف خروج یا بغاوت کی اصطلاح نہیں ہے بلکہ جہاد کی اصطلاح ہے۔ لہٰذا کافر حکمران اگر کسی مسلمان

ملک پر غاصبانہ قبضہ کر لے تو اس کے خلاف جہاد ہو گا بشرطیکہ اس جہاد کی اہلیت و استطاعت مسلمانوں میں موجود ہو۔مرتد حکمران کے خلاف خروج کی اصطلاح اس لیے استعمال کی گئی ہے کہ وہ اور اس کے لاؤلشکر اور پیروکار اس کو مسلمان سمجھ رہے ہوتے ہیں اور کلمہ شہادت کا اقرار بھی کرتے ہیں جبکہ علماء کا اجتماعی فتویٰ حکمران کے بارے میں تو تکفیر کا ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھی لاؤلشکر کی اجتماعی تکفیر مشکل امر ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے عقیدے کے بارے جاننا ایک ناممکن امر ہے۔

ظالم‘ بے نماز اور مرتد حکمرانوں کے خلاف خروج کی شرائط

خروج کی تمام اقسام میں چونکہ مسلمانوں کے مابین قتل و غارت اور فتنہ و فساد کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا اس کی کئی ایک شرائط علماء نے مقرر کی ہیں۔

1 خروج میں مسلمانوں کی بڑے پیمانے پر قتل و غارت‘ فتنہ وفساد اور امن و امان کی تباہی نہ ہو۔اگر ایسا ہو تو ظالم‘ بے نماز اور مرتد حکمران کے خلاف یہ خروج جائز نہیں ہو گا۔شیخ صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مهما كان الأمر الخروج على الحاكم ولو كان كفره صريحا مثل الشمس له شروط فمن الشروط أن لايترتب على ذلك ضرر أكبر بأن يكون مع الذين خرجوا عليه قدرة على إزالته بدون سفك دماء أما إذا كان لا يمكن بدون سفك دماء فلا يجوز لأن هذا الحاكم الذى يحكم بما يقتضى كفره له أنصار و أعوان لن يدعوه. . . لو فرض أنه كافر مثل الشمس فى رابعة النهار فلا يجوز الخروج عليه إذا كان يستلزم إراقة الدماء واستحلال الأموال.“ [71]

’’جیسا بھی معاملہ کیوں نہ ہو اور اگر حکمران کا کفر سورج کی طرح روشن ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کے خلاف خروج کی کچھ شرائط ہیں۔پس ان شروط میں ایک شرط یہ ہے کہ اس خروج کے نتیجے میں کوئی بڑا ضرر مرتب نہ رہا ہو یعنی جو لوگ حکمران کے خلاف خروج کر رہے ہیں‘ ان کے پاس بغیر مسلمانوں کی خون ریزی کیے حکمران کو ہٹانے کی قوت و طاقت موجود ہو۔پس اگر حکمران کو بغیر مسلمانوں کی

خونریزی کے ہٹانا ممکن نہ ہو تو یہ خروج جائز نہ ہوگا کیونکہ اس حکمران کے بھی اعوان و انصار ہوتے ہیں جو ایسے فیصلے کرتا ہے جو اس کے کفر کے متقاضی ہیں...پس اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ وہ حکمران دن چڑھے سورج کی طرح کافر ہو گیا ہے تو پھر بھی اس کے خلاف خروج اس صورت میں جائز نہیں ہو گا کہ جو صورت مسلمانوں کا خون بہانے اور ان کے مال کو حلال کرنے کو مستلزم ہو۔''

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فإذا كانت هذه الطائفة التى تريد إزالة هذا السلطان الذى فعل كفرا بواحا ويكون عندها قدرة على أن تزيله وتضع إماما طيبا دون أن يترتب على ذلك فساد كبير على المسلمين وشر أعظم من شر هذا السلطان فلا بأس' أما إذا كان الخروج يترتب عليه فساد كبير وواختلال الأمن وظلم الناس واغتيال من لا يستحق الاغتيال إلى غير هذا من الفساد العظيم هذا لا يجوز بل يجب الصبر والسمع والطاعة فى المعروف ومناصحة ولاة الأمور والدعوة لهم بالخبر والاجتهاد فى تخفيف الشر وتقليله وتكثير الخبر وهذا هو الطريق السوى الذى يجب أن يسلك لأن فى ذلك مصالح المسلمين عامة ولأن فى ذلك حفظ الأمن وسلامة المسلمين من شر أكثر." [42]

''پس اگر وہ گروہ جو کہ کفر بواح کے مرتکب حکمران کو معزول کرنا چاہتا ہے اور اس گروہ کے پاس اس حکمران کو معزول کرنے اور اس کی جگہ صالح حکمران کی تقرری کی قدرت وصلاحیت ہو بشرطیکہ اس عمل میں مسلمان کسی بڑے فساد کا شکار نہ ہوں اور اس عمل کے نتیجے میں کوئی ایسا شر پیدا نہ ہو جو حکمران کے شر سے بڑھ کر ہو تو پھر اس خروج میں کوئی حرج نہیں ہے۔لیکن اگر اس خروج کے نتیجے میں کوئی بڑا فساد پیدا ہو رہا ہو اور امن و امان تباہ ہو جائے اور لوگوں پر ظلم اور بے گناہوں کا اندھا دھند قتل عام بڑھ جائے اور اس سے کوئی بڑا فساد بر پا ہو جائے تو پھر ایسا خروج جائز نہیں ہے بلکہ اس صورت میں صبر کرنا اور حکمران کی معروف میں اطاعت کرنا اور حکمرانوں کو نصیحت کرنا اور ان کو خیر و بھلائی کی دعوت دینا اور ان

کے شر کو کم کرنے کی کوشش کرنا اور ان کے خیر کو بڑھانے میں محنت کرنا واجب ہے۔یہی وہ سیدھا رستہ ہے کہ جس پر چلنا ہمارے لیے واجب ہے کیونکہ اسی رستے پر چلنے میں مسلمانوں کی مصلحت عامہ ہے اور اسی طریقے کو اختیار کرنے میں امن و امان کی بقا اور بڑے شر سے مسلمانوں کی سلامتی ہے۔''

اسی رائے کا اظہار شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے بھی کیا ہے۔ [۴۳]

علماء نے عدم خروج کی حکمت کے طور پر اسی وجہ کو بیان کیا ہے۔ لہٰذا ہر ایسا خروج کہ جس میں فتنہ و فساد اور مسلمانوں میں باہمی قتل و غارت ہو' علماء اس کے مخالف ہیں۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خروج کی حرمت کا سبب ہی یہی ہے کہ اس سے مسلمانوں میں باہمی قتل و غارت کا رستہ ہموار ہوتا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"قال العلماء وسبب عدم انعزاله وتحريم الخروج عليه ما يترتب على ذلك من الفتن وإراقة الدماء وفساد ذات البين فتكون المفسدة في عزله أكثر منها في بقائه." [۴۴]

''علماء نے کہا ہے کہ (ظالم و فاسق) حکمران کے معزول نہ ہونے کا سبب اور اس کے خلاف خروج کی حرمت کی علت یہ ہے کہ اس قسم کے خروج سے فتنے جنم لیں گے اور مسلمانوں کا خون بہایا جائے گا اور مسلمانوں میں باہمی فساد پیدا ہو جائے گا۔پس حکمران کو معزول کرنے میں جو فساد ہے وہ اس کے باقی رہنے سے بڑھ کر ہے۔''

ابن ابی العز الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایسے خروج سے صبر بہتر ہے کہ جس سے مسلمانوں میں فتنہ و فساد ہو۔وہ لکھتے ہیں:

"وأما لزوم طاعتهم وإن جاروا فلأنه يترتب على الخروج عن طاعتهم من المفاسد أضعاف ما يحصل من جورهم." [۴۵]

''اگرچہ وہ حکمران ظلم کریں' پھر بھی ان کی اطاعت لازم ہے' یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کی اطاعت سے نکل جانے میں جو فساد و بگاڑ ہے وہ اس فساد سے کئی گنا زیادہ ہے جو ان کے ظلم کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔''

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عدم خروج کی یہی حکمت بیان فرمائی ہے:

”وأن طاعته خير من الخروج عليه لما فى ذلك من حقن الدماء وتسكين الدهماء.“ [۷۶]

''اوراس (یعنی ظالم حکمران) کی اطاعت اس کے خلاف خروج سے بہت بہتر ہے کیونکہ اس اطاعت کے ذریعے بہت سا خون گرنے سے بچایا اور باہمی اختلاف کرنے والی جماعتوں کو سکون میں لایا جا سکتا ہے۔''

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کسی شر کو ختم کرنے کے لیے امت مسلمہ میں جتنے بھی خروج ہوئے ہیں ان سے شر بڑھا ہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”وقل من خرج على إمام ذى سلطان إلا كان ما تولد على فعله من الشر أعظم مما تولد من الخير.“ [۷۷]

''اور جس نے بھی کسی صاحب اختیار حکمران کے خلاف خروج کیا تو اس کے اس خروج سے پیدا ہونے والا شر' اس سے پیدا ہونے والے خیر سے بہت بڑھ کر تھا۔''

ایک اور جگہ امام صاحب فرماتے ہیں:

”لأن الفساد فى القتال والفتنة أعظم من الفساد الحاصل بظلمهم بدون قتال ولا فتنة فلايدفع أعظم الفسادين بالتزام أدناهما ولعله لا يكاد يعرف طائفة خرجت على ذى سلطان إلا وكان فى خروجها من الفساد أكثر من الذى فى إزالته.“ [۷۸]

''کیونکہ حکمرانوں سے قتال اور اس سے پیدا ہونے والے فتنے کے حالات میں جو فساد حاصل ہوتا ہے وہ بغیر قتال و فتنے کے حالات میں حکمرانوں کے ظلم وستم سے حاصل ہونے والے فساد سے بڑھ کر ہے۔ پس دو فسادوں میں سے ادنیٰ فساد کو اختیار کرتے ہوئے بڑے فساد کو دور کیا جائے گا۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ہے کہ (تاریخ اسلامی میں) جس گروہ نے بھی کسی حکمران کے خلاف خروج کیا ہے تو اس کے خروج سے اس سے بڑھ کر فساد پیدا ہوا ہے جو اس حکمران کی موجودگی میں تھا۔''

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُمت مسلمہ کا کسی ظالم حکمران کے ساتھ ساتھ

سال گزارنا' بغیر امام کے ایک رات گزارنے سے بہتر ہے۔امام صاحب اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ظالم حکمران کے خلاف خروج کی صورت میں اُمت مسلمہ باہمی جنگ و جدال کا شکار ہو جائے اور کسی امام یا اجتماعیت ہی سے محروم ہو جائے تو یہ فتنہ اس سے بہت بڑا ہے کہ وہ امت کسی ظالم امام کی قیادت میں مجتمع ہو۔وہ فرماتے ہیں:

"ولهذا روى أن السلطان ظل الله فى الأرض ويقال ستون سنة من إمام جائر أصلح من ليلة واحدة بلا سلطان والتجربة تبين ذلك. ولهذا كان السلف كالفضيل بن عياض وأحمد بن حنبل وغيرهما يقولون لو كان لنا دعوة مجابة لدعونا بها السلطان." [9]

''اسی وجہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ حکمران زمین میں اللہ کا سایہ ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے: ظالم حکمران کے ساتھ ساٹھ سال گزارنا بغیر حکمران کے ایک رات گزارنے سے بہتر ہے اور تجربہ بھی اس کی گواہی دیتا ہے۔اسی وجہ سے سلف صالحین فضیل بن عیاض اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کہا کرتے تھے: اگر ہماری کسی دعا کو بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت کا پروانہ عطا ہوتا تو ہم ضرور حکمران کی اصلاح کی دعا کرتے۔''

جہادی تحریکوں سے وابستہ بعض جذباتی نوجوانوں کا خیال یہ ہے کہ پاکستان میں پاک آرمی کا کنٹرول ہو یا انڈیا کی آرمی کا' دونوں طاغوت ہیں لہٰذا ہمارے لیے برابر ہے۔پس پاکستانی حکومت کو کمزور کرو' چاہے اس کے نتیجے میں یہاں امریکہ یا انڈیا قابض ہو جائے تو پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ پہلے بھی طاغوت کی حکومت ہے اور امریکہ و انڈیا کے قبضے کے بعد بھی طاغوت ہی کی حکومت ہو گی۔زیادہ سے زیادہ یہ فرق ہو گا کہ ایک طاغوت کی جگہ دوسرا طاغوت لے لے گا۔اب ائمہ سلف صالحین کے مذکورہ بالا اقوال پر غور کریں اور اس کے بالمقابل ان نوجوانان پاکستان کے خیالات رکھیں تو سوچ میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہو گا۔

۲ اگر کفر صریح کی وجہ سے خروج ہو رہا ہے تو اس کفر صریح کا فیصلہ علماء کی ایک جماعت کرے گی نہ کہ کوئی ایک عالم دین یا نوخیز جذباتی نوجوان کیونکہ حکمران کی تکفیر ایک عام انسان کی تکفیر کی مانند نہیں ہے۔شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"فإذا بلغ إلى الكفر البواح الكفر الأكبر فإنه حينئذ لا بيعة له ولكن من الذى يحكم بكفره؟ لايحكم بكفره إلا الراسخون فى العلم الذين يصدرون عن كتاب الله و سنة رسول اللهﷺ ولا يصدرون عن الأهواء." [80]

''پس اگر حکمران کا کفر' کفر بواح یا کفر اکبر تک پہنچ جائے تو اس وقت اس کی بیعت جائز نہیں ہے۔لیکن کون اس حکمران کے کفر کا فیصلہ کرے گا؟اس حکمران کے کفر کا فیصلہ صرف وہ راسخون فی العلم کریں گے جو کتاب اللہ اور سنت رسول سے فتویٰ جاری کرتے ہیں نہ کہ اپنی خواہشات سے۔''

۳ اگر حکمران کے کفر صریح یا ظلم یا نماز میں کوئی شبہ ہو تو اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہو گا۔شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"يعنى أنه لو قدرنا أنهم فعلوا شيئا نرى أنه كفر لكن فيه احتمال أنه ليس بكفر فإنه لا يجوز أن ننازعهم أن نخرج عليهم." [81]

''مراد یہ ہے کہ اگر ہم یہ سمجھیں کہ حکمرانوں نے جو کام کیا ہے وہ کفر ہے لیکن اس فعل کے کفر یہ نہ ہونے کا بھی احتمال موجود ہو تو پھر ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم ان سے امارت چھیننے کی کوشش کریں یا ان کے خلاف خروج کریں۔''

۴ اگر کفر کی وجہ سے حکمران کے خلاف خروج ہو رہا ہو تو وہ کفر ایسا ہو جو علماء کے ہاں متفق علیہ ہو۔یعنی ایسا نہ ہو کہ بعض علماء تو حکمران کے کفر کے فتوے جاری کر رہے ہوں اور بعض اس کی تکفیر کے قائل نہ ہوں۔مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے 'امداد الفتاویٰ' میں لکھا ہے کہ ((إلا أن تروا كفرا بواحا)) میں 'رأی' کا ایک مفعول لایا گیا ہے جو اس بات کا متقاضی ہے کہ یہ کفر ایسا صریح ہو کہ ہر کسی کو نظر آئے اور علماء کا اس کفر کے کفر ہونے پر اتفاق ہو یعنی علماء کے ہاں وہ کفر متفق علیہ ہو۔مولانا تقی عثمانی حفظہ اللہ نے بھی شرح مسلم میں مولانا کے اس قول کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ [82]

۵ اگر کفر بواح کی بنیاد پر حکمران کے خلاف خروج کیا جا رہا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ حکمران کے جن افعال پر کفر بواح کا فتویٰ لگایا جا رہا ہے' وہ ان میں متاول تو نہیں ہے۔اگر تو حکمران کے لیے خروج کرنے والوں کے الزامات کی کوئی مناسب تردید موجود

ہوتو اس حکمران کے خلاف خروج جائز نہ ہوگا۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"فإن كان الخروج عن طاعة الحكم بالسيف أى بالقوة المادية العسكرية من فئة لها قوة وشوكة. . . فإن كان لهم شبهة فى خروجهم وهو ما يعبر عنه الفقهاء بأن لهم تاويلا سائغا أى له وجه ما كأن يعترضوا على بعض المظالم الواقعة أو على التقصير فى تطبيق بعض جوانب الشريعة أو التهاون مع أعداء الدين والأمة بالتمكين لقواتهم أو جنودهم من أرض الاسلام أو غير ذلك مما له وجه وإن كان الرد عليه ممكنا وميسورا فهؤلاء (بغاة) كما سماهم الفقهاء فى المذاهب المختلفة وقتال البغاة مشروع لقول الله تعالى ﴿فقاتلوا التى تبغى حتى تفىء إلى أمر الله﴾ وللحديث من أتاكم وأمركم جميع على رجل واحد يريد أن يشق عصاكم ويفرق جماعتكم فاقتلوه." [۸۳]

''پس اگر حکمران کی اطاعت سے خروج تلوار یعنی مادی و عسکری قوت کے ساتھ کسی ایسے گروہ کی طرف سے ہو جس کے پاس قوت و شان و شوکت ہو...پس اگر تو حکمرانوں کو اس گروہ کے خروج میں کوئی شبہ ہو یعنی فقہاء کی زبان میں ہم یہ کہیں گے کہ حکمرانوں کے پاس اس گروہ کے اعتراضات کی کوئی آسان تاویل موجود ہو' چاہے یہ اعتراضات کسی بھی نوعیت کے ہوں مثلاً خروج کرنے والے حکمرانوں پر یہ اعتراض کریں کہ انہوں نے کچھ ظلم کیے ہیں یا وہ یہ الزام عائد کریں کہ حکمرانوں نے بعض گوشوں میں شریعت اسلامیہ کی تطبیق میں کوتاہی کی ہے یا وہ یہ اعتراض کریں کہ حکمرانوں نے امت مسلمہ اور دین اسلام کے دشمنوں' ان کی افواج اور لشکروں کے مسلمان ممالک پر قبضے کے بارے میں سستی کا مظاہرہ کیا ہے یا اس کے علاوہ وہ کوئی اور اعتراض وارد کریں۔ پس اگر اس اعتراض کا رد ممکن اور آسان ہو تو پھر یہ خروج کرنے والے باغی کہلائیں گے جیسا کہ مختلف فقہی مذاہب میں فقہاء نے ان کو یہ نام دیا ہے۔ ایسے باغیوں سے قتال اللہ تعالیٰ کے اس قول

کے مطابق مشروع ہے: پس تم قتال کرو ان لوگوں سے جو بغاوت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں۔ اور اس حدیث کی وجہ سے بھی ایسے باغیوں سے قتال ہو گا کہ جس میں ہے: جب تمہارے پاس کوئی شخص اس حالت میں آئے کہ تم سب ایک شخص کی قیادت میں مجتمع ہو اور وہ شخص تمہارے اقتدار کو ختم اور اجتماعیت کو توڑنا چاہے تو اس کو قتل کر دو۔''

٦ حکمران کے خلاف خروج اس وقت جائز ہے جبکہ خروج کرنے والوں کے پاس اس خروج کی اہلیت و استطاعت ہو یعنی اس بات کا غالب امکان ہو کہ اس خروج کے نتیجے میں ظالم' بے نماز اور کفر بواح کا مرتکب حکمران معزول اور عادل حکمران کی تقرری ہو جائے گی۔ ابن تین' داؤدی رحمہما اللہ سے نقل کرتے ہیں:

"الذی علیه العلماء فی أمراء الجور أنه إن قدر علی خلعه بغیر فتنة ولا ظلم وجب وإلا فالواجب الصبر." [84]

'' ظالم حکمرانوں کے بارے میں علماء کا جو موقف ہے وہ یہ ہے اگر اس ظالم حکمران کی معزولی بغیر فتنے اور ظلم کے ممکن ہو تو پھر ایسا کرنا واجب ہو گا ورنہ صبر کرنا واجب ہے۔''

پس ان شرائط کی موجودگی میں خروج جائز ہے اور اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو گی تو خروج جائز نہیں ہو گا' چاہے ظالم و فاسق مسلمان حکمران ہو یا مرتد یا کافر ہو۔ واللہ اعلم بالصواب!

*****

مصادر ومراجع

1-Rashid, Asif Zardari Drinking Wine, Retrieved 09 June, 2012 from http://www.youtube.com/watch?v=M3Vie0Od0gI

2-Vedio Manics, Gilani Sherry Rehman, Retrieved 09 June, 2012 from http://www.youtube.com/watch?v=eMBy_OIJM6Q

٣۔مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشیری، المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم المسمی بالجامع الصحیح

أوصحيح المسلم، كتاب الإمارة، باب خيار الأئمة و شرارهم، دار إحياء التراث العربى، بيروت، ٣/ ١٤٨١
٤۔صحيح المسلم، كتاب الإمارة، وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن، ٣/ ١٤٧٧
٥۔ أيضاً: ٣/ ١٤٧٦
٦۔البخارى محمد بن إسماعيل أبو عبد الله الجعفى، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه المسمى بصحيح البخارى، كتاب الفتن، باب قول النبى من حمل علينا السلاح فليس منا، دار ابن كثير، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٩٨٧ء، ٦/ ٢٥٩١
٧۔صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبى صلى الله عليه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله كفر، ١/ ٨١
٨۔صحيح البخارى، كتاب الفتن، باب قول النبىﷺ لا ترجعوا بعدى كفارا، ٦/ ٢٥٩٢
٩۔صحيح البخارى، كتاب الفتن، باب قول النبىﷺ لا ترجعوا بعدى كفارا، ٦/ ٢٥٩٣
١٠۔الترمذى محمد بن عيسىٰ أبو عيسىٰ، الجامع الكبير المسمى بالجامع الصحيح أو سنن الترمذى، أبواب الفتن عن رسول الله، باب ما جاء فى اتخاذ سيف من خشب فى الفتنة، دار الغرب الإسلامى، بيروت، ١٩٩٨ء، ٤/ ٦٠
١١۔ألبانى محمد ناصر الدين العلامة، صحيح سنن الترمذى: ٢٢٠٣، مكتب التربية لدول الخليج، الطبعة الأولى، ١٤٠٨ھ۔
١٢۔أبوداؤد سليمان بن الأشعث السجستانى، سنن أبى داؤد، كتاب الفتن والملاحم، باب فى النهى عن السعى فى الفتنة، المكتبة العصرية، بيروت، ٤/ ١٠٠

١٣۔صحیح سنن الترمذی : ٢٢٠٤
١٤۔المائدة : ٥ : ٢٨۔٢٩
١٥۔صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب إن الله یؤید الدین بالرجل الفاجر، ٣/ ١١١٤
١٦۔صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب کیف الأمر إذا لم تکن جماعة، ٦/ ٢٥٩٥
١٧۔النووی أبو زکریا یحی بن شرف، المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، الطبعة الثانیة، ١٣٩٢هـ، ١٢/ ٢٢٩
١٨۔أیضاً
١٩۔ابن تیمیة أحمد بن عبد الحلیم الإمام، مجموع الفتاوی، دار الوفاء، الطبعة الثالثة، ٢٠٠٥ء، ١٤/ ٤٧٢
٢٠۔الحاکم محمد بن عبد الله النیسابوری، المستدرك علی الصحیحین، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی، ١٩٩٠ء، ٣/ ٢١٥
٢١۔سنن أبی داؤد، کتاب الملاحم، باب الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر، ٤/ ١٢١
٢٢۔صحیح المسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیرمعصیة، ٣/ ١٤٦٩
23-Al-Sharqiyyah, Halil Muzaharat Alsalmiyyah Halal um Haram, Retrieved 09 June, 2012 from http://ejabat.google.com/ejabat/thread?tid=3998648d1894d69e&pli=1
٢٤۔ابن حجر العسقلانی أحمد بن علی بن محمد، فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبیﷺ سترون بعدی أمورا تنکرونها، دار المعرفة بیروت، ١٣٧٩هـ، ١٣/ ٧٨

٢٥ـصحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن، ٣/ ١٤٧٥
٢٦ـصحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فى طاعة الأمراء وإن منعوا الحقوق، ٣/ ١٤٧٤
٢٧ـالمنهاج شرح صحيح المسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية، ١٢/ ٢٢٩
٢٨ـفتح البارى، كتاب الفتن، باب قول النبىﷺ سترون بعدى أمورا تنكرونها، ١٣/ ٧
٢٩ـأبو الحسن الأشعرى على بن إسماعيل بن إسحاق، رسالة إلى أهل الثغر، مكتبة العلوم والحكم، دمشق، الطبعة الأولى، ١٩٨٨ء، ص٢٩٦ـ٢٩٧
٣٠ـالصابونى أبو عثمان على بن عبد الرحمن، عقيدة السلف وأصحاب الحديث، دارالعاصمة، الرياض، الطبعة الثانية، ١٩٩٨ء، ص٢٩٤
٣١ـابن أبى العز الحنفى، شرح الطحاوية فى العقيدة السلفية، الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد، الرياض، ١٤١٣هـ، ص٣٧١
٣٢ـالتفتازانى سعد الدين مسعود بن عمر بن عبد الله، شرح العقائد النسفية، مكتبة الكليات الأزهرية، الطبعة الأولى، ١٩٨٧ء، ص ١٤٤
٣٣ـابن المفلح الحنبلى عبد الله محمد، الآداب الشرعية، فصل الإنكار على السلطان والفرق بين البغاة والإمام الجائر، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٩٩٩ء، ١/ ١٩٦
٣٤ـابن جرير الطبرى أبو جعفر محمد بن جرير بن يزيد، تاريخ الرسل والملوك، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٧هـ، ٣/ ٣٦١
٣٥ـأيضاً : ص٦٣٥
٣٦ـأيضاً : ٤/ ٤٣١
٣٧ـأيضاً : ص٤٢٥
٣٨ـالمنهاج شرح صحيح المسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فى

غير معصية، ١٢/ ٢٢٩
٣٩۔ شوقی خليل الدكتور، الزاهدون فی المناصب، دار الفكر، دمشق، الطبعة الأولى، ٢٠٠٢ء، ص٩٥۔١٠٠
٤٠۔الطحاوی أبو جعفر الحنفی، متن العقيدة الطحاوية، دار ابن حزم، الطبعة الأولى، ١٩٩٥ء ص٧، ٢٤
٤١۔شرح الطحاوية فی العقيدة السلفية : ص٣٧٣۔٣٧٤
٤٢۔السرخسی محمد بن أحمد، السير الكبير مع شرحه، باب مايجب من طاعة الوالی وما لايجب، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٩٩٧ء، ١/ ١١٨
٤٣۔ابن عابدين محمد أمين بن عمر الدمشقی، ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دار الفكر، بيروت، الطبعة الثانية، ١٩٩٢ء، ١/ ٥٤٩
٤٤۔الجصاص أبو بكر أحمد بن علی الرازی، أحكام القرآن، دار إحياء التراث العربی، بيروت، ١٤٠٥هـ، ١/ ٨٦۔٨٧
٤٥۔أيضاً
٤٦۔أيضاً
۴۷۔مودودی ابو الأعلی سید، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، چھبیسویں اشاعت، ۲۰۰۰ء، ص۲۶۸
۴۸۔أیضاً: ص۲۷۰
۴۹۔ابو زہرہ مصری، حیات الامام ابی حنیفہ، مترجم غلام احمد حریری پروفیسر، المکتبہ السّلفیہ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص۷۲
٥٠۔ الحج : ٢٢ : ٣٩
٥١۔النساء : ٤ : ٧٥
٥٢۔الحجرات : ٤٩ : ٩
٥٣۔الشورى : ٤٢ : ٣٩
٥٤۔البقرة : ٢ : ١٩٤
٥٥۔الحجرات : ٤٩ : ٩
٥٦۔الشورى : ٤٢ : ٣٩

۵۷۔البقرۃ : ۲ : ۱۹۴
۵۸۔الحجرات : ۴۹ : ۹
۵۹۔النساء : ۴ : ۷۷
۶۰۔اویس پاشا قرنی،اقامت دین : فرضیت اور طریق کار چند مباحث،انجمن خدام القرآن، کراچی، ۲۰۱۱ء، ص۵۱۔۶۰
٦١۔الحجرات : ٤٩ : ٩
٦٢۔ابن تيمية أحمد بن عبد الحليم الإمام، منهاج السنة النبوية، مؤسسة قرطبة، الطبعة الأولى، ١٤٠٦هـ، ٣/ ٢٣٠۔ ٢٣١
٦٣۔أيضاً : ٤/ ٣١٣۔ ٣١٤
٦٤۔صحيح المسلم، كتاب الإمارة، باب فى طاعة الأمراء وإن منعوا الحقوق، ٣/ ١٤٧٤
٦٥۔صحيح المسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ١/ ٨٨
٦٦۔وهبة الزحيلى الدكتور، الفقه الإسلامى وأدلته، دار الفكر، دمشق، الطبعة الثانية عشرة، ١/ ٦٥٩۔٦٦٠
٦٧۔صحيح المسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب الإنكار على الأمراء فيما يخالف الشرع، ٣/ ١٤٨٠
٦٨۔صحيح المسلم، كتاب الإمارة، باب خيار الأئمة وشرارهم، ٣/ ١٤٨١
٦٩۔صحيح المسلم‘ كتاب الإمارة‘ باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية، ٣/ ١٤٦٩
٧٠۔المنهاج شرح صحيح المسلم، كتاب الإمارة‘ باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية، ١٢/ ٢٢٩
٧١۔فتح البارى شرح صحيح البخارى، كتاب الفتن، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم سترون بعدى أمورا تنكرونها، ١٣/ ٨
71-Jomana Al-salafeyyah, Ibne Uthaimeen Yohavir o Al-Musalliheen, Retrieved 14June, 2012 fromhttp://www.djelfa.info/vb/showthread.php?t=971108&pgae=2

٧٢۔بن باز الشیخ عبد العزیز بن عبد الله بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد الله آل باز، مجموع الفتاوی، الرئاسة العامة للبحوث العلمیة والافتاء، الریاض، ٨/ ٢٠٤
73-Ahmed Al-faifi, Fatawa Ulama fil Kurooj Alal Hakim Alkafir, Retrieved 14 June, 2012 from http://www.al-faifi.com/articles-action-show-id-75.htm
٧٤۔المنهاج شرح صحیح المسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة، ١٢/ ٢٢٩
٧٥۔شرح الطحاویة فی العقیدة السلفیة : ص٣٧٣۔٣٧٤
٧٦۔فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبیﷺ سترون بعدی أمورا تنکرونها، ١٣/ ٧
٧٧۔منهاج السنة النبویة : ٤/ ٣١٣۔٣١٤
٧٨۔منهاج السنة النبویة : ٣/ ٢٣٠
٧٩۔مجموع الفتاوی : ٢٨/ ٣٩٠
80-Shaikh Salih Alfawzan, Al-khurooj Alal Wulat, Retrieved 14 June, 2012 from http://www.alathary.net/vb2/archive/index.php/t-756.html81-Shaikh Mohammad Alothaimeen, Al-amr Bil Maroof wa Nahi Anil Munkir, Retrieved 14 June, 2012 from http://www.ibnothaimeen.com/all/books/article_18033.shtml
٨٢۔تقی عثمانی مفتی، تکملة فتح الملهم شرح صحیح المسلم، مکتبة دار العلوم، کراچی، ٣/ ٣٢٨۔٣٢٩
83-Faqid Ahsas, Halil Muzaharat Alsaleemah Halal aw Haram, Retrieved 14 June, 2012 from http://ejabat.google.com/ejabat/thread?tid=3998648d1894d69e
٨٤۔فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبیﷺ سترون بعدی أمورا تنکرونها، ١٣/ ٧٨

*****

باب پنجم

معاصر جہاد: ایک تجزیاتی مطالعہ

باب پنجم

معاصر جہاد: ایک تجزیاتی مطالعہ

جہاد کشمیر

کشمیر میں بہت سی جہادی تحریکیں کام کر رہی ہیں جن میں حزب المجاہدین' جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ' حرکۃ الانصار' تحریک جہاد' جمعیت المجاہدین' الجہاد' تحریک المجاہدین' العمر مجاہدین' مسلم جانباز فورس' حزب اللہ' الفتح' حزب المؤمنین اور جموں و کشمیر اسلامک فرنٹ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تیرہ عسکری جماعتیں متحدہ جہاد کونسل کی ممبر بھی ہیں کہ جس کی بنیاد ۱۹۹۰ء میں رکھی گئی۔ متحدہ جہاد کونسل کا ہیڈ کوارٹر مظفر آباد میں ہے۔ ان عسکری تنا ظیم کے علاوہ لشکر طیبہ' جیش محمد اور البدر بھی معروف جماعتیں ہیں۔

جہاد کشمیر کے بارے میں صحیح موقف یہی ہے کہ یہ جہاد فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مظلوم مسلمانوں کے لیے جہاد و قتال کو امت مسلمہ پر فرض قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَان الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾[1]

''اور اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے رستے میں قتال کیوں نہیں کرتے جبکہ کمزور مرد' عورتیں اور بچے کہہ رہے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال کہ جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی ولی یا مددگار مقرر فرما۔''

کشمیر کا جہاد فرض ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کس پر فرض ہے؟ اس بارے کئی ایک موقف موجود ہیں۔ ایک موقف کے مطابق کشمیر کا جہاد حکومت پاکستان اور ریاستی افواج

پر فرض ہے جو اس کی کامل استطاعت واہلیت بھی رکھتے ہیں اور اس کے ذمہ دار بھی ہیں جبکہ پاکستانی عوام پر یہ جہاد فرض عین نہیں ہے۔ اس بارے عامۃ الناس کا فرض یہی ہے کہ وہ اُس جماعت کو جہاد و قتال پر آمادہ کریں جو کہ اس کی استطاعت و اہلیت رکھتی ہے۔ عوام الناس کروڑوں نہیں بلکہ اربوں روپے کا ٹیکس اسی لیے ادا کرتے ہیں کہ سکیورٹی فورسز عوام اور ملکی جغرافیائی حدود کی حفاظت کریں۔ پس اس موقف کے مطابق کشمیر کا جہاد اصلاً ریاستی افواج کی ذمہ داری ہے اور اگر اس میں مجاہدین کی معاونت بھی شامل ہو جائے تو یہ سونے پر سہاگہ ہے۔ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد افواج پاکستان کے ساتھ مل کر جب مجاہدین نے کارروائیاں کیں تو موجودہ آزاد کشمیر ہمیں حاصل ہوا اور اس کی تازہ ترین مثال کارگل کی جنگ ہے جو افواج اور مجاہدین کے باہمی تعاون کی وجہ سے تقریباً جیتی جا چکی تھی۔ لہٰذا کشمیر کی آزادی کے مسئلے کا حل یہ ہے کہ اس محاذ پر پاکستانی افواج لڑیں جو اس خطہ ارضی کو دشمن کے پنجہ سے آزاد کرانے کی استطاعت و صلاحیت بھی رکھتی ہیں اور ان کی بنیادی ذمہ داری بھی یہی ہے اور اسی کی وہ تنخواہ بھی لیتی ہیں۔ اس موقف کے مطابق کشمیر میں عوامی جہادی تحریکوں کی جدوجہد سے انڈیا کو کچھ جانی و مالی نقصان تو پہنچایا جا سکتا ہے لیکن وہاں کوئی اسلامی ریاست قائم نہیں کی جا سکتی جس کے اسباب درج ذیل ہیں:

1. بلاشبہ کشمیر میں اس وقت جس قدر جہاد و قتال ہو رہا ہے وہ سکیورٹی فورسز اور ایجنسیوں کے کسی درجہ میں تعاون سے ہی ہو رہا ہے۔ اس تعاون کے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ فوائد کا پہلو تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں جبکہ نقصان یہ ہے کہ اس تعاون کی صورت میں اصل مقاصد ایجنسیوں کے پورے ہوتے ہیں نہ کہ جہادی تحریکوں کے۔ اگر تو دونوں کے مقاصد متفق ہو جائیں تو فبہا بصورت دیگر قربانیاں مجاہدین دیتے ہیں اور نتائج ایجنسیوں کے مرضی کے حاصل ہوتے ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جہادی تحریکوں کی گوریلا کارروائیوں کے سبب سے انڈیا کی تقریباً آٹھ سے دس لاکھ فوج مقبوضہ کشمیر میں مصروف عمل ہے۔ اگر کشمیر کا مسئلہ حل ہو جائے تو انڈیا کی یہ اضافی فورسز کہاں جائیں گی؟ صاف ظاہر ہے یہ پاکستان کے بقیہ بارڈرز پر جنگی مشقیں کر کے ہمارے مقتدر طبقہ کی نیندیں حرام کر دیں گی۔ دوسرا فائدہ

سیکولر ذہن رکھنے والے مقتدر طبقہ کو یہ بھی حاصل ہے کہ پاکستان میں جس قدر مذہبی جوش وجذبہ موجود ہے اس کو کشمیر وغیرہ میں استعمال کیا جائے تا کہ نوجوانوں کی ایمانی قوت اور تحریک کا کوئی مثبت یا دعوتی استعمال پاکستان میں نہ ہو۔ وہی مجاہدین جو کشمیر میں قربانیاں پیش کر رہے ہیں اگر پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی کوئی پُر امن جدوجہد شروع کر دیں تو اس صورت میں پاکستان کے حکمرانوں کے لیے بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ سوات میں مولانا صوفی محمد صاحب کی 'تحریک نفاذ شریعت محمدی' اس کی بہترین مثال ہے کہ جب اس تحریک کے ہزاروں کارکنان امریکہ کے خلاف جہاد کے لیے افغانستان گئے تو انہیں ریاست وحکومت کی خاموش حمایت حاصل تھی لیکن جب انہوں نے بذریعہ احتجاج مالاکنڈ ڈویژن میں نفاذ شریعت کا مطالبہ کیا تو انہیں تصویر عبرت بنا دیا گیا۔

صورت حال یہ ہے کہ کشمیر کی جہادی تحریکیں یہ سمجھتی ہیں کہ وہ ایجنسیوں کو استعمال کر رہی ہیں اور ایجنسیوں کا یقین یہ ہے کہ جہادی تحریکیں ان کی آلہ کار ہیں ۔ جہادِ کشمیر کا ایجنسیوں پر انحصار جہاں کچھ فوائد کا حامل ہے وہاں کچھ بڑے نقصانات کا سبب بھی ہے۔مثلاً کارگل کے محاذ پر امریکہ کے حکم پر جب پاکستانی افواج نے پسپائی اختیار کی تو مجبوراً مجاہدین کو بھی ایسا کرنا پڑا اور بڑے پیمانے پر نہ صرف جانی ومالی نقصان ہوا بلکہ مجاہدین کے تعاون سے جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہوگئی۔

۲ کشمیر کی جہادی تحریکوں کا ایک قابل اعتراض پہلو ان کے باہمی مسلکی اور قیادت کے اختلافات بھی ہیں۔ہم یہاں یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ کشمیر کی معروف جہادی تحریکوں کا ایک مختصر تاریخی پس منظر قارئین کے سامنے رکھیں۔شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۸۰ء میں افغان جہاد کے دوران 'حرکۃ الجہاد الاسلامی' نامی تحریک کی بنیاد رکھی۔۱۹۸۵ء میں بعض اختلافات کی بنیاد پر اس تحریک سے کچھ مجاہدین الگ ہوئے اور انہوں نے 'حرکۃ المجاہدین' کے نام سے اپنی ایک الگ تنظیم بنا لی ۔۱۹۸۹ء میں 'حرکۃ المجاہدین' کے مجاہدین سوویت یونین کی جنگ ختم ہونے کے بعد کشمیر میں داخل ہوئے۔

۱۹۹۳ء میں مولانا مسعود اظہر کی کوششوں سے 'حرکۃ الجہاد الاسلامی' اور 'حرکۃ المجاہدین' میں اتحاد ہو گیا اور اس جماعت کا نیا نام 'حرکۃ الأنصار' رکھا گیا اور اسی سال مولانا سری نگر میں انڈین فورسز کی قید میں چلے گئے۔۱۹۹۷ء میں امریکہ نے اس جماعت

کو دہشت گرد جماعت قرار دیا جس کی وجہ سے اس کا نام دوبارہ تبدیل کر کے 'حرکۃ المجاہدین' رکھا گیا۔

۱۹۹۹ء میں انڈیا کے ایک مسافر طیارے کے اغواء کیس میں مولانا مسعود اظہر کی رہائی ممکن ہوئی تو انہوں نے ۲۰۰۰ء میں ایک نئی جہادی تحریک 'جیش محمدؐ' کی بنیاد رکھی۔ 'حرکۃ المجاہدین' کے بہت سارے کارکن مولانا کی اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ 'حرکۃ الجہاد الاسلامی' سے لے کر 'جیش محمدؐ' تک اور اس کے علاوہ بھی دیوبندی مکتب فکر کی اکثر و بیشتر جہادی تحریکوں میں ایسے افکار موجود ہیں کہ جن کے مطابق حربی (combatants) کفار کے ساتھ عام کافر شہریوں (civilians) کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ علاوہ ازیں یہ جماعتیں پاکستانی حکمرانوں اور افواج پر امریکہ کی حمایت کی وجہ سے کفر کا فتویٰ لگاتی ہیں اور ان کے ساتھ قتال کو واجب قرار دیتی ہیں جس کا عملی مظاہرہ ہم سوات وغیرہ میں مولانا فضل اللہ کی تحریک کی صورت میں دیکھ چکے ہیں۔

دوسری طرف ۱۹۹۰ء میں اہل حدیث مکتبہ فکر کی طرف سے افغانستان میں 'لشکر طیبہ' کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ پاکستان میں موجود اہل حدیث کی معروف تحریک 'جماعۃ الدعوۃ' کا ایک عسکری شعبہ ہے۔ ۲۰۰۰ء کے دوران پاکستانی ایجنسیوں نے 'حرکۃ المجاہدین' کے انتہائی نظریات کی وجہ سے اس سے ہاتھ کھینچنا شروع کر دیے اور 'جیش محمدؐ' اور 'لشکر طیبہ' کو باقاعدہ پلاننگ کے تحت آگے لایا گیا۔ ۲۰۰۳ء میں 'جیش محمدؐ' کو بھی امریکہ کے دباؤ پر بین کر دیا گیا۔ 'لشکر طیبہ' پر پابندی لگانے کے لیے بھی حکومت پاکستان پر امریکہ کی طرف سے کافی دباؤ ڈالا گیا لیکن حکومت پاکستان کی طرف سے بظاہر اگرچہ اس جماعت کے ساتھ تعاون میں کمی واقع ہوئی ہے لیکن تا حال اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی جس کی اصل وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ 'لشکر طیبہ' اور ایجنسیوں کے درمیان باہمی اعتماد کی فضا تا حال قائم ہے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ لشکر طیبہ کی قیادت کے برعکس ان کے بعض مجاہدین کا اعتماد اب ایجنسیوں سے اٹھ گیا ہے اور پاکستانی سکیورٹی فورسز کے خلاف ہونے والے قتال میں لشکر سے علیحدہ ہونے والے مجاہدین کی بھی ایک جماعت شامل ہے کہ جن کا لٹریچر اور ویڈیوز کثرت سے دستیاب ہیں۔ اگرچہ 'جماعۃ الدعوۃ' کی قیادت اس حقیقت کو

کسی طور بھی تسلیم نہیں کرے گی لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ پاکستانی سکیورٹی فورسز یا سابقہ فوجی حکمرانوں کے بارے اس جماعت کے حد درجہ نرم رویے کی وجہ سے اس وقت عام جہادی وتحریکی عناصر میں ان کی مقبولیت کا گراف بہت تیزی سے گر رہا ہے۔

جو لوگ بھی 'جیش محمد' اور 'لشکر طیبہ' کی عسکری تربیت کے نظام سے گزرے ہیں وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان جماعتوں کے معسکرات میں عسکری تربیت کے ساتھ مسلکی وابستگی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ دونوں مکاتب فکر کے معسکرات میں تقاریر و دروس کے ذریعے احسن طریقے سے ایک دوسرے کے مسلک کا رد کیا جاتا ہے۔ اور اب تو صورت حال یہ ہے کہ ایک ہی مسلک کی دو جہادی تنظیموں کے درمیان بھی اتفاق نہیں ہے۔

'تحریک طالبان پاکستان' اور 'لشکر طیبہ' بھی اس وقت شدید باہمی تناؤ کی کیفیت سے گزر رہی ہیں کیونکہ مقدم الذکر جہادی تحریک پاکستانی سکیورٹی فورسز کے خلاف جہاد کر رہی ہے تو مؤخر الذکر ان کے تعاون سے جہاد کر رہی ہے۔ اللہ نہ کرے لیکن امکان موجود ہے کہ یہ تناؤ جہادی تحریکوں کے مابین کسی بگاڑ کا باعث نہ بن جائے۔ ان دونوں جماعتوں میں فکری جنگ وجدال کا کسی قدر اندازہ طالبان پاکستان کے اردو فورم 'باب الاسلام' اور جماعۃ الدعوۃ کے کارکنان کے فورم 'الصادقین' کے مباحثوں اور مکالموں سے لگایا جا سکتا ہے۔

جہاں تک پاکستان میں جہادی تحریکوں مثلاً جماعۃ الدعوۃ وغیرہ کے ویلفیئر، تعلیم اور صحت کے شعبہ میں خدمات کا تعلق ہے تو وہ واقعتاً نہ صرف قابل تعریف بلکہ خراج تحسین کے لائق ہیں۔ جماعۃ الدعوۃ کے امیر جناب پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب کی فراست اور بصیرت اس اعتبار سے بھی لائق تحسین ہے کہ انہوں نے اپنی جماعت کو مسلمانوں کے مابین کسی باہمی جنگ وجدال یا خانہ جنگی کا حصہ نہیں بننے دیا اور اپنا ٹارگٹ صرف اور صرف کفار ومشرکین ہی کو قرار دیا۔

۳ اگر مقبوضہ کشمیر آزاد ہو جائے' اور اللہ کرے گا کہ ہو جائے گا' تو مستقبل کے کشمیر کی تین صورتیں بنتی ہیں:

1. اس کا الحاق ایک آزاد ریاست کے طور پر انڈیا سے ہو جائے جو کہ ناممکن اور ناقابل عمل صورت ہے۔

۲ مقبوضہ کشمیر پاکستان کا ایک صوبہ بن جائے۔ یہ صورت حال بھی کوئی آئیڈیل نہیں ہے کیونکہ تمام جہادی تحریکوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پاکستان میں موجود نظام طاغوتی ہے لہٰذا کیا مجاہدین کی شہادتوں اور قربانیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک اور خطہ ارضی میں طاغوتی نظام قائم ہو جائے؟

۳ مقبوضہ کشمیر ایک آزاد مسلمان ریاست کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرے۔ اس صورت میں بھی غالب امکان یہی ہے کہ کشمیر میں بر سر پیکار سیاسی' سماجی اور جہادی تنظیموں کے باہمی قیادت و سیادت کے اختلافات کا بہانہ بنا کر امریکہ یہاں قبضہ کر لے۔ امریکہ کے لیے اس وقت کشمیر جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے بہترین سرزمین ہے کیونکہ اس کی سرحدیں تین ایٹمی طاقتوں چین' انڈیا اور پاکستان سے ملتی ہیں۔ علاوہ ازیں امریکہ کے بدترین مخالفین روس اور ایران بھی اس علاقے میں ہیں۔ لہٰذا انڈیا سے آزادی کی صورت میں کشمیر کے لیے ایک خود مختار' آزاد ریاست کے طور پر زندہ رہنا ایک مشکل ہی نہیں ناممکن امر محسوس ہوتا ہے۔

۴ اگر تیسرے آپشن پر مزید بحث بڑھائی جائے کہ کشمیر' انڈیا سے آزاد ہونے کے بعد ایک خود مختار اور آزاد ریاست کے طور پر قائم رہ سکتا ہے' جیسا کہ دنیا میں اس طرح کی اور بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی موجود ہیں مثلاً کویت وغیرہ' اس صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس چھوٹی سی آزاد مسلم ریاست کا حکمران کون ہو گا؟ کشمیری عوام کی ترجمان سیاسی' سماجی اور مذہبی تنظیمیں یا غیر کشمیری جہادی تحریکیں؟

صرف آل پارٹیز حریت کانفرنس تقریباً ۳۰ سیاسی و سماجی تنظیموں پر مشتمل ہے جو کشمیر کی آزادی کے لیے کوشاں ہیں۔ ان میں مسلم کانفرنس' تحریک حریت' کشمیری جمعیت علمائے اسلام' عوامی کانفرنس' جماعت اسلامی' اتحاد المسلمین' جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ (یٰسین ملک)' عوامی لیگ' آزادی کونسل' جموں و کشمیر عوامی کانفرنس' عوامی ایکشن کمیٹی' انجمن تبلیغ اسلام' جمعیت اہل حدیث' جمعیت ہمدانیہ' کشمیر بار ایسوسی ایشن' کشمیر بزم توحید' تحریک حریت کشمیری' سیاسی کانفرنس' جموں و کشمیر ہیومن رائٹس کمیٹی' سٹوڈنٹ اسلامک لیگ' دختران ملت اور جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ (امان اللہ خان) وغیرہ ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ان سیاسی' سماجی اور مذہبی تنظیموں کا اصل منشور انڈیا کے مظالم سے کشمیری عوام

کی آزادی ہے نہ کہ کسی اسلامی ریاست کا قیام۔اگر تو جہادی تحریکوں کا منشور بھی وہی ہے جو کہ ان سیاسی و سماجی کشمیری تنظیموں کا ہے تو فبہا لیکن اس صورت میں انہیں چاہیے کہ وہ اپنے موقف میں اس بات کو اچھی طرح واضح کریں کہ وہ کسی اسلامی ریاست کے قیام کے لیے نہیں لڑ رہے بلکہ ان کا مقصد محض کشمیری عوام کی آزادی ہے۔اور اگر جہادی تحریکیں یہ موقف اپناتی ہیں کہ کشمیر میں اسلامی ریاست کے قیام یا نفاذ شریعت کے لیے لڑ رہی ہیں تو پھر ان کے پاس اس سوال کا جواب کیا ہے کہ کشمیر کی آزادی کے بعد اس کے عوام اور ان کی مقامی سیاسی تنظیموں کو کشمیر میں اقتدار کا حق حاصل ہے یا غیر ملکی مجاہدین کو؟ [اگر تو کشمیر علیحدہ ریاست بنے گا تو اس صورت میں پاکستانی مجاہدین کشمیریوں کے لیے غیر ملکی ہوں گے]

5 اگر ایسی صورت حال ہو کہ کشمیر اپنی آزادی کے بعد ایک آزاد' خود مختار ریاست ہو اور بالفرض کشمیر کی آزادی کے بعد اس کی تمام مقامی سیاسی' سماجی اور مذہبی جماعتیں مجاہدین کے حق میں اقتدار سے دست بردار ہو جاتی ہیں تو پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کشمیر میں کون سی عسکری تنظیم اپنا اقتدار قائم کرے گی؟ اس وقت کشمیر میں تقریباً سترہ عسکری تنظیمیں کام کر رہی ہیں جن میں سے بعض مقامی مجاہدین پر مشتمل ہیں مثلاً حزب المجاہدین وغیرہ۔۱۹۹۶ء کی بات ہے کہ راقم الحروف اٹک کالج میں ایف ایس سی کا طالب علم تھا کہ اس دوران کالج میں 'حزب المجاہدین' کے ایک سپریم کمانڈر کی تقریر سننے کا موقع ملا۔خطاب کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک طالب علم نے یہی سوال اٹھایا کہ کشمیر میں اس وقت چودہ عسکری جماعتیں کام کر رہی ہیں تو کشمیر کی آزادی کے بعد کشمیر پر حکومت کون سی جماعت کرے گی اور اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ جماعتیں افغان جہاد کی طرح روس کو شکست دینے کے بعد آپس میں نہیں لڑیں گی؟ ان کمانڈر صاحب کا جواب یہ تھا کہ ہم نے کشمیر کے چودہ حصے بنا رکھے ہیں جن کو ہم آپس میں بانٹ لیں گے لہٰذا آپ حضرات اطمینان رکھیں کشمیر میں افغانستان جیسی خانہ جنگی پیدا ہونے کا ذرہ برابر بھی امکان نہیں ہے۔فیا للعجب!

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بھی کوئی جہادی تحریک اٹھتی ہے تو وہ خلوص' تقویٰ اور للّٰہیت کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور تا حال جو افراد بھی کشمیر' افغانستان' عراق اور سوات

کی جنگ میں اعلائے کلمۃ اللہ کے مقصد سے لڑتے ہوئے قتل ہوئے' ہماری نظر میں وہ شہید ہیں اور عند اللہ ماجور ہیں۔ لیکن ہماری بحث یہ ہے کہ کیا ہمیں آنکھیں بند کر کے اور نتائج سے غافل ہو کر اتنی قربانیاں دیتے رہنا چاہیے یا پھر ہمیں مکالمہ ومباحثہ کے ساتھ اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتے ہوئے اپنے منہج کو درست کرنا چاہیے۔ کیا ہمیں اس بات پر غور نہیں کرنا چاہیے کہ ہم دروازہ کھولنے کے لیے زور لگا رہے ہیں لیکن یہ زور اس رخ پر ہے کہ جس رخ پر دروازہ بند ہوتا ہے۔

ہم یہ نہیں کہہ رہے اور نہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہاد ترک کر دیں۔ جہاد تو مسلمان پر ہر حال میں فرض ہے۔ ہماری بحث یہ ہے کہ کیا ہمیں اپنے جہاد کے رخ کو صحیح سمت ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاد ہونا چاہیے' اس میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن کیسے اور کس رخ پر' اس میں ہمارا اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک عصر حاضر میں جہاد کا صحیح منہج اور رخ کیا ہے' وہ ہم نے اس کتاب کے آخری باب میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

٦ ہمارا موقف یہ ہے کہ دنیا میں جہاں بھی مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے اسے ختم کرنے کا واحد حل یہ ہے کہ ریاستی سطح پر جہاد ہو۔ کشمیر ہو یا افغانستان' عراق ہو یا فلسطین' اگر مسلمان ریاستیں اعلانیہ جہاد کرتیں تو آج ان مقبوضہ علاقوں میں ہمیں کسی قسم کا ظلم وستم نظر نہ آتا۔ جن کے جہاد سے امت مسلمہ کے مسائل کا حل ممکن ہے انہیں تو اس طرف توجہ نہیں دلائی جاتی بلکہ سارا زور اس بات پر صرف ہوتا ہے کہ عامۃ الناس پر کسی نہ کسی طرح اس کو فرض عین قرار دیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آج دنیا میں تقریباً تمام مسلمان ریاستوں میں کرپٹ اور ظالم حکمران مسلط ہیں۔ اگر کوئی شخص ذاتی طور یہ محسوس کرتا ہے کہ مقتول کے ورثا کے ساتھ انصاف نہیں ہو رہا اور قاتل کھلے عام دندناتے پھر رہے ہیں لہٰذا اسے قاتل کو اپنے طور پر قتل کر دینا چاہیے تا کہ وہ اپنے مظلوم بھائی کی مدد کر سکے تو ہم اسے یہی مشورہ دیں گے کہ تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ تمہارے کرنے کا اصل کام خود سے شریعت کا نفاذ نہیں ہے بلکہ اسے شریعت کے نفاذ پر مجبور کرنا ہے جس کے پاس اس کے نفاذ کی قوت اور اہلیت ہے۔ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا بھی جہاد ہے۔ لہٰذا ایسی صورت حال میں ہمارا جہاد حکمران کے فریضے کو اپنے ہاتھ میں لینا نہیں ہے بلکہ حکمران کو اس فریضے کی ادائیگی پر مجبور کرنا ہے۔

ہم جہادی تربیت کے بھی قائل ہیں۔ ہم ہر مسلمان کے لیے یہ لازم سمجھتے ہیں کہ وہ عسکری ٹریننگ حاصل کرے لیکن ہمارے خیال میں یہ کام ریاست کی سطح پر ہو تو اس کے بہت اچھے نتائج حاصل ہوں گے جیسا کہ ہمارے زمانہ طالب علمی میں باقاعدہ انٹرمیڈیٹ کی سطح پر این سی سی (N.C.C.) ہوتی تھی۔ جہادی تحریکوں اور عوام الناس کو چاہیے کہ وہ حکومت پاکستان کو توجہ دلائیں کہ اس عسکری تربیت کو دوبارہ جاری کرتے ہوئے کالج کی سطح پر ہر طالب علم کے لیے لازم کر دیا جائے جیسا کہ اسرائیل اور دوسرے مغربی ممالک اپنے ہر شہری کو عسکری تربیت فراہم کرتے ہیں۔ بعض غیر مسلم ممالک 'شہری دفاع' کے نام پر ریاست کی سطح پر عوام کو جنگی تربیت فراہم کرتے ہیں لہٰذا یہ کوئی ناممکن العمل منصوبہ نہیں ہے۔

ک جہاد کشمیر کے بارے میں عوام الناس کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ اس جماعت کو جہاد کی ادائیگی پر بذریعہ تقریر' تحریر' میڈیا' پریس' قانونی' آئینی' سیاسی اور انقلابی جدوجہد آمادہ کریں کہ جس پر یہ فرض ہے اور جو اس کی صلاحیت واہلیت رکھتی ہے اور وہ بلاشبہ ریاست پاکستان ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (٦٥) اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (٦٦)﴾ ٢

''اے نبی ﷺ! اہل ایمان کو قتال پر ابھاریں۔ اگر تم میں بیس ڈٹ جانے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک سو ڈٹ جانے والے ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایک ایسی قوم ہیں جو کہ سمجھتے نہیں ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تخفیف کر دی ہے کہ اگر تم میں ایک سو ڈٹ جانے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو وہ دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آئیں گے اور

اللہ تعالیٰ ڈٹ جانے والوں کے ساتھ ہے۔''

ان آیات کے مطابق کسی اسلامی ریاست پر اقدامی قتال اس وقت فرض ہوتا ہے جبکہ اس کی قوت' دشمن کی قوت سے نصف ہو۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

"قلت: وحديث ابن عباس يدل على أن ذلك فرض. ثم لما شق عليهم حط الفرض إلى ثبوت الواحد للاثنين' فخفف عنهم وكتب عليهم ألا يفر مائة من مائتين' فهو على هذا القول تخفيف لا نسخ وهذا حسن." ۳

''میں یہ کہتا ہوں: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث اس طرف رہنمائی کر رہی ہے کہ پہلا حکم مسلمانوں پر فرض تھا' پھر جب اس حکم کی فرضیت ان کو بھاری محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرضیت میں تخفیف کرتے ہوئے یہ حکم جاری کیا کہ اگر ایک دو کی نسبت ہو تو پھر اس کی فرضیت باقی ہے[اور اس سے کم ہو تو ساقط ہے]۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے تخفیف کر دی اور ان پر یہ فرض کر دیا کہ دو سو کے مقابلے میں ایک سو میدان جنگ سے نہ بھاگیں۔ اس قول کے مطابق یہ حکم تخفیف کا ہے نہ کہ نسخ کا' اور یہ قول بہترین ہے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قوت میں تعداد کو ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی لہٰذا اس کا تذکرہ آیت میں کر دیا گیا ہے جبکہ آج کل قوت میں صرف تعداد داخل نہیں ہے۔ پس اگر کسی مسلمان ریاست کے پاس دشمن کے مقابلے میں نصف قوت موجود ہو تو اس پر اقدامی جہاد فرض ہو گا اور اگر نصف سے کم قوت ہو تو پھر جہاد کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں یعنی یہ مستحب بھی ہو سکتا ہے اور حرام بھی۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"إنكار المنكر أربع درجات الأولى أن يزول ويخلفه ضده الثانية أن يقل وإن لم يزل بجملته الثالثة أن يخلفه ما هو مثله الرابعة أن يخلفه ما هو شر منه فالدرجتان الأولتان مشروعتان والثالثة موضع اجتهاد والرابعة محرمة." ۴

''انکار منکر کے چار درجات ہیں۔ پہلا درجہ وہ ہے کہ جس سے منکر ختم ہو جائے

اور اس کی جگہ معروف قائم ہو جائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ منکر کم ہو جائے اگرچہ مکمل ختم نہ ہو۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ منکر تو ختم ہو جائے لیکن اس کی جگہ ایک ویسا ہی منکر اور آ جائے اور چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس منکر کے خاتمے کے بعد اس سے بھی بڑا اور بدترین منکر آ جائے۔ پس پہلے دو درجے مشروع ہیں جبکہ تیسرا درجہ اجتہاد کا میدان ہے اور چوتھا درجہ حرام ہے۔''

جہاں تک دفاعی جہاد کا معاملہ ہے تو وہ تو جب تک دفاع کی استطاعت اور طاقت ہے' ہو گا' چاہے فریقین کی نسبت کچھ بھی ہو کیونکہ یہی فطری امر ہے کہ ہر شخص اپنے جان و مال کی حفاظت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ اور اگر دفاع کی قدرت اور اہلیت باقی نہ رہے تو پھر صبر محض ہے۔

شمالی و جنوبی وزیرستان کا جہاد: تاریخ و اسباب

وزیرستان پاکستان کے شمال مغرب میں ایک پہاڑی علاقہ ہے کہ جس کی سرحد افغانستان سے بھی ملتی ہے۔ وزیرستان جغرافیائی اعتبار سے دو حصوں 'شمالی وزیرستان' اور 'جنوبی وزیرستان' میں تقسیم ہے۔ ۱۹۹۸ء کے اندازے کے مطابق شمالی وزیرستان کی آبادی تقریباً تین لاکھ اکسٹھ ہزار اور جنوبی وزیرستان کی آبادی چار لاکھ انتیس ہزار تھی۔ شمالی وزیرستان کا صدر مقام 'میران شاہ' ہے جبکہ جنوبی وزیرستان کا دار الخلافہ 'وانا' ہے۔

وزیرستان کے مقامی لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد جہاد افغانستان میں شریک رہی۔ نومبر ۲۰۰۱ء میں افغانستان میں طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد بہت سے غیر ملکی اور مقامی مجاہدین نے وزیرستان کا رخ کیا اور یہاں پناہ لی۔ امریکہ نے ان مجاہدین کے حوالے سے حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالا۔ حکومت پاکستان نے جولائی ۲۰۰۲ء میں مقامی قبائلیوں کی رضامندی سے علاقے کی ترقی کے بہانے 'وادی تیرہ' اور 'خیبر ایجنسی' میں اپنی فوجیں اتاریں۔ اور کچھ ہی عرصہ بعد حکومت نے اچانک ہی جنوبی وزیرستان پر ہلا بول دیا۔ مقامی لوگوں نے حکومت پاکستان کے اس اقدام کو اپنی آزادی کے منافی سمجھا اور پاکستانی افواج و مقامی قبائلیوں کے درمیان جھڑپوں کا آغاز ہو گیا۔ مارچ ۲۰۰۴ء میں

'وانا' کے قریب 'اُعظم وارسک' کے مقام پر حکومت اور قبائلیوں کے مابین ایک بڑی جھڑپ ہوئی۔

اپریل ۲۰۰۴ء میں پے در پے ناکامیوں کے بعد حکومت پاکستان نے 'نیک محمد' کی قیادت میں لڑنے والے قبائلیوں سے امن معاہدہ کر لیا۔ جون ۲۰۰۴ء میں 'نیک محمد' کو ایک امریکی میزائل کے ذریعے شہید کر دیا گیا۔

جنوبی وزیرستان کے مقامی جنگجو 'نیک محمد' ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۴ء میں سینکڑوں غیر ملکیوں کو 'وانا' لے کر آئے تھے۔ یہ غیر ملکی یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے اور قبائلیوں نے ان پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ ۲۰۰۴ء میں 'نیک محمد' کی قیادت میں قبائلیوں نے افواج پاکستان کو بھاری نقصان پہنچایا جس کے نتیجے میں امن معاہدہ ہوا اور بعد ازاں نیک محمد ایک میزائل حملے میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد طالبان کی اعلیٰ قیادت نے جنوبی وزیرستان میں 'ملا نذیر' کو طالبان کا لیڈر مقرر کر دیا۔

جنوبی وزیرستان میں اسی عرصے میں مقامی طالبان کو غیر ملکی ازبک مجاہدین کے رویوں سے کچھ شکایات پیدا ہوئیں اور بہت سے مقامی سرداروں کے قتل کا الزام بھی ازبکوں پر لگایا جاتا رہا۔ ازبک کسی بھی مقامی سردار پر جاسوسی کا الزام لگا کر اس کو قتل کر دیتے تھے۔ انہوں نے زمین میں گڑھے کھود کر اپنی جیلیں بنائی ہوئی تھیں جہاں وہ اپنے مخالفین کو قید رکھتے تھے۔ صورت حال اس وقت زیادہ خراب ہوئی جب القاعدہ سے متعلق ایک عرب مجاہد سیف العادل کو ازبکوں نے شہید کر دیا۔ مقامی طالبان ملا نذیر کی قیادت میں ازبکوں کے خلاف اکٹھے ہو گئے اور مقامی و غیر ملکی مجاہدین میں آپس کی لڑائی شروع ہو گئی۔ ازبک مجاہدین تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان کا ایک حصہ تو مقامی طالبان سے مل گیا جبکہ ایک حصہ میر علی کی قیادت میں شمالی وزیرستان چلا گیا اور تیسرا حصہ قاری طاہر یلداشیو کی قیادت میں مقامی طالبان سے جہاد کرتا رہا۔ اس جہاد کے نتیجے میں سینکڑوں مجاہدین شہید ہوئے اور بالآخر مقامی طالبان نے ازبک مجاہدین کا کنٹرول علاقے سے ختم کر دیا۔

اکتوبر ۲۰۰۴ء میں جنوبی وزیرستان کے ایک بڑے رہائشی محسود قبیلے کے جنگجو عبد اللہ محسود مقامی قبائلیوں کے رہنما کے طور پر سامنے آئے۔ عبد اللہ محسود تقریباً ڈیڑھ سال تک

گوانتاناموبے جیل میں قید رہے تھے ۔ بعد ازاں امریکی حکام نے انہیں رہا کر دیا تھا۔ مارچ ۲۰۰۳ء میں یہ رہا کیے گئے اور درمیان میں ایک ڈیڑھ سال روپوش رہے اور اکتوبر ۲۰۰۴ء کے قریب ایک دم سے میڈیا میں ان کے بیانات آنے شروع ہو گئے ۔ عبد اللہ محسود کو میڈیا میں آنے کا بہت شوق تھا یہاں تک کہ ان کا نام ہی میڈیا فرینڈلی کمانڈر کے طور پر معروف ہو گیا تھا۔ دو چینی انجینئرز کو اغواء کرنے کی وجہ سے ۲۰۰۷ء میں ان کو حکومت پاکستان کی طرف سے شہید کر دیا گیا۔

عبد اللہ محسود کے علاوہ ایک اور جنگجو بیت اللہ محسود بھی مقامی طالبان کے رہنما کے طور پر سامنے آئے ۔ بیت اللہ محسود ایک سنجیدہ مزاج اور فہم و فراست رکھنے والے کمانڈر ہیں ۔ فروری ۲۰۰۵ء میں بیت اللہ محسود کی قیادت میں قبائلیوں کا حکومت پاکستان سے معاہدہ ہوا۔ بیت اللہ محسود نے عبد اللہ محسود کو بھی اس معاہدے میں شریک کرنے کی درخواست کی لیکن حکومت پاکستان نے چینی انجینئرز کے اغواء کے معاملے کی وجہ سے عبد اللہ محسود کو اس معاہدے میں شامل کرنے سے انکار کر دیا۔

جولائی ۲۰۰۷ء میں حکومت پاکستان نے لال مسجد پر حملہ کرتے ہوئے بیسیوں طلباء اور سینکڑوں بچیوں کو شہید کر دیا' جس کے رد عمل میں بیت اللہ محسود نے افواج پاکستان پر خودکش حملوں کی دھمکیاں دیں اور معاہدہ توڑنے کا اعلان کیا۔

دسمبر ۲۰۰۷ء میں سات قبائلی ایجنسیوں شمالی وزیرستان' جنوبی وزیرستان' کرم ایجنسی' باجوڑ ایجنسی' خیبر ایجنسی' اورکزئی ایجنسی اور مہمند ایجنسی کے علاوہ مالاکنڈ ڈویژن' سوات اور درہ آدم خیل سے تعلق رکھنے والے بیس کے قریب طالبان رہنماؤں کا اجلاس ہوا اور بیت اللہ محسود کی قیادت میں 'تحریک طالبان پاکستان' کا قیام عمل میں آیا۔ چالیس رکنی شوریٰ بھی مقرر کی گئی اور مولوی عمر کو تحریک کا ترجمان بنایا گیا۔

جنوری ۲۰۰۸ء میں حکومت پاکستان نے دوبارہ محسود قبائل کے خلاف آپریشن شروع کر دیا جس کی وجہ سے ہزاروں افراد نے وزیرستان علاقے سے نقل مکانی شروع کر دی۔ ۶ فروری ۲۰۰۸ء کو 'تحریک طالبان پاکستان' نے سوات سے وزیرستان تک افواج پاکستان کے خلاف کارروائیاں بند کرنے کا اعلان کیا۔

شمالی وزیرستان کی طرف پیش قدمی افواج پاکستان کی طرف سے ۲۰۰۲ء میں ہوئی

تھی۔۲۰۰۴ء کے شروع سے ہی مقامی طالبان اور سکیورٹی فورسز کے مابین گاہے بگاہے جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔حکومت پاکستان کا یہ دعویٰ تھا کہ اس علاقے میں وہ غیر ملکی اور القاعدہ کے مجاہدین موجود ہیں جو حکومت پاکستان اور امریکہ کو مطلوب ہیں۔شمالی وزیرستان کی صورت حال اس وقت زیادہ خراب ہوگئی جب مارچ ۲۰۰۶ء میں پاکستانی سکیورٹی فورسز نے شمالی وزیرستان کے صدر مقام 'میران شاہ' پر حملہ کر دیا اور اس حملے میں فضائیہ کا بھرپور استعمال کیا گیا۔فضائی حملوں کے نتیجے میں شہر تباہ ہوکر رہ گیا اور تقریباً تمام آبادی پشاور' ڈیرہ اسماعیل خان اور ضلع ٹانک کی طرف ہجرت کرگئی۔اڑھائی برس کی اس باہمی جنگ کے بعد ۴۵ قبائل کے گرینڈ جرگہ اور حکومت کے مابین امن معاہدہ ہو گیا۔یہ معاہدہ ۲۰ جولائی ۲۰۰۶ء کو ہوا۔

سوات کا جہاد: تاریخ و اسباب

مالاکنڈ ڈویژن سے تعلق رکھنے والے عالم دین صوفی محمد ﷺ نے مالاکنڈ میں شریعت کے نفاذ کے لیے 'تحریک نفاذ شریعت محمدی' کی بنیاد رکھی۔۱۹۹۴ء میں اس تحریک سے متعلق بعض افراد نے بغاوت کی جو کہ ناکام ہوگئی ۔ ۲۰۰۱ء میں جب طالبان حکومت پر امریکہ نے حملہ کیا تو صوفی محمد ﷺ کی قیادت میں دس ہزار افراد کا لشکر مالاکنڈ سے طالبان کی نصرت کے لیے افغانستان گیا۔طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد یہ افراد واپس پاکستان آ گئے اور امریکہ کو مطمئن کرنے کے لیے حکومت پاکستان نے ان کی ایک بڑی تعداد کو القاعدہ کے ارکان کے طور پر پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے مقامی لوگوں میں حکومت اور سکیورٹی فورسز کے خلاف نفرت اور ردعمل میں اضافہ ہوا۔

۲۰۰۲ء میں پرویز مشرف نے تحریک پر پابندی لگا دی۔صوفی محمد ﷺ کے داماد مولوی فضل اللہ کی قیادت میں مقامی مجاہدین اکٹھے ہو گئے۔مولوی فضل اللہ نے اپنے ایف ایم چینل کے ذریعے علاقے میں جہادی فکر پھیلانا شروع کر دیا۔'نفاذ شریعت محمدی' کے ضلع سوات کے امیر نے یہ بیان جاری کیا کہ مولوی فضل اللہ کا تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے اور صوفی محمد نے ان کو غیر قانونی ایف ایم چینل چلانے کی وجہ سے تحریک سے

نکال دیا ہے۔

مولانا فضل اللہ نے 'امام ڈھیرئی' کو اپنا صدر مقام بنایا اور وہاں دو کروڑ کی لاگت کے تخمینے سے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے 'شاہین فورس' کے نام سے ایک عسکری جماعت بھی قائم کی کہ جس میں پانچ ہزار کے قریب مسلح افراد شامل تھے۔ ۲۰۰۶ء میں ان افراد نے مبینہ طور پر بازاروں میں مسلح ہو کر گشت کرنا شروع کر دیا' تاہم علاقے کی صورت حال اس وقت خراب ہوئی جب جولائی ۲۰۰۷ء میں لال مسجد پر حکومت کے آپریشن نے ان کو آگ بگولا کر دیا اور انہوں نے سکیورٹی فورسز پر حملے شروع کر دیے۔ مولانا فضل اللہ نے سوات کی کئی ایک تحصیلوں کا کنٹرول سنبھال لیا۔ حکومت نے ان کے خلاف آپریشن میں فضائیہ اور آرٹلری کو بھی استعمال کیا جس کی وجہ سے سینکڑوں شہری شہید ہوئے اور ہزاروں افراد نے دوسرے علاقوں کی طرف نقل مکانی شروع کر دی۔ ڈاکوؤں اور پرانی قبائلی دشمنیاں رکھنے والوں نے طالبان کے روپ میں لوگوں کو لوٹنا اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ علاقے میں طوائف الملوکی عام ہو گئی۔

۲۷ نومبر ۲۰۰۷ء کو طالبان اپنے مورچے خالی کرتے ہوئے نامعلوم مقامات کی طرف روپوش ہو گئے اور ۳ دسمبر کو افواج پاکستان نے امام ڈھیرئی کا کنٹرول سنبھال لیا۔ بعد ازاں مولانا فضل اللہ بھی بیت اللہ محسود کی قیادت میں 'تحریک طالبان پاکستان' میں شامل ہو گئے۔

لال مسجد کا جہاد: تاریخ و اسباب

اسلام آباد میں جامعہ حفصہ و لال مسجد اور حکومت پاکستان کی انتظامیہ کے مابین تنازع کی رپورٹیں ۲۰ جنوری ۲۰۰۷ء کو حکومت پاکستان کی طرف سے مسجد امیر حمزہ اور اس سے ملحق مدرسے کو گرانے کے بعد میڈیا میں آنا شروع ہوئیں۔ لال مسجد کے خطیب کے ایک مبینہ بیان کے مطابق سی ڈی اے' اسلام آباد کی طرف سے کچھ عرصے کے وقفے کے ساتھ سات سے زائد مساجد کو گرایا گیا۔ علاوہ ازیں اسلام آباد انتظامیہ نے جامعہ مسجد ضیاء الحق' جامعہ مسجد شکر لال' جامعہ مسجد منگرال ٹاؤن' جامعہ مسجد راول چوک' مسجد شہداء' جامعہ مسجد مدنی' جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کو بھی گرانے کے لیے نوٹس جاری کر

دیے تھے۔اسلام آباد انتظامیہ کی طرف سے مساجد و مدارس کو شہید کرنے کی اس مہم کی وجہ سے ملک بھر کے علماء اور مذہبی حلقوں میں اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔علماء کے ایک اجلاس میں 'تحریک تحفظ مساجد' کے قیام کا اعلان ہوا جس میں جامعہ حفصہ کی طالبات نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے عزم کا اظہار کیا اور حکومت کو اپنا احتجاج ریکارڈ کروانے کے لیے جامعہ حفصہ سے ملحق دو بڑے کمروں پر مشتمل ایک چلڈرن لائبریری پر قبضہ کر لیا۔

۲۷ جنوری کو لال مسجد کے مہتمم مولانا عبد العزیز صاحب کی طرف سے اخبارات میں ایک بیان شائع ہوا کہ جس میں حکومت سے چند مطالبات کیے گئے تھے۔ ان مطالبات میں گرائی جانے والی مساجد کی تعمیر نو' ملک میں فحاشی کلچر کا خاتمہ' جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کو بھیجے گئے حکومتی نوٹس کی واپسی اور پرویز مشرف کا مساجد گرانے کے حوالے سے اللہ اور قوم سے معافی مانگنا شامل تھا۔مولانا نے مزید یہ بھی کہا کہ طالبات کا چلڈرن لائبریری پر اس وقت تک قبضہ برقرار رہے گا جب تک ملک کے اندر اسلامی نظام نافذ نہیں کیا جاتا۔

۳ فروری کے اخباری بیانات کے مطابق اسلام آباد پولیس نے کریک ڈاؤن کر کے مدارس کے ۱۲۵ اساتذہ اور طلباء کو گرفتار کر لیا۔نیز جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کو اپنے تجاوزات ختم کرنے کے لیے ۲۴ گھنٹے کا نوٹس دے دیا۔

۱۲ فروری کی اخباری اطلاعات کے مطابق لائبریری سے طالبات کا قبضہ ختم کروانے کے لیے علماء اور حکومت کے مابین مذاکرات کسی نتیجے کے بغیر ختم ہو گئے' جس پر انتظامیہ نے ویمن پولیس اور رینجرز طلب کر لی۔جامعہ حفصہ نے بھی فارغ التحصیل طالبات کو بلوا لیا۔

درمیان میں کچھ دن فریقین کی طرف سے خاموشی رہی لیکن ۲۵ مارچ کو جامعہ حفصہ کی طالبات اور لال مسجد کے طلباء کی طرف سے آنٹی شمیم نامی ایک خاتون اور اس کی بہو اور بیٹی کے جامعہ حفصہ منتقلی کا ایک واقعہ ایسا ہوا کہ جس نے اس تنازع کو ایک دفعہ پھر بھڑکا دیا۔

۲۹ مارچ: مبینہ ذرائع کے مطابق پولیس نے جامعہ حفصہ کی دو معلمات' ان کے دو

مرد ساتھیوں اور ڈرائیور کو آنٹی شمیم اغوا کیس میں گرفتار کرلیا' جبکہ جوابی کارروائی کرتے ہوئے لال مسجد کے طلباء نے دو پولیس اہلکاروں اور دو پولیس کی گاڑیوں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔رات گئے تک ضلعی حکومت اور لال مسجد کی انتظامیہ میں مذاکرات ہوتے رہے۔ مذاکرات کے نتیجے میں ضلعی حکومت نے ان دو معلمات' ان کے دو مرد ساتھیوں اور ڈرائیور کو رہا کر دیا جن پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے جی سکس اسلام آباد سے آنٹی شمیم نامی ایک خاتون' ان کی بیٹی' بہو اور چھ ماہ کی پوتی کو جامعہ حفصہ پہنچا دیا تھا۔لال مسجد کے خطیب نے ان افراد کی رہائی کے بعد دو پولیس اہل کاروں اور موبائل گاڑیوں کو چھوڑ دیا لیکن آنٹی شمیم اور ان کی رشتہ دار خواتین کو تا حال لال مسجد نے اپنی تحویل میں رکھا۔

۳۰مارچ: مبینہ ذرائع کے مطابق بدکاری کا اڈا چلانے کے الزام میں محبوس شمیم اختر' اس کی بیٹی اور بہو کو اڑھائی دن کی یرغمالی کے بعد لال مسجد کی انتظامیہ نے برقعے پہنا کر رہا کر دیا۔

۳۱مارچ: مبینہ ذرائع کے مطابق لال مسجد کے خطیب نے اپنے خطاب جمعہ کے دوران درج ذیل مطالبات کیے:۱) حکومت فوری طور پر نفاذ شریعت کا اعلان کرے ورنہ آئندہ جمعہ لال مسجد میں منعقدہ نفاذ شریعت کانفرنس میں ہم خود اس کا اعلان کریں گے۔۲) حکومت عریانی اور فحاشی کے اڈے بند کرے اور اسلامی نظام نافذ کر کے فحاشی کے مرتکب افراد کو بیس کوڑے لگائے' ورنہ لال مسجد میں قاضی کی عدالت میں ان پر حد لاگو کی جائے گی۔ بہت صبر کیا' مر جائیں گے لیکن فحاشی کے اڈے نہیں چلنے دیں گے۔نائب خطیب جناب عبدالرشید غازی صاحب کا بیان آیا کہ آنٹی شمیم سے پورا محلّہ تنگ تھا۔آنٹی شمیم کے خلاف تقریباً اڑھائی سو معززین محلّہ نے میڈیا کو بیانات دیے۔

۹اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق وزیر داخلہ جناب آفتاب احمد شیر پاؤ نے ایک نجی ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا: حکومت کا موقف ہے کہ معاملہ پُر امن طریقے سے حل ہو' جامعہ حفصہ کی طالبات کے والدین کو متنبہ کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے ایک اشتہاری مہم چلانے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔دوسری طرف لال مسجد کے نائب خطیب عبدالرشید غازی صاحب کی طرف سے اعلان ہوا: ہم نے مذاکرات کے دروازے بند نہیں کیے۔

۱۱اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق جناب چودھری شجاعت نے ایک دفعہ پھر منگل کی

شب جامعہ حفصہ کا دورہ کیا۔ یہ مذاکرات تقریبا اڑھائی گھنٹے جاری رہے جن کے نتیجے میں حکومت نے سات شہید کی گئی مساجد کی دوبارہ تعمیر کی یقین دہانی کرائی' علاوہ ازیں دونوں بھائیوں نے اس وقت تک چلڈرن لائبریری پر قبضہ برقرار رکھنے کا اعلان کیا جب تک کہ حکومت شریعت کو نافذ کرنے کی یقین دہانی نہیں کراتی۔

۱۲اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق وزیراعظم جناب شوکت عزیز کی صدارت میں وفاقی کابینہ کا اجلاس تقریباً پانچ گھنٹے تک جاری رہا۔ وفاقی وزیر برائے بندرگاہ و جہاز رانی جناب بابر غوری' وفاقی وزیر تعلیم جناب جاوید اشرف اور وزیر خارجہ جناب خورشید قصوری کا کہنا تھا کہ لال مسجد کے خلاف فوراً ایسا ایکشن لیا جائے کہ جس سے یہ معاملہ ختم ہو جائے جبکہ بعض دوسرے وزراء جن میں وزیر مذہبی امور جناب اعجاز الحق' وزیر داخلہ جناب آفتاب احمد شیر پاؤ اور جناب ہمایوں اختر شامل ہیں' کا بیان تھا کہ معاملہ مذاکرات کے ذریعے ہی حل ہونا چاہیے۔ دوسری طرف آئی این پی کو دیے گئے اپنے ایک انٹرویو کے دوران مولانا عبدالعزیز غازی صاحب نے کہا: ایم ایم اے' والے سرحد میں اپنی حکومت کے باوجود اسلامی نظام نافذ نہیں کر سکے وہ ہماری مدد کیا کریں گے۔ ایم ایم اے' والے جمہوریت کے ذریعے اسلامی نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں جبکہ ہم جہاد کے ذریعے۔ پانچ لاکھ کے قریب استحصالی ٹولے نے سترہ کروڑ عوام کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ جب تک اسلامی نظام نافذ نہیں ہوتا' چلڈرن لائبریری پر اپنا قبضہ ختم نہیں کریں گے۔

۱۴اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق لال مسجد کے نائب خطیب مولانا عبد الرشید غازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: چودھری شجاعت سے مذاکرات کے اختتام تک شرعی عدالت غیر فعال رہے گی۔ جبکہ مولانا عبدالعزیز غازی صاحب نے اپنے جمعہ کے خطبے میں کہا: اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے پُرامن تحریک چلائیں گے۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے موقف سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ ہماری جدوجہد باطل نظام کے خلاف ہے۔ اگر پرویز مشرف اسلامی نظام نافذ کرتے ہیں تو ان کی جوتیاں اٹھانے کو تیار ہوں۔ ڈنڈے اور تیزاب کی بات ہم نے نہیں کی' ڈنڈا تو وہ استعمال کر رہے ہیں جنہوں نے وزیرستان میں تباہی پھیلائی۔ انہوں نے مزید کہا کہ چودھری شجاعت کا رویہ مثبت ہے لیکن اعجاز الحق آپریشن

کی بات کرتے ہیں۔

۲۰ اپریل: وفاق المدارس العربیہ کی مجلس عاملہ کی دو روزہ میٹنگ کے بعد ایک اعلامیہ جاری کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے درج ذیل مطالبات کیے گئے :۱) حکومت جامعہ حفصہ اور لال مسجد کے مطالبات کو منظور کرے۔۲) ملک میں اسلامی نظام نافذ کرے۔۳) گرائی جانے والی مسجد کو دوبارہ تعمیر کروائے۔۴) بدکاری اور فحاشی کے اڈے ختم کرے۔اس اعلامیہ کے مطابق مجلس عاملہ نے جامعہ حفصہ کے مطالبات کو درست قرار دیا لیکن انہوں نے کہا کہ جامعہ حفصہ کی طالبات اور لال مسجد کی انتظامیہ کا طریق کار غلط ہے۔

۲ مئی: امام کعبہ نے وفاقی وزیر اعجاز الحق سے سعودی عرب میں ملاقات کے دوران کہا کہ پاکستان میں خودکش حملے کرنے والے گمراہ ہیں۔ اسلام سرکاری یا کسی کی ذاتی زمین پر قبضہ کر کے مسجد یا مدرسہ بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔حکومت کے ہوتے ہوئے کوئی فرد اپنی شرعی عدالت قائم نہیں کرسکتا۔شرعی عدالت کا قیام حکمرانوں کی ذمہ داری ہے‘ اگر وہ پورا نہیں کرتے تو اللہ کو جوابدہ ہوں گے۔

بہرحال یہ تنازع بڑھتا ہی گیا اور بالآخر ۱۰ جولائی کو حکومت نے اقدام کیا اور لال مسجد کو شہید کر دیا۔سینکڑوں طلبہ و طالبات نے سرنڈر کرتے ہوئے اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کر دیا جبکہ بقیہ طلبہ و طالبات کو شہید کر دیا گیا۔لال مسجد کے نائب خطیب عبدالرشید غازی رحمۃ اللہ علیہ شہید کر دیے گئے جبکہ خطیب عبد العزیز صاحب کو گرفتار کر لیا گیا جنہیں بعدازاں رہا کر دیا گیا۔

معاصر جہاد کا ایک تجزیاتی مطالعہ

وزیرستان کا جہاد ہمارے نزدیک دفاعی جہاد تھا جو کہ حکومت پاکستان نے قبائلیوں پر مسلط کیا تھا لہٰذا اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن اسے وزیرستان تک ہی محدود رہنا چاہیے تھا۔سوات اور لال مسجد کے جہاد کو ہم ایک بڑی غلطی سمجھتے ہیں کیونکہ یہ دونوں اقدامی جہاد تھے اور مسلمان حکومت کے خلاف تھے۔فقہی اصطلاح میں یہ ’خروج‘ کی بحث بنتی ہے۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ خروج اس مسئلے کا حل نہیں بلکہ اس سے مسئلہ اور زیادہ بگڑے

گا۔اس کی ہمارے نزدیک درج ذیل وجوہات ہیں:

۱ امریکہ اور عالمی طاقتیں یہی چاہتی ہیں کہ پاکستانی افواج کو مجاہدین سے لڑا کر دونوں کو کمزور کر دیا جائے۔

۲ پاکستان میں عسکری رستوں سے کامیابی حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ عسکری تنظیموں اور ریاست میں طاقت کا عدم توازن بہت زیادہ ہے۔

۳ لال مسجد اور سوات کے واقعے نے ہمیں کیا دیا؟ ہزاروں لوگوں کی شہادت' بڑے پیمانے پر نقل مکانی' عوام الناس کے گھروں اور اموال کی تباہی؟

۴ کئی ایک جہادی رہنما اس نتیجے تک پہنچ گئے ہیں کہ ریاست پاکستان کے خلاف عسکری کارروائیاں بے فائدہ ہیں۔صوفی محمد صاحب نے عسکری منہج سے رجوع کر لیا بلکہ اپنے داماد مولانا فضل اللہ کو یہ طریقہ اختیار کرنے پر اپنی جماعت سے نکال دیا۔لال مسجد کے غازی برادران کے آخری بیانات اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ حکومت سے مفاہمت چاہتے تھے لیکن پرویز مشرف صاحب آپریشن پر ڈٹے ہوئے تھے۔مولانا فضل اللہ نے بھی تین ماہ بعد سوات خالی کر دیا اور روپوش ہو گئے۔بعض حضرات کا مولانا فضل اللہ کے بارے میں یہی کہنا ہے کہ وہ بھی سوات میں عسکری منہج کے اختیار کرنے کے حق میں نہیں تھے لیکن ان کی انقلابی دعوت کے نتیجے میں ان کے گرد اگرد جنگجو طبیعت کے جو شاہین ان کی مجلس شوریٰ میں جمع ہو گئے تھے انہوں نے انہیں سختی سے اس رستے پر ڈال دیا۔ واللہ اعلم بالصواب!

۵ پاکستان کسی خلا میں نہیں ہے۔ہمیں کوئی بھی تحریک قائم کرنے سے پہلے محض پاکستان کی جغرافیائی حدود میں رہتے نہیں سوچنا چاہیے بلکہ اپنی تحریک کو عالمی تناظر میں رکھتے ہوئے اس کا لائحہ عمل اور پالیسی طے کرنی چاہیے۔مبینہ ذرائع کے مطابق افغانستان میں امریکہ کے خلاف لڑنے والے طالبان کو حکومت پاکستان اور آئی ایس آئی نے اپنی پشت پناہی فراہم کی تھی اور پاکستانی ایجنسیوں ہی کی اجازت سے پاکستانی طالبان بھی امریکہ کے خلاف کارروائیوں میں اہم کردار ادا کر رہے تھے۔امریکہ نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے انڈیا اور اسرائیل کے گٹھ جوڑ سے ایک پلان بنایا جس کے مطابق قبائلی علاقوں میں ایک نئی طالبان تحریک کو حکومت پاکستان کے خلاف کھڑا کر کے

چال کو انہی کے خلاف الٹ دینا مقصود تھا۔

ہماری رائے میں جہادی تحریکوں کو ایک خاص عرصے تک کے لیے ہر قسم کے جنگ و جدال سے علیحدہ رہتے ہوئے اسلامی ریاستوں کے حکمرانوں سے نصح و خیر خواہی کے جذبے کے تحت اپنے روابط بڑھانے چاہئیں۔ حکمرانوں کے ساتھ اس اتحاد میں اصل بنیاد خطے میں امریکہ کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کی روک تھام' پاکستان کی سالمیت اور مسلمانوں پر ظلم کے خاتمے کو بنانا چاہیے۔

جہادی تحریکوں کو یہ بھی چاہیے کہ وہ ایسے نوجوانوں کو جمع کریں جو انجینئرنگ' سائنس اور ٹیکنالوجی میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں۔ ان نوجوانوں کو مختلف اسلامی ریاستوں مثلاً سعودیہ' ترکی' مصر اور پاکستان وغیرہ میں ریاستی سطح پر ایک مشن کے طور پر کھپایا جائے۔ اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی (OIC) میں تحریک پیدا کرنے کے لیے کوششیں کی جائیں اور عالم اسلام کو متحد کیا جائے۔ دین دار تاجر طبقوں خصوصاً عرب سرمایہ داروں کو اکٹھا کرتے ہوئے ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مقابلے میں اسلامی انڈسٹریز بنانی چاہئیں تاکہ مسلمان اپنی معاشی ضرورتوں میں خود کفیل ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ جہادی تحریکوں کو کچھ عرصے تک اپنی توانائیاں عالمی سطح پر مسلمانوں کی تعلیم' معیشت' ٹیکنالوجی اور سیاسی گٹھ جوڑ پر صرف کرنی چاہئیں تاکہ مسلمان ریاستیں اور جہادی تحریکیں مل کر ایک خاص عرصے میں سپر پاور نہ سہی' ایک منی سپر پاور کے طور پر سامنے آئیں۔ اس سلسلے میں پہلی جنگ عظیم میں امریکہ اور دوسری جنگ عظیم کے بعد چین کی پالیسیوں سے رہنمائی لی جا سکتی ہے کہ دونوں نے ایک خاص وقت تک کے لیے اپنے ممالک کو ہر قسم کے جنگ و جدال سے دور رکھتے ہوئے معاشی و ٹیکنالوجی کی ترقی پر اپنی ساری توجہ مرکوز رکھی اور اس کے نتائج وہ آج حاصل کر رہے ہیں۔

علاوہ ازیں مسلم ممالک میں حکمرانوں کی اصلاح کے لیے کسی بھی عسکری طریقہ کار کی بجائے آئینی' دعوتی' تبلیغی' اصلاحی' انتخابی' احتجاجی' پُر امن مظاہروں' پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذرائع وغیرہ کو استعمال کرنا چاہیے تاکہ مسلمان باہمی جنگ و جدال سے کمزور نہ ہوں۔

چند شبہات اور ان کے جوابات

١ تحریک طالبان پاکستان سے بہت سے گروہ نظریاتی اختلافات کی بنا پر علیحدہ ہو کر چھوٹے چھوٹے گروپس میں تقسیم ہوتے گئے۔ حامد میر نے اپنے ایک کالم میں کوئی ستائیس کے قریب ایسے گروپس کا تعارف کروایا ہے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو حکومت پاکستان کو کافر قرار دیتے ہیں اور حکومت کی معاونت کی وجہ سے افواج پاکستان' رینجرز اور پولیس پر بھی کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں لہٰذا یہ حضرات سکیورٹی فورسز پر ہر جگہ خود کش حملوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اس منہج سے ہم امت مسلمہ کے مسائل حل کرنے کی بجائے بڑھا رہے ہیں۔ مظلوم طبقے کی ٹینشن' فرسٹریشن اور ڈپریشن اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اب ان کی ایک تعداد کا کہنا ہے کہ ہم پاکستان کو بھی عراق بنانا چاہتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ایسی باتیں مسلمان امت کو چولہے (حکومتی ظلم وستم) سے اٹھانے لیکن ساتھ ہی تنور (باہمی قتل و غارت) میں جھونکنے کے مترادف ہیں۔ شریعت ہمارے مسائل حل کرنے کے لیے آئی ہے نہ کہ پیدا کرنے کے لیے۔ اگر اس منہج کو اختیار کر لیا جائے تو شاید ایک مسئلہ حل ہو جائے لیکن اس سے جو آگے بیس مسائل پیدا ہوں گے' ان پر ہم بالکل بھی غور و فکر نہیں کرتے۔ پاکستانی ریاست کو کمزور کرنے کا اصل فائدہ کس کو ہو گا؟ امریکہ' اسرائیل اور انڈیا کو یا تحریک طالبان پاکستان کو؟ ہم پہلے ہی اسلام دشمنوں سے لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اور باہمی جنگ و جدال سے اپنے ملک کو اور زیادہ کمزور کر لیں تو کس کا فائدہ کریں گے؟ پاکستان کا بھی عراق جیسا حشر ہونے سے کیا امت مسلمہ کے مسائل حل ہو جائیں گے؟

اسلامی تاریخ میں شاید ہی حجاج بن یوسف جیسے سفاک اور ظالم حکمران کی کوئی اور مثال موجود ہو جس نے صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خاتمے کے لیے مکہ کا محاصرہ کیا' ان کو شہید کروا کے سولی پر چڑھایا' بیت اللہ پر سنگ باری کروائی اور ہزاروں مسلمانوں کو صرف اپنے اور بنو امیہ کے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے شہید کروایا۔ اس شخص کے ظلم وستم سے تنگ آ کر جب دو اصحاب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

((إن الناس ضيعوا وأنت ابن عمر وصاحب النبیﷺ فما يمنعك أن تخرج فقال يمنعنى أن الله حرم دم أخى فقالا ألم يقل الله ﴿وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة﴾ فقال قاتلنا حتى لم تكن فتنة وكان الدين لله وأنتم تريدون أن تقاتلوا حتى تكون فتنة و يكون الدين لغير الله)) ❺

''لوگوں نے امانت کو ضائع کر دیا (یعنی حقدار کو امارت و خلافت عطا نہ کی) اور آپ ابن عمر ہیں' اللہ کے رسول ﷺ کے صحابی بھی ہیں تو پھر بھی آپ ان ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کیوں نہیں کرتے؟ تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اللہ کا یہ حکم ان کے خلاف خروج سے روکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کے خون کو حرام کیا ہے تو اس شخص نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم نے قتال کیا تھا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین اللہ ہی کے لیے ہو گیا اور تم یہ چاہتے ہو کہ تم قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ [مسلمانوں میں باہمی قتل و غارت] پیدا ہو اور دین غیر اللہ کے لیے ہو جائے۔''

صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے آ کر کہا کہ آپ ہر سال حج و عمرہ تو کرتے ہیں لیکن اللہ کے رستے میں جہاد نہیں کرتے تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ارکان اسلام پانچ ہی ہیں۔ تو اس شخص نے کہا اللہ تعالیٰ نے تو یہ حکم دیا کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرواؤ اور اگر پھر ان میں کوئی ایک زیادتی کرے تو اس کے خلاف لڑو۔ تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے وہی جواب دیا جو اوپر مذکور ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی اندیشے سے حکمرانوں سے قتال کو فتنہ قرار دیا تھا کہ اس سے مسئلہ سلجھنے کی بجائے باہمی قتل و غارت بڑھنے کے یقینی امکانات موجود تھے۔

❻ ایک شبہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ یا تو ہم دار الحرب میں ہیں یا دار الاسلام میں۔ اب پاکستان دار الاسلام تو ہے نہیں کیونکہ یہاں طاغوتی نظام قائم ہے لہٰذا دار الحرب

ہے۔ جب دار الحرب ہے تو قتال لازم ہے۔

دارالحرب اور دارالاسلام کی اصطلاحات فقہائے اسلام نے اپنے زمانے میں موجود متنوع ریاستوں کی ایک عرفی حیثیت واضح کرنے کے لیے وضع کی تھیں۔ آج ہم اپنے زمانے کے اعتبار سے متنوع جغرافیائی حدود کو مختلف نام دیں گے۔ آج جس دنیا میں ہم آباد ہیں وہ امر واقعہ میں دارالحرب، دارالاسلام، دارالکفر، دار المسلمین، دارالعہد، دارالصبر، دارالامن اوردار الہجرت وغیرہ جیسی تقسیم رکھتی ہے۔ دارالحرب سے مراد وہ مسلمان ممالک ہیں جہاں کفار نے جبری قبضہ کر رکھا ہے اور مقامی مسلمان ان کفار کے خلاف جنگ کر رہے ہیں جیسا کہ عراق، افغانستان، کشمیر اور فلسطین وغیرہ ہیں۔ دارالاسلام سے مراد وہ علاقے ہیں کہ جہاں اللہ کی حاکمیت بالفعل نافذ ہو جیسا کہ امارت اسلامیہ افغانستان کی ریاست تھی یا پھر موجودہ سعودی عرب کسی درجے میں اس کی مثال بن سکتا ہے۔ دارالکفر سے مراد وہ علاقے ہیں جہاں کفار کی اکثریت ہے اور اختیار و اقتدار بھی انہی کے پاس ہو۔ دارالمسلمین سے مراد وہ ممالک ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، مقتدر طبقہ بھی مسلمان ہے لیکن اسلامی نظام اپنی مکمل شکل میں بالفعل نافذ نہیں ہے جیسا کہ پاکستان، مصر، ترکی وغیرہ ہیں۔ دار العہد سے مراد وہ سیکولر یا کافر ریاستیں ہیں کہ جہاں مسلمان ایک اقلیت کے طور پر آباد ہیں اور ان کا ریاست سے یہ عہد ہے کہ وہ اس کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے اور جواباً ریاست بھی ان کے حقوق شہریت ادا کرے گی جیسا کہ انڈیا، امریکہ، برطانیہ اور یورپین ممالک میں بسنے والے مسلمان ہیں۔ اس سے مراد وہ سیکولر یا کافر ریاستیں بھی ہیں کہ جن کے ساتھ مسلمان ریاستوں نے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا ہو۔ دار الصبر سے مراد مسلمانوں کے وہ علاقے ہیں کہ جن پر کفار نے قبضہ کر لیا ہو اور وہاں مسلمانوں پر ظلم وستم جاری ہو اور مسلمان اس پوزیشن میں نہ ہوں کہ وہ کافر حکمرانوں سے جنگ کر سکیں جیسا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کا حال تھا۔ ان علاقوں میں حکمرانوں سے جنگ کی بجائے پُر امن ذرائع سے آزادی کی کوششیں جاری رکھی جاتی ہیں۔ دارالامن سے مراد وہ ممالک ہیں جو کہ پوری دنیا میں امن و امان کے خواہاں ہیں اور کسی بھی قوم سے لڑائی نہیں چاہتے یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے اپنی فوج بھی نہیں بنائی مثلاً سوئٹزر لینڈ اور جاپان وغیرہ۔ دار الہجرت سے

مسلمانوں کے وہ علاقے مراد ہیں کہ جن کی طرف مسلمان اپنے علاقوں میں کفار کے ظلم سے تنگ آ کر ہجرت کریں جیسا کہ انڈیا اور افغانستان سے مسلمانوں نے بڑی تعداد میں پاکستان کی طرف ہجرت کی تھی وغیرہ۔

۳ ایک شبہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ افغانستان پر امریکہ کا حملہ ہوا' اب افغانیوں پر قتال فرض ہے۔ اگر وہ قتال کے لیے کافی نہ ہوں تو ساتھ والی ریاستوں کے باشندوں پر قتال فرض ہو جائے گا۔ اگر وہ بھی کفایت نہ کریں تو یہ فرض پھیلتے پھیلتے تمام امت مسلمہ کو شامل ہو جائے گا۔

جہاد و قتال فرض کفایہ ہے اور کوئی بھی فرض کفایہ اگرچہ امت کے بعض طبقوں کی حد تک فرض عین ہو بھی جاتا ہے لیکن تمام امت پر فرض عین کبھی بھی نہیں ہوتا۔ اس کی سادہ سی مثال نماز جنازہ ہے۔ مثلاً پشاور میں کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے اور اگر پشاور کے علماء یا مسلمان اس کا نماز جنازہ نہیں پڑھتے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ افریقہ یا یورپ میں بیٹھا ہوا مسلمان بھی گناہ گار ہو گا اور یہ فرض عدم ادائیگی کی صورت میں پھیلتا پھیلتا امت کے تمام افراد پر فرض عین ہو جائے گا۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ فرض کفایہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں یہ فرض الأقرب فالأقرب کے اصول کے تحت امت میں آگے منتقل ہو گا لیکن اس منتقلی میں بنیادی شرط اس فرض کی ادائیگی کی اہلیت و اسباب ذرائع ہیں۔ اس لیے اگر افغانی امریکہ کے بالمقابل اپنے ملک کا دفاع نہیں کر سکتے تو افغانستان کے ساتھ ملحقہ ریاستوں کے مقتدر طبقہ پر یہ جہاد و قتال فرض عین ہو گا نہ کہ عامۃ الناس پر' کیونکہ اس فرض کی ادائیگی کی اہلیت مقتدر طبقہ یا سکیورٹی فورسز میں ہے نہ کہ عوام کے پاس۔ ہم یہ بات پہلے بھی واضح کر چکے ہیں کہ آج جہاد و قتال کی کامیابی کا دارومدار صرف عددی قوت پر منحصر نہیں ہے بلکہ ٹیکنالوجی اور جدید آلات حرب وضرب بھی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ جب عامۃ الناس کے پاس نہ تو جہاد کی اہلیت ہے اور نہ اس کے اسباب و ذرائع تو ان پر یہ جہاد کیسے فرض عین ہو سکتا ہے؟ سورۃ توبہ میں تو یہ ہے کہ اہلیت اور اسباب و ذرائع نہ ہونے کے سبب سے غزوہ تبوک کے موقع پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کو اُس جہاد سے رخصت دے دی گئی کہ جس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قتال کے لیے نفیر عام تھی۔ اسباب و ذرائع سے مراد افغانستان' عراق یا

کشمیر جانے کا کرایہ' کلاشنکوف یا ہینڈ گرنیڈ نہیں ہے بلکہ مراد وہ جنگی آلات اور ساز وسامان ہے کہ جس کے ذریعے امریکہ' انڈیا یا اسرائیل کی شکست کا کم از کم امکان تو ہو۔ یہ اسباب و ذرائع کسی مسلمان ریاست کے پاس تو ہو سکتے ہیں لیکن عوام الناس کے پاس نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا صوفی محمد جب افغانستان میں دس ہزار کا لشکر لے کر گئے تو انہیں واپس آنا پڑا کیونکہ طالبان افغانستان کو یہ جنگ جیتنے کے لیے معمولی تربیت یافتہ عددی قوت کی ضرورت نہیں تھی بلکہ جدید ٹیکنالوجی کی ضرورت تھی اور ایسی عددی قوت تو ان کے لیے ایک بوجھ سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔

قتال کی علت

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو احکامات دیے ہیں وہ علل (causes) پر مبنی ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان احکامات کی علت (cause) خود شارع کی طرف سے نصوص میں بیان کر دی جاتی ہے جبکہ بعض اوقات فقہاء ان کو مسالک علت کی روشنی میں تلاش کرتے ہیں۔ قتال کی جو علت قرآن میں بیان ہوئی ہے وہ ظلم ہے یعنی ظلم کے خاتمے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قتال کو مشروع قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ ❻

''اجازت دی گئی ان لوگوں کو (قتال کی) جو کہ قتال کرتے ہیں اس وجہ سے کہ ان پر ظلم ہوا۔''

اس آیت میں 'باء' تعلیلیہ ہے یعنی یہ اذنِ قتال کی علت بیان کر رہا ہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ حکم قتال کی علت کفر یا شرک نہیں ہے اگر چہ قتال اصلاً مشرکین اور کفار ہی سے ہوتا ہے۔ کفار یا مشرکین سے قتال کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ وہ کافر یا مشرک ہیں یا اسلام کا مقصود دنیا کو کفار و مشرکین سے پاک کرنا ہے بلکہ کفار اور مشرکین سے قتال کے حکم کی بنیادی وجہ بھی ظلم ہی ہے کیونکہ جہاں جس قدر شرک اور کفر ہو گا وہاں اتنا ہی ظلم ہو گا۔ اس لیے کفار اور مشرکین سے قتال دراصل ظالمین سے قتال ہے کیونکہ ظلم اور کفر و شرک تقریباً لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں قرآن میں کئی جگہ شرک کے لیے ظلم اور کفار کے لیے ظالمین کے الفاظ آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ظلم مسلمان بھی کرے تو اس

سے بھی قتال ہو گا جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ 7

''اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرواؤ اور اگر (صلح کے بعد) ان میں ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو تم سب اس سے قتال کرو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''

اسی طرح اگر کافر، ظالم نہ ہو تو اس کے ساتھ قتال نہیں ہو گا بلکہ ایسے کافروں کے ساتھ حسن سلوک بھی جائز ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ 8

''اللہ تعالیٰ تمہیں ان کافروں سے حسن سلوک یا انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا کہ جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں قتال نہیں کیا اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

لہٰذا قتال صرف ان کفار اور مشرکین سے ہے جو کہ ظلم کے مرتکب ہوں۔ اب ظلم کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک ظلم وہ ہے جس کا تعلق انسان کی اپنی جان سے ہوتا ہے جیسا کسی شخص کا کافر یا مشرک ہونا بھی ایک ظلم ہے۔ لیکن ایسا ظلم جو کہ کسی انسان کے اپنے نفس تک محدود رہے اور متعدی نہ ہو تو اس ظلم کے خلاف جہاد و قتال نہیں ہے بلکہ اسلام ایسے ظلم کو برداشت کرتا ہے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے صریح کفر و شرک کے باوجود اللہ نے انہیں زندہ رہنے کی اجازت دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ 9

''تم یہود و نصاریٰ سے قتال کرو جو کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کو حرام نہیں ٹھہراتے کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہو

اور دینِ حق کو بطور دین اختیار نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔''

لیکن ایسا ظلم جو کہ متعدی ہو یعنی جس کے اثرات صرف انسان کی اپنی ذات تک محدود نہ ہوں بلکہ عامۃ الناس بھی اس کے ظلم سے متاثر ہو رہے ہوں تو ایسے شخص کے خلاف جہاد وقتال ہو گا۔ قرآن وسنت کی نصوص سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک کافر یا مشرک کی حکومت اللہ تعالیٰ کبھی بھی برداشت نہیں کرتے کیونکہ جہاں بھی کافر یا مشرک کی حکومت ہو گی وہاں ظلم متعدی ہو گا اور عوام الناس اس ظلم سے متاثر ہوں گے۔ اس لیے اہل کتاب کے انفرادی کفر وشرک کو برداشت کیا گیا ہے لیکن مذکورہ بالا آیت میں ان کی ذلت و رسوائی اور حکومت کے خاتمے کو قتال کی غایت وانتہا قرار دیا گیا ہے۔ یہاں اس آیت میں اعطائے جزیہ اور اہل کتاب کی ذلت کو قتال کی غایت قرار دیا گیا ہے تو ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فتنے کے خاتمے اور اطاعت کا صرف اللہ ہی کے لیے ہو جانے کو قتال کا منتہائے مقصود بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ 10

''اور ان (مشرکین) سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (اطاعت) کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔''

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اجتماعی کفر (یعنی کفر کی حکومت) اور اجتماعی شرک (یعنی شرک کی حکومت) کو پسند نہیں کرتے کیونکہ ایسی حکومت میں ہمیشہ ظلم ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی اور مقامات پر بھی ایسے کفار سے قتال کا حکم دیا ہے کہ جن کا ظلم متعدی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ 11

''(اے مسلمانو!) اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے رستے میں قتال نہیں کرتے جبکہ کمزور مرد اور عورتیں اور بچے یہ کہہ رہے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال کہ جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور تو ہمارے لیے اپنی طرف سے

ایک ولی مقرر کر اور ہمارے لیے اپنی طرف سے ایک مددگار بنا۔''

ایک اور جگہ قرآن میں ایسے کفار سے دوستی اور حسن سلوک کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے کہ جنھوں نے مسلمانوں پر ظلم کیا ہو۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ [۱۲]

''سوا اس کے نہیں اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے کہ جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے قتال کیا اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر (تمہارے دشمنوں کی) مدد کی۔''

اللہ تعالیٰ نے جو احکامات دیے ہیں انہیں فقہائے اسلام نے دو طرح سے تقسیم کیا ہے: ایک حسن لذاتہ اور دوسرا حسن لغیرہ۔حسن لذاتہ سے مراد ایسے احکامات ہیں جو کہ فی نفسہٖ اسلام میں مطلوب ہیں جبکہ حسن لغیرہ ان احکامات کو کہتے ہیں جو فی نفسہٖ مطلوب نہ ہوں۔ [۱۳] اسلام نے لڑائی جھگڑے کو فی نفسہٖ ناپسند قرار دیا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا الله العافية فإذا لقيتموهم فاصبروا)) [۱۴]

''دشمن سے ملاقات کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرتے رہو۔پس اگر تمہاری دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو پھر ڈٹ جاؤ۔''

اسلام نے کچھ مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے قتال کو فرض قرار دیا ہے اور وہ ظلم کا خاتمہ اور عدل وانصاف کا بول بالا ہے۔لہٰذا قتال حسن لذاتہ نہیں ہے بلکہ حسن لغیرہ ہے۔ظلم کے خاتمے کے لیے انسانوں کے قتل کو جائز قرار دیا گیا۔اور بالفرض جس مقصد کے لیے جہاد وقتال کو جائز کہا گیا ہے اگر وہ مقصود ہی پورا نہ ہو رہا ہو اور جہاد وقتال سے ظلم ختم ہونے کی بجائے بڑھ رہا ہو تو ہمارے نزدیک یہ جہاد وقتال جائز نہیں ہے۔ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ جہاد وقتال ظلم کو ختم کرنے کے لیے ہے نہ کہ ظلم بڑھانے کے لیے۔پس جہاد وقتال میں ان مقاصد شریعت کے حصول پر بھی بھرپور نظر رکھنی چاہیے کہ جن کے تحت اس عمل کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔

قتال کی غایت

قتال کی غایت یا منتہائے مقصود اُس فتنے‘ عدم اطاعت‘ کفر‘ شرک یا زیادتی کا خاتمہ ہے کہ جس کا نتیجہ ظلم ہو۔ پس جہاد و قتال ہر ایسے فتنے‘ عدم اطاعت‘ کفر‘ شرک یا زیادتی کے ختم ہونے تک جاری رہے گا کہ جس سے دوسروں پر ظلم ہو رہا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾ ۱۵

''اور ان (یعنی مشرکین) سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (اطاعت) اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ ۱۶

''اور ان (یعنی مشرکین) سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (اطاعت) کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔''

اس آیت میں فتنے سے مراد کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ہونے والا وہ تشدد اور ظلم ہے جو اہل ایمان کے ایمان کے لیے آزمائش بن جاتا ہے۔ جبکہ 'دین' کا بنیادی معنی اطاعت اور بدلہ ہے جیسا کہ امام راغب رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ اور یہاں پر دین سے مراد اجتماعی اور کلی اطاعت ہے کیونکہ انفرادی اور جزوی اطاعت میں تو مسلمان بھی بعض اوقات اللہ کی اطاعت نہیں کرتے۔ اس لیے یہاں پر مراد اللہ تعالیٰ کی ایسی اطاعت ہے کہ جس کے عدم کی صورت میں کسی پر ظلم لازم آئے مثلاً اللہ کے نازل کردہ حدود کے نفاذ میں اس کی اطاعت کا نہ ہونا معاشرے میں ظلم کا سبب ہوگا۔ اس لیے حدود اللہ میں اللہ کی اطاعت تک امت مسلمہ پر کفار سے جہاد و قتال واجب رہے گا۔

لہٰذا ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ قتال اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کا سلسلہ جاری رہتا ہے یا جب تک کفار و مشرکین کو ہر اس معاملے میں مطیع و فرمانبردار نہ بنا لیا جائے کہ جس کے نہ ہونے کی صورت میں دوسروں پر ظلم و زیادتی ہو۔ ظاہری بات ہے کہ کفار و مشرکین کے اپنے عقیدے پر قائم رہنے یا اس

کے مطابق عبادات کرنے سے کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہوتی لہٰذا ان سے اس معاملے میں اطاعت جبراً نہیں کروائی جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ ۱۷

''دین [قبول کرنے میں] میں کسی قسم کا کوئی جبر نہیں ہے۔''

لیکن ریاست وحکومت کے انتظامی امور میں کفار و مشرکین کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے اور قتال اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ تمام کے تمام کفار و مشرکین اس دنیاوی نظام میں اللہ کے مطیع و فرمانبردار نہیں بن جاتے' یعنی جب تک اللہ کے دین کا غلبہ تمام ادیان باطلہ پر نہیں ہو جاتا اس وقت تک قتال جاری رہے گا۔ اسی بات کو قرآن نے اس طرح بھی بیان کیا ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (٢٩)﴾ ۱۸

''تم یہود و نصاریٰ سے قتال کرو جو کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کو حرام نہیں ٹھہراتے کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہو اور دینِ حق کو بطور دین اختیار نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔''

اور اسی بات کو ایک اور جگہ اس طرح بیان کیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ ۱۹

''وہی اللہ تعالیٰ ہے کہ جس نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا قرآن مجید اور دین حق دے کر تاکہ وہ اس کو تمام ادیان [باطلہ] پر غالب کر دے اگرچہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی برا کیوں نہ لگے۔''

اور اسی بات کو اللہ کے رسول ﷺ نے یوں بیان کیا ہے:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا اله الا الله وأن محمدا

رسول الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكوة فإذا فعلوا ذلك عصموا منى دماء هم وأموالهم إلا بحق الإسلام وحسابهم على الله)) ۲۰

''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ یہ اقرار نہ کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم نہ کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ پس جب وہ یہ کر لیں گے تو اپنے مال اور جانیں مجھ سے بچا لیں گے سوائے اسلام کے حق کے' اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔''

اس حدیث مبارکہ میں 'الناس' سے مراد مشرکین ہیں کیونکہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کی ایک روایت میں ((أن أقاتل المشركين)) کے الفاظ آئے ہیں۔قرآن میں سورۃ توبہ میں بھی یہ حکم ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۲۱

''پس تم مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی ان کو پاؤ اور ان کو پکڑو اور ان کا گھیراؤ کرو اور ان کے لیے ہر گھات لگانے کی جگہ میں بیٹھو۔ پس اگر وہ لوٹ آئیں (یعنی اپنے کفر سے اسلام کی طرف) اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔''

قرآن کے اسی حکم کو اللہ کے رسول ﷺ نے ((أمرت أن أقاتل الناس)) کے الفاظ سے بیان کیا ہے جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو اسی آیت کی تفسیر کے طور پر بیان کیا ہے۔ چونکہ اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت مشرکین عرب کی طرف خاص طور پر ہوئی تھی اس لیے ان کے معاملے میں یہود و نصاریٰ اور دوسرے کفار کی نسبت زیادہ سختی کی گئی ہے اور ان کے لیے جزیہ کی صورت باقی نہیں رکھی گئی۔ پس ان مشرکین کے لیے دو ہی صورتیں تھیں: یا تو اسلام قبول کر لیں یا پھر قتال کے لیے تیار ہو جائیں یا تیسری صورت یہ تھی کہ حجاز کا علاقہ چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جائیں۔

یہ واضح رہے کہ قتال کی اس علت اور غایت کی بنیاد پر قتال اس وقت ہوگا جبکہ کوئی

مسلمان ریاست یا اجتماعیت اُن اسباب و ذرائع اور استعداد و صلاحیت کی حامل ہو کہ جس کی طرف ہم سابقہ سطور میں بار بار اشارہ کر چکے ہیں۔ جب تک ہمارے پاس کفار سے جنگ کی استعداد و صلاحیت موجود نہیں ہے اس وقت تک اسلام کے پھیلانے کا منہج دعوت و تبلیغ ہے نہ کہ جہاد و قتال۔ اور کفار کے ظلم کا جواب صبر ہے نہ کہ جنگ و جدال۔ کسی بھی معاشرے میں اسلام کے نفوذ کے لیے مسلمانوں کو حالات کے اعتبار سے بنیادی طور پر دو منہج دیے گئے ہیں:

1. دعوت و تبلیغ اور صبر و مصابرت
2. جہاد و قتال اور ظلم و ستم کا خاتمہ و نظام عدل کا قیام

دونوں مناہج کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے مختلف حالات میں کام کیا ہے اور اب بھی جیسے حالات ہوں گے ویسا ہی منہج اختیار کیا جائے گا۔ یہ کہنا کہ دعوت و تبلیغ اور صبر و مصابرت کا منہج منسوخ ہو چکا ہے' ایک غلط دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی دلیل شریعت اسلامیہ میں موجود نہیں ہے۔ دعوت و تبلیغ اور صبر و مصابرت سے متعلق قرآن کی سینکڑوں آیات کو بغیر کسی دلیل کے منسوخ قرار دینا سوائے ناواقفیت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ امام زرکشی رحمہ اللہ نے 'البرھان' میں ناسخ و منسوخ کی بحث کے تحت اس موضوع پر عمدہ کلام کیا ہے اور لکھا ہے کہ اسلام کے یہ دونوں مناہج تا حال برقرار ہیں اور حالات کے تحت کسی بھی منہج کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ [۲۲] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے 'الفوز الکبیر' میں قرآن کی صرف پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے اور یہی رائے راجح اور صحیح ہے۔

*****

مصادر و مراجع

١۔النساء: ٤ : ١٧٥

٢۔الأنفال : ٨ : ٦٥۔٦٦

٣۔القرطبی أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبی بکر، الجامع لأحکام القرآن : الأنفال : ٦٧ ، دار الکتب المصریة ، القاهرة ، الطبعة الثانیة ، ١٩٦٤ء ، ٨/ ٤٥

٤۔ابن قیم الجوزیة أبو عبد الله محمد بن أبی بکر الزرعی، إعلام الموقعین عن رب العلمین، دار الجیل، بیروت، ١٩٧٣ء، ٣/ ٤۔٥
٥۔البخاری أبو عبد الله محمد بن إسماعیل الجعفی، الجامع الصحیح المسند المختصر من أمور رسول الله صلی الله علیه وسلم وسننه وأیامه، کتاب التفسیر، باب تفسیر قوله تعالی وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة، ٤/ ١٦٤١
٦۔ الحج : ٢٢ : ٣٩
٧۔الحجرات : ٤٩ : ٩
٨۔الممتحنة : ٦٠ : ٨
٩۔التوبة : ٩ : ٢٩
١٠۔الأنفال : ٨ : ٣٩
١١۔النساء : ٤ : ٧٥
١٢۔ الممتحنة : ٦٠ : ٩
٣١۔وهبة الزحیلی الدکتور، أصول الفقه الإسلامی، دار الفکر، دمشق، الطبعة الأولی، ١٩٨٦ء، ١/ ١٣٠
١٤۔صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب کان النبی صلی الله علیه وسلم إذا لم یقاتل أول النهار أخر، ٣/ ١٠٨٢
١٥۔البقرة : ٢ : ١٩٣
١٦۔الأنفال : ٩ : ٣٩
١٧۔البقرة : ٢ : ٢٥٦
١٨۔التوبة : ٩ : ٢٩
١٩۔التوبة : ٩: ٣٣
٢٠۔صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب فإن تابوا وأقاموا الصلاة ، ١/ ١٧
٢١۔ التوبة : ٩ : ٥
٢٢۔الزرکشی أبو عبد الله بدر الدین محمد بن عبد الله بن بهادر، البرهان فی علوم القرآن، دار إحیاء الکتب العربیة، الطبعة الأولی، ١٩٥٧ء، ٢/ ٤٣۔٤٤

*****

باب ششم

پُر امن احتجاجی تحریک برائے نفاذ کتاب وسنت

کرنے کا اصل کام

باب ششم

پُرامن تحریک برائے نفاذ کتاب وسنت

کرنے کا اصل کام

مارچ ۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال پاشا کی طرف سے سلطنت عثمانیہ کی صورت میں موجود خلافت اسلامیہ کا ادارہ ختم کر دیا گیا۔ سیکولر ترک رہنما مصطفیٰ کمال نے اپنی ایک تقریر کے مابین آسمان کی طرف اپنا مُکا لہراتے ہوئے خدا کو دکھایا اور مسلمانوں میں پہلی دفعہ تصور خدا کو ریاست سے جدا کرنے کی بدعت کا آغاز فرمایا۔ مصطفیٰ کمال پاشا اور اس کی گرینڈ نیشنل اسمبلی کی قانون سازی نے مملکت ترکی کو خلافت اسلامیہ سے لا مذہب ریاست کی طرف دھکیل دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے سے لے کر ۱۹۲۴ء تک خلافت اسلامیہ کسی نہ کسی شکل میں کہیں نہ کہیں قائم رہی تھی لیکن اب کی بار امت مسلمہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہر مسلمان نے اس المناک حادثے پر آنسو بہائے کہ امت مسلمہ اجتماعیت کے ادارے سے محروم ہوگئی۔

دوسری طرف خلافت اسلامیہ سے سیکولر جمہوریہ کی طرف ترکی کے اس سفر نے امت مسلمہ کے ہر خطے میں بے چینی اور اضطراب کی لہر پیدا کر دی۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جب مصر' برصغیر پاک و ہند اور دنیا کے دوسرے خطوں میں خلافت اسلامیہ کی بحالی کے لیے مختلف تحریکوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ ۱۹۲۴ء سے تا حال امت میں یہ فکر عام ہوتی چلی جا رہی ہے کہ خلافت کے ادارے کی دوبارہ بحالی مسلمانوں کی اولین اور اشد ذمہ داری ہے اور اس عالم ارضی میں مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست کا قیام ہے۔

پس پاکستان کے قیام کے فوراً بعد ہی علماء' دینی جماعتوں کے قائدین اور صالح فکر کے حامل مفکرین نے پاکستان کو حقیقی معنوں میں ایک اسلامی ریاست بنانے کے لیے آئینی و قانونی جدوجہد کا آغاز کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی' مولانا شبیر احمد عثمانی' مولانا

ظفر احمد عثمانی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا ظفر احمد انصاری، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور سردار عبد الرب نشتر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد منظور ہوئی اور ریاست جمہوریہ پاکستان نے اس قرارداد کو اپنے آئین کا مقدمہ بناتے ہوئے کلمہ شہادت کا اقرار کیا اور بظاہر مسلمان ہوگئی۔

قرارداد مقاصد کے حصول کے بعد بھی علماء کی طرف سے نفاذ اسلام کی آئینی و قانونی کوششیں جاری رہیں۔۱۹۵۰ء ہی کے لگ بھگ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آئین سازی کے لیے سرکاری سطح پر ایک بورڈ قائم کیا گیا، جس کا نام 'بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ' رکھا گیا۔اس بورڈ میں اگرچہ اس وقت کے نامور دانشور اور علماء مثلاً سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مفتی جعفر حسین، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد انصاری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ شامل تھے، لیکن حکومت نے اس بورڈ کی پیش کی گئی سفارشات کو قانون سازی میں کوئی اہمیت نہ دی۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد جب بھی علماء یا دینی حلقوں کی طرف سے حکمران طبقے سے اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ کیا جاتا تو ان کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ استعجاب جاری ہو جاتا کہ کون سا اسلام نافذ کیا جائے: حنفی؟ بریلوی؟ دیوبندی؟ اہل تشیع کا؟ یا اہل حدیث کا؟ چنانچہ جنوری ۱۹۵۱ء میں ملک کے نامور شیعہ، بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث علماء کی ایک جماعت نے بائیس نکات پر مشتمل ایک متفقہ فارمولا منظور کیا۔ اس قرارداد پر دستخط کرنے والوں میں مولانا مودودی، سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا عبد الحامد بدایونی، پیر مانکی شریف، مفتی جعفر حسین، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ جیسی نامور شخصیات شامل تھیں۔

علمائے حق کی جانب سے پاکستان کے قانون اور آئین کو اسلامی بنانے کی یہ کوششیں تقریباً نصف صدی تک جاری رہی ہیں۔ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ ہو یا ادارہ تحقیقات اسلامیہ، اسلامی نظریاتی کونسل ہو یا وفاقی شرعی عدالت، ان سب اداروں کا قیام علماء کی اسی جدوجہد کا مرہون منت تھا۔ایک وقت تھا جبکہ اسلامی نظریاتی کونسل میں ملک کے جید علماء شامل ہوتے تھے اور اب صورت اس کے بالکل برعکس نظر آتی ہے۔ بہر حال

اکثر و بیشتر ایسا ہوا کہ علماء کی تحریک کے نتیجے میں حکومت وقت کی طرف سے جب بھی قانون و آئین کو اسلامی بنانے کے لیے کچھ ادارے قائم ہوئے یا بورڈ بنائے گئے' یا تو وہ ملکی سیاست کی بھینٹ چڑھ گئے یا اگر علمائے حق کو ان اداروں کی نمائندگی کا موقع دیا بھی گیا تو ان کی بیش بہا تحقیقات کو ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا گیا۔اصحاب اقتدار کے اس طرز عمل کی وجہ سے آہستہ آہستہ علماء کے طبقے میں بھی مایوسی اور بد دلی اس قدر گھر کر گئی کہ وہ نفاذ اسلام کے لیے پُرامن آئینی و قانونی جدوجہد سے بھی کٹ کر ہمہ تن قرآن و حدیث کی تعلیم وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ یہ تو تصویر کا ایک رخ ہوا۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کے نتیجے میں پاکستان کے مذہبی حلقوں میں جذبہ جہاد کی آبیاری ہوئی۔اس جہاد کے نتیجے میں افغانستان میں روس کو شکست ہوئی اور طالبان کی حکومت قائم ہو گئی۔نائن الیون کے بعد افغانستان پر امریکی حملہ ہوا' امارت اسلامیہ افغانستان ختم ہو گئی اور امریکہ کے خلاف طالبان کی طویل گوریلا جنگ کا آغاز ہوا۔وزیرستان' مالاکنڈ ڈویژن' سوات اور صوبہ سرحد کے کئی ایک دوسرے حصوں سے مجاہدین کی ایک بڑی تعداد جہاد افغانستان میں شریک ہونے کے لیے افغانستان گئی لیکن وہاں کے طالبان کو اس وقت کے مخصوص حالات کے اعتبار سے تعداد کی نسبت حکمت عملی اور جدید اسلحہ کی زیادہ ضرورت تھی۔پس افغانستان کے ان حالات کے پیش نظر پاکستانی مجاہدین کی اتنی بڑی تعداد طالبان کے لیے ایک اضافی بوجھ تو بن سکتی تھی لیکن مفید بالکل بھی نہ تھی۔ طالبان قیادت سے مشورے کے نتیجے میں یہ مجاہدین واپس پاکستان آ گئے۔دوسری طرف امریکہ نے جب پرویز مشرف حکومت پر القاعدہ' طالبان اور عرب مجاہدین کو پکڑوانے میں تعاون کے لیے دباؤ ڈالا تو پرویز مشرف کی حکومت نے امریکی ڈالروں کے حصول کی خاطر سوات اور مالاکنڈ ڈویژن کے افغانستان سے واپس آنے والے مقامی مجاہدین کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرنا شروع کر دیا جو کہ امریکہ کو اصلاً مطلوب بھی نہ تھے۔

اس عمل کے نتیجے میں صوبہ سرحد کے اس خطے کے عوام میں حکومت کے خلاف شدید نفرت پر مبنی ردعمل پیدا ہوا اور پرویز مشرف کی ظالمانہ پالیسیوں کے خلاف انتقامی جذبات نے ایک مقامی تحریک جہاد کی صورت اختیار کر لی۔فوجی ڈکٹیٹر نے اس تحریک کو دبانے

کے لیے سواتی عوام پر وحشیانہ بمباری کروائی۔ رہی سہی کسر وزیرستان اور قبائلی علاقوں میں امریکی ڈرون حملوں اوراس پر حکومت وقت کی مجرمانہ خاموشی نے پوری کر دی۔ آئے روز امریکہ کے ڈرون حملوں کا دائرہ وسیع ہوتا ہی جا رہا تھا اور امریکہ کے ان حملوں کے جواب میں سوائے وائٹ ہاؤس کی خدمت میں عاجزانہ درخواستیں پیش کرنے کے ہماری افواج یا حکومت وقت کے پاس کوئی لائحہ عمل نہ تھا۔

وزیرستان کے جہاد کی حقیقت بھی یہی ہے کہ وہاں بھی عرب مجاہدین کو پکڑوانے کے لیے پرویز مشرف حکومت کی طرف سے فوجیں چڑھائی گئیں' جس کے نتیجے میں وہاں کے قبائلیوں نے اپنے جان و مال کے تحفظ کی خاطر حکومت پاکستان کے خلاف دفاعی جہاد شروع کیا جس نے اپنوں کے خون کے قصاص کی خاطر بالآخر اقدامی قتال کی صورت اختیار کر لی ہے۔ سونے پر سہاگہ یوں ہوا کہ حکومت پاکستان نے صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں پر امریکی ڈرون حملوں کے بعد اپنی خفت مٹانے کے لیے اپنی فضائی فورسز کو معصوم قبائلی عوام کو شہید کرنے میں لگا دیا۔ قبائلی علاقوں اور مالاکنڈ ڈویژن میں امریکہ اور اس کی حواری پاکستانی حکومت کے خلاف دفاعی جہاد کی اس تحریک نے کئی ایک طالبان گروہوں اور جہادی تحریکوں کو جنم دیا اور بڑھتے بڑھتے اس تحریک نے اقدامی قتال' خودکش حملوں' قتال فرض عین اور امریکہ نواز حکومتوں کی تکفیر کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا۔

اس دفاعی جہاد کے اقدامی قتال کے مرحلے میں داخل ہونے کے پیچھے مقامی افراد کے ردعمل کے علاوہ ایک اہم سبب یہ فکر بھی ہے کہ پاکستان میں بھی ایک حقیقی اسلامی ریاست کا قیام صرف عسکری طریقے ہی سے ممکن ہے۔ سوات میں ابھرتی ہوئی طالبان تحریک' پرویز مشرف کی امریکہ نواز حکومت کی ظالمانہ پالیسیوں کا ردعمل تھی اور پاکستان میں خودکش حملوں کی بنیاد اور آغاز کا سبب لال مسجد کا سانحہ اور اس میں سینکڑوں بچیوں کے قتل عام کا ردعمل تھا۔ پاکستان کے مذہبی حلقوں کے خلاف حکومتوں کی مسلسل ظالمانہ پالیسیوں نے یہ فکر عام کر دیا ہے کہ مذہبی حلقے کو امریکہ کی غلامی کے علاوہ پاکستان کے ظالم حکمرانوں سے بھی نجات حاصل کرنی ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ آزادی ہر مسلمان' مسلمان تو کیا ہر انسان کا ایک بنیادی حق ہے۔ آج صوفی محمد کی تحریک کو کبھی رحمان ملک'

کبھی زرداری، کبھی الطاف حسین اور کبھی جنرل کیانی یہ الزام دیتے نظر آتے ہیں کہ یہ تحریک لوگوں پر اسلام کے نام پر جبراً اپنے انتہا پسندانہ نظریات مسلط کرنا چاہتی ہے۔ہم یہ پوچھتے ہیں کہ پاکستان کے قیام کے بعد سے اب تک تقریباً ساٹھ سال کے طویل عرصے میں چند افراد پر مشتمل حکومتی ٹولے یا مارشل لاء ڈکٹیٹروں نے ملک کے مذہبی حلقوں اور جماعتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ آئین و قانون کے نام پر عوام الناس پر ان کی مرضی کے خلاف اپنے سیکولر نظریات کو کبھی 'انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء' کے نام پر اور کبھی 'تحفظ حقوق نسواں بل' کی آڑ میں جبراً نافذ کرنا یا بے گناہ پاکستانی عوام کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے ہاتھوں چند ڈالروں کے عوض بیچ دینے کو کیا آزادی ومساوات کا نام دیا جائے؟ بیروزگاری کے عفریت' معاشی بدحالی' فقر و فاقہ کے نتیجے میں خودکشیاں' غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ' جرائم کی کثرت' عدالتوں میں انصاف کا بحران' پولیس اور لینڈ مافیا کا ظلم و ستم' امن و امان کی تباہی' انٹرنیٹ اور کیبل کی صورت میں عریانی و فحاشی کا سیلاب' وڈیرہ شاہی' جاگیردارانہ نظام' کرپشن' رشوت خوری' چوری و ڈکیتی' زنا و گینگ ریپ' عورتوں کو زندہ دفن کر دینا' غیر انسانی طبقاتی تقسیم' منشیات و شراب کی سرعام فروخت' گلی کوچوں اور سڑکوں پر ڈاکوؤں کی قتل و غارت اور عامۃ الناس پر ظلم وستم کی انتہا کرنے والی لسانی و علاقائی تنظیمیں' کیا پاکستان کے عوام یہ سب کچھ چاہتے ہیں؟ اگر نہیں تو اس کو ان پر مسلط کرنے کا ذمہ دار کون ہے؟ حکومت کا ظالمانہ اور کرپشن پر مبنی ناقص نظام یا مذہبی تحریکیں؟ پاکستانی معاشرے پر ان گندگیوں کو کس نے جبراً مسلط کیا ہے؟ حکومتوں نے یا مدارس اسلامیہ نے؟

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی ریاست کے قیام یا نفاذ شریعت یا قیام عدل اجتماعی یا ظالم حکمرانوں سے آزادی حاصل کرنے کے حوالے سے مذہبی طبقے اپنی جدوجہد کے اعتبار سے بنیادی طور پر دو مناہج میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ایک منہج تو عسکری ہے جو حکومت کی ظالمانہ پالیسیوں کا ثمر ہے اور دوسرا منہج اس مقصد کے حصول کی خاطر ہر اس جدوجہد پر مشتمل ہے جو پاکستان کے آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ہو۔ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد علماء اور دینی تحریکوں نے نفاذ شریعت کے لیے دوسرے منہج کو ہی اختیار کیا۔بعض اہل علم کے نزدیک اس طریقہ کار کو اختیار

کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ پاکستان کے حکمران اس وقت کے علماء کی نظر میں مسلمان تھے۔ہم تو کہتے ہیں کہ اگر پاکستان کے حکمران کافر ہوتے تو پھر بھی علماء اسلامی ریاست کے قیام کے لیے دوسرے منہج ہی کو اختیار کرتے کیونکہ عصر حاضر میں ریاست اور عوام الناس میں طاقت کے عدم توازن کی وجہ سے پہلا منہج تقریباً نا قابل عمل بن چکا ہے۔پس ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد علماء نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس خطہ ارضی میں مسلمانوں کی حکومت دوبارہ بحال کرنے کے لیے عسکری طریقہ کار ممکن نہیں رہا تو انہوں نے اگلی ایک صدی (۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء) تک مسلمانوں کی آزادی اور ایک اسلامی ریاست کے حصول کی خاطر اپنی جدوجہد کا رخ آئینی' قانونی اور سیاسی طریقہ کار کی طرف پھیر دیا۔لال مسجد کے واقعے کے بعد علماء کے بیانات سے ایک دفعہ پھر یہ بحث واضح ہوگئی ہے کہ انہوں نے اپنے حق میں نفاذ شریعت کے لیے پُرامن جدوجہد ہی کو اصل منہج قرار دیا ہے۔اگرچہ علماء وہ پُرامن جدوجہد کر رہے ہیں یا نہیں' یہ ایک سوالیہ نشان ضرور باقی رہ جاتا ہے!

ہمارے مخلص مذہبی طبقے کا المیہ یہ ہے کہ نفاذ شریعت یا قیام خلافت کے لیے ان کے ذہن میں کوئی منہج ہے تو وہی خروج یا بغاوت کا طریقہ کار ہے جو فی زمانہ ریاست اور کسی عوامی جماعت کے مابین بہت زیادہ عدم توازن کی وجہ سے نا قابل عمل ہونے کے ساتھ ساتھ ناممکن بھی ہو چکا ہے۔اور اس منہج کے تیزی سے پھیلنے کا بنیادی سبب ہمارے حکمرانوں کا حد سے بڑھتے ہوئے ظلم کا ردعمل ہے۔اس وقت امت مسلمہ کو امریکہ اور اس کے حواریوں سے یہ جنگ جیتنے کے لیے جسم و جان سے زیادہ فکر ونظر کے استعمال کی ضرورت ہے۔نفاذ شریعت کے لیے ایک طویل جدوجہد کے بعد مولانا صوفی محمد صاحب کو بھی یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھی کہ پاکستان میں عسکریت یا خروج کے رستے کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی۔معاصر جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر لال مسجد کے واقعے میں بھی ایک پُرامن احتجاجی تحریک کی صورت میں نفاذ شریعت کے مطالبے کو آگے بڑھایا جاتا تو بہت بہتر تھا۔

علمائے پاکستان کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مالاکنڈ میں شریعت کے نفاذ کے تحفظ اور سارے ملک میں نظام عدل کے قیام کی خاطر ایک پُرامن احتجاجی تحریک کی بنیاد

رکھیں۔ سیاسی پارٹیاں اپنے عہدوں اور وکلا انگریزوں کے بنائے ہوئے قوانین کے تحفظ کی خاطر قربانیاں دے سکتے ہیں' مظاہرے کر سکتے ہیں' دھرنے دے سکتے ہیں تو علماء اور طالبان' دین اسلام' ظلم وستم کے خاتمے اور عدل وانصاف کے قیام کی خاطر کیوں ایسا نہیں کر سکتے ؟ ہمارے ہاں عام طور پر مفتیان کرام جہاد وقتال کی فرضیت کے فتوے جاری کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ شاید انہوں نے اپنے حصے کا فرض ادا کر دیا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امریکہ' برطانیہ' اسرائیل' انڈیا اور ان کے حواریوں کے ظلم و بربریت کے خلاف جہاد وقتال فرض ہے۔ہمیں اختلاف جہاد وقتال کی فرضیت میں نہیں ہے بلکہ اس میں ہے کہ یہ کس پر فرض ہے؟ ہمارے نزدیک یہ جہاد و قتال اسلامی ریاستوں کے سربراہان' حکمرانوں اور اصحاب اقتدار پر فرض ہے اور علماء' طالبانِ دین اور مصلحین پر فرض یہ ہے کہ اپنے ملک کے حکمرانوں اور اصحاب اقتدار کو اس فرض کی ادائیگی پر ہر آئینی' احتجاجی' قانونی' لسانی' علمی' اخلاقی اورتحریری ذرائع و وسائل' اخبارات' رسائل و جرائد' الیکٹرانک میڈیا' جلسے جلوسوں' دھرنوں' سیمینارز اور کانفرنسوں کے انعقاد' اجتماعی مباحثوں اور مکالموں اور عوامی دباؤ کے ذریعے مجبور کریں اور اگر پھر بھی حکمران اس فریضے کی ادائیگی سے انکار کریں تو مذکورہ بالا تمام پُر امن کوششوں کے ذریعے ان حکمرانوں کی معزولی اور ان کی جگہ اس عہدے کی اہلیت رکھنے والے اصحاب علم وفضل کی تقرری علماء اور داعیان حق کا بنیادی فریضہ ہو گا تاکہ ریاستی سطح پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے عالمی ظلم کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔ہمارے نزدیک اہل علم کا جہاد یہ ہے کہ علمائے کرام' دینی جماعتیں اور ان کے کارکنان' دینی مدارس کے طلبہ وزیرستان اور دوسرے قبائلی علاقوں میں ہونے والے وحشیانہ ڈرون حملوں کے خلاف ملک گیر سطح پر پرامن جلسے اور جلوسوں کا اہتمام کریں۔عوام الناس کی رائے ہموار کریں۔سٹریٹ پاور بڑھائیں۔ اسلامی نظام عدل اجتماعی کے نفاذ تک وکلا کی طرح مسلسل مظاہرے کریں۔امریکہ کی حمایت ختم کرنے کے لیے حکومت وقت کے خلاف دھرنے دیں۔ظالم حکمرانوں کی معزولی کی خاطر پُرعزم لانگ مارچ کریں۔پاکستان کی پاک سرزمین پر اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے ہر پُر امن جدوجہد اختیار کریں اور نتائج اللہ کے حوالے کر دیں۔

المیہ یہ ہے کہ پاکستان کا مذہبی طبقہ اس طرح کی پُرامن جدوجہد کے ذریعے اسلام، جہاد اور مجاہدین کی جو مدد کر سکتا ہے وہ تو وہ کرتا نہیں ہے، بس ساری توانائی اس پر ہی خرچ ہو جاتی ہے کہ ایک عام سپاہی یا فوجی کافر ہے یا مسلمان؟ عام مسلمان پر قتال فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ مدارس میں بیٹھ کر جہاد کے حق میں فرض عین ہونے کے فتاویٰ جاری کرنے سے یہ نفسیاتی تسکین تو مفتی صاحب کو حاصل ہو سکتی ہے کہ انہوں نے جہاد کی خاطر بہت گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں لیکن اگر وہی مفتیان حضرات مظلوم عوام کے حق میں حکومت کے خلاف پُرامن مظاہرہ کرتے اور اسلامی تحریکوں کے کارکنان یا وکلا کی طرح سر پھڑواتے تو خارج میں نتائج بہت مختلف ہوتے۔ پاکستان میں اسلام اور نظام عدل کا نفاذ پُرامن جدوجہد اور قربانیاں دینے سے ہو گا اور پاکستان میں نفاذ اسلام کے بعد ملت کفر کے مسلم دنیا پر ظلم وستم کے خلاف جہاد وقتال کا مرحلہ آئے گا اور ساری دنیا میں اسلام کا غلبہ ریاستی سطح پر ہونے والے جہاد وقتال سے ممکن ہو گا۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ انڈیا ہو یا امریکہ، اسرائیل ہو یا برطانیہ، ان ظالم ریاستوں کے ظلم کے خلاف جہاد وقتال اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ پاکستان میں پہلے اسلامی نظام نافذ ہو جائے اور پھر ریاست کی سطح پر ان عالمی دہشت گردوں کے خلاف جہاد وقتال کیا جائے۔ پس پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ صحیح منہج پر قائم ہونے والی جہاد وقتال کی عالمی تحریک کا پہلا زینہ ہے اور اس پہلے زینے تک پہنچنے کے لیے کامیاب طریقہ کار وہی ہو گا جو کہ عدم تشدد پر مبنی ہو۔

متفرق مسالک کی تبلیغی جماعتیں، انقلاب کے دعویدار مذہبی وسیاسی گروہ اور احتجاجی تحریکیں اس وقت اسی منہج پر مختلف مراحل اور مدارج میں کام کر رہی ہیں اور پاکستان میں نفاذ اسلام کے لیے پُرامن جدوجہد کے ذریعے راہ ہموار کر رہی ہیں۔ ان تبلیغی جماعتوں اور پُرامن انقلابی تحریکوں کے تعاون سے نفاذ شریعت کے لیے ایک عظیم احتجاجی تحریک کی بنیاد رکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہی ہمارے نزدیک جہاد کا وہ حقیقی عمل ہے جس کو تیز کرنے کی اشد ضرورت ہے اور یہ اسی وقت تیز ہو سکتا ہے جبکہ اسے متفرق مکاتب فکر کے اہل علم کی سرپرستی حاصل ہو گی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء اس وقت اپنی سرپرستی میں ایک پُرامن تحریک کا

آغاز کریں۔ عدل کے قیام' غریب کو انصاف مہیا کرنے' قوم کو امریکہ کی غلامی سے نجات دلوانے' ظالم حکمرانوں کے ظلم کے خاتمے' حدوداللہ کے نفاذ' امن وامان کے قیام' عریانی و فحاشی کے سیلاب کی روک تھام' اخروی نجات اور مسلمانان پاکستان کی دنیاوی فلاح و بہبود کی خاطر ایک ایسی پُرامن احتجاجی تحریک برپا کرنے میں آخر کیا مانع ہے کہ جس میں علماء کسی کی جان لینے کی بات نہ کرتے ہوں بلکہ ظالم حکمرانوں سے آزادی کے طلب گار ہوں۔ پاکستان کے مذہبی حلقے کو ان ظالم حکمرانوں اور ان کے جابرانہ نظام سے آزادی کی یہ جنگ لڑنی ہو گی۔ یہ جنگ ضرور ہو گی۔آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں! اور یہ جنگ بغیر کسی بندوق' کلاشنکوف' اسلحے یا راکٹ لانچر کے لڑی جائے گی۔اور ان شاء اللہ فتح اہل ایمان کا مقدر ہے۔

*****

باب ہفتم

نفاذ شریعت کا منہج: دعوت و جہاد

باب ہفتم

نفاذ شریعت کا منہج : دعوت و جہاد

دین، شریعت اور منہاج کا فرق

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام اور امتوں کا دین ایک ہی ہے اور وہ دین اسلام ہے۔آپ کا ارشاد ہے:

((الأنبیاء إخوة لعلات أمهاتهم شتی و دینهم واحد)) ❶

''انبیاء آپس میں علاتی بھائی ہیں [علاتی بھائی انہیں کہتے ہیں جن کا باپ ایک ہو اور مائیں جدا ہوں]۔ان کی مائیں جدا ہیں لیکن دین واحد ہے۔''

اس حدیث میں دین کو باپ اور شریعت کو ماں سے تشبیہہ دی گئی ہیں۔ پس تمام انبیاء علیہم السلام کا دین تو دین اسلام ہی ہے جبکہ ان کی شریعت، تہذیب وتمدن کے ارتقا کی وجہ سے بدلتی رہتی ہے۔

قرآن کے بیان کے مطابق شریعت کے اختلاف کے علاوہ اس شریعت کو فرد و معاشرے پر نافذ کرنے کا طریقہ اور منہج بھی مختلف اقوام وملل میں مختلف رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ ❷

''ہم نے تم میں سے ہر ایک [امت] کے لیے ایک شریعت اور ایک منہاج مقرر کیا ہے۔''

ہم یہاں اس طرف اشارہ کرنا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ اصول فقہ میں مصادر شریعت کے عنوان کے تحت کتاب، سنت اور اجماع وغیرہ کی بحثیں شریعت کی بحثیں ہیں جبکہ مصلحت، سد الذرائع، عرف اور مقاصد شریعت کی بحثیں دراصل منہاج کی ابحاث ہیں یعنی ایک تو شریعت و قانون ہے اور دوسرا اس کو نافذ کرنے کا طریق کار اور منہج

ہے ❸ جیسا کہ پروسیجرل لاء (procedural law) کی مثال ہے۔ پس کتاب و سنت کے احکامات کے نفاذ اور اِجرا (application) میں مصلحت، سد الذرائع، عرف اور مقاصد شریعہ کو سامنے رکھنے کا معنی منہاج محمدی ﷺ کو سامنے رکھنا ہے۔

'شریعت محمدی' ﷺ کتاب و سنت ہے اور کتاب و سنت کے نفاذ کا 'منہاج محمدی' ﷺ دو قسم پر ہے:

❶ **اجمالی منہج**: یہ دعوت و جہاد ہے۔

❷ **تفصیلی منہج**: یہ مصلحت عامہ (public good and interest)' سدالذرائع (prohibition of evasive legal devices)' عرف (common practice and law) اور مقاصد شریعت (purposes of Sharia) وغیرہ کی ابحاث ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے شریعت کے نفاذ میں مصلحت' سدالذرائع' عرف اور مقاصد کا لحاظ رکھا ہے۔ اس کے دلائل کے لیے اصول فقہ کی کتابوں میں قواعد عامہ یا اختلافی مصادر شریعت کی بحث ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

کیا سابقہ مناہجِ نفاذِ شریعت منسوخ ہیں؟

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سابقہ اقوام کی شریعتوں کی مانند ان کی طرف بھیجے ہوئے انبیاء کا منہاج بھی منسوخ ہے یا نہیں؟

اس سوال کا جواب تفصیل چاہتا ہے۔ جس طرح سابقہ شرائع کے بنیادی احکامات مثلاً نماز' روزہ' حج' زکوۃ' زنا نہ کرنا' چوری نہ کرنا' قتل نہ کرنا اور سود نہ کھانا وغیرہ کی ایک بڑی تعداد ہماری شریعت میں باقی رکھی گئی اسی طرح ان سابقہ شریعتوں کے نفاذ کا بنیادی منہج یعنی دعوت بھی اس شریعت اسلامیہ میں بطور منہج باقی رکھا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سابقہ انبیاء کے نفاذ شریعت کے جن تفصیلی مناہج کا ذکر قرآن وسنت میں بطور خبر و تذکرہ بیان ہوا ہے تو یہ مناہج ہمارے حق میں ثابت ہیں یا نہیں؟ "شرائع من قبلنا" (previous Sharia) کے عنوان کے تحت اصولیین کے اختلاف کو بنیاد بناتے ہوئے اس بارے بنیادی طور پر دو موقف ہمارے سامنے آتے ہیں:

❶ جمہور حنفیہ' مالکیہ' بعض شافعیہ' جمہور حنابلہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ شرائع من قبلنا کے وہ احکام جو ہماری شریعت میں بطورِ خبر نقل ہوئے ہیں، ہمارے لیے حجت ہوں گے۔ ❹ لہٰذا اس موقف کے مطابق ان فقہاء کے نزدیک سابقہ تفصیلی مناہج بھی ہمارے لیے حجت ہوں گے۔ اس گروہ کے مطابق ان مناہج کا ہماری شریعت میں مذکور ہو جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ شارع نے ان مناہج کو ہمارے حق میں برقرار رکھا ہے۔

❷ اشاعرہ' معتزلہ' شیعہ' ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شافعیہ کے ہاں راجح مسلک یہ ہے کہ سابقہ شریعتوں کے وہ احکام جو ہماری شریعت میں بطورِ خبر نقل ہوئے ہیں' ہمارے لیے حجت نہیں ہیں۔ ❺ پس اس قول کے مطابق یہ تفصیلی مناہج ہمارے حق میں حجت نہیں ہیں۔

سابقہ انبیاء کے تفصیلی منہج کی ایک دلچسپ مثال پیش خدمت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کے سامنے دعوت رکھی اور ان کی قوم کے آباء و اجداد کا معاملہ سامنے آیا تو انہوں نے کچھ یوں جواب دیا:

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ (۵۲) قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِيْنَ (۵۳) قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ❻

''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کے سامنے تم جم کر بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: تم اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں ہو۔''

اس کے برعکس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے اپنی دعوت رکھی اور اس نے اپنے آباء واجداد کے بارے وضاحت چاہی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب کچھ یوں تھا:

﴿فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ

قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکَ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (٤٧) اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (٤٨) قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی (٤٩) قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ ھَدٰی (٥٠) قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی (٥١)قَالَ عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی﴾ ❼

''پس حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: بلاشبہ ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں' پس تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور انہیں عذاب نہ دے۔ ہم دونوں تیرے پاس تیرے رب کی واضح نشانی لے کر آئے ہیں اور جس نے ہدایت کی پیروی کی تو اس پر سلامتی ہو۔ ہم دونوں پر یہ بھی وحی کی گئی ہے کہ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا تو اس کے لیے عذاب ہے۔ فرعون نے کہا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو پیدا کیا اور پھر اس کی رہنمائی کی۔ فرعون نے کہا: پس پہلی قوموں [ہمارے آباء واجداد] کا کیا حال ہوگا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان کا حال میرے رب کے پاس ایک کتاب میں محفوظ ہے اور میرا رب نہ تو بے اعتدالی کرتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے۔''

یہ بھی واضح رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے سامنے دعوت پیش کرتے ہوئے ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا﴾ ❽ میں نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم بھی دیا گیا تھا۔ اب دعوت کے مرحلے میں امت محمدیہ کے افراد کو جب مخاطبین کی طرف سے کوئی ایسا سوال پیش آئے تو انہیں حضرت ابراہیم یا حضرت موسیٰ علیہما السلام جیسا جواب دینے کی اجازت ہے یا نہیں؟ تفصیلی منہج کے اختیار کرنے یا نہ کرنے سے ہماری مراد اس بحث کی وضاحت تھی۔

منہاج محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصادر

امت محمدیہ میں نفاذ شریعت کا منہج کہاں سے معلوم ہوگا؟ یا اس کے مصادر کیا ہیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ شریعت محمدیہ کے بنیادی مصادر تو قرآن اور سنت ہیں اور ثانوی مصادر میں اجماع' قیاس ہیں اور فقہاء کے مابین شریعت کے اختلافی مصادر میں شرائع

من قبلنا' قول صحابی اور استصحاب وغیرہ شامل ہیں۔ ❾

اس کے برعکس 'شریعت محمدی' ﷺ کے نفاذ کے لیے' منہاج محمدی' ﷺ کا تعین بھی کتاب وسنت ہی سے ہوگا یعنی منہاج محمدی کے بھی بنیادی مصادر میں کتاب اللہ اور سنت رسول ہیں۔ اس کے ثانوی مصادر میں سیرت' مصلحت' سدالذرائع' عرف اور مقاصد شریعت وغیرہ ہیں۔

کتاب اللہ اور سنت رسول میں نفاذ شریعت کے نبوی منہاج کو تبلیغ' دعوت' امر بالمعروف ونہی عن المنکر' جہاد اور قتال وغیرہ جیسی اصطلاحات کے ذریعے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح اجتہاد کے دو پہلو ہیں۔ اجتہاد کا ایک پہلو شریعت یعنی کتاب وسنت سے متعلق ہے جس کی ایک صورت اصولیین کی اصطلاح میں 'تنقیح المناط' ہے اور اجتہاد کا دوسرا پہلو تطبیقی ہے جو شرعی احکام کی تطبیق' نفاذ اور اِجرا سے متعلق ہے جس کی ایک صورت اصولیین کی اصطلاح میں 'تحقیق المناط' ہے۔ پس جس طرح کسی مسئلے کے شرعی حکم کی قرآن وسنت کی وسعتوں اور گہرائیوں میں تلاش اجتہاد ہے اسی طرح ان شرعی احکام کا امر واقعہ پر اِجرا اور نفاذ بھی اجتہاد ہی کی ایک صورت ہے اور اجتہاد کی اصل صورت اس کا یہی تطبیقی اور اِجرائی پہلو ہوتا ہے۔

نفاذ شریعت کا منہاج محمدی ﷺ

اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کا اگر ہم جائزہ لیں تو آپ کے لائے ہوئے انقلاب کے منہج وطریقہ کار کو ہم دو لفظوں یعنی **'دعوت وجہاد'** میں بیان کر سکتے ہیں۔ آپ کی مکی زندگی میں دعوت کا غلبہ ہے جبکہ مدنی زندگی میں جہاد غالب ہے۔ پس انقلاب محمدی کا منہج دو لفظوں میں **'دعوت وجہاد'** ہے۔

تبدیلی یا انقلاب کی دو سطحیں ہیں: ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی۔ انفرادی تبدیلی یا افراد کی اصلاح یا شخصی تزکیہ نفس یا فرد کا تعلق مع اللہ یا انفرادی زندگی میں انقلاب لانے کے لیے دعوت سے زیادہ موثر کوئی منہج نہیں ہے۔ جس شخص نے بھی سیرت کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ سابقون الأولون اور کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

کی اعلیٰ تر شخصیات دعوت وتبلیغ اور صبر وتحمل ہی کے ماحول میں پروان چڑھی تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ ذاتی زندگی میں نفاذ شریعت کے حوالے سے تبلیغی جماعتوں نے جو رجال کار پیدا کیے ہیں' اگرچہ ان کی تعداد تبلیغی جماعتوں کی مجموعی تعداد کی نسبت بہت کم ہی کیوں نہ ہو' امر واقعہ یہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں ایسی شخصیات نہ تو تصوف کے حلقے پیش کر سکے ہیں اور نہ ہی بیعت ارشاد کے جملہ سلاسل۔

اس کے برعکس اجتماعی سطح پر تبدیلی یا انقلاب یا نظام عدل کے قیام یا نفاذ شریعت کے لیے جہاد سے بہتر کوئی منہج موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور خلافت راشدہ میں نظام عدل کے قیام کے لیے اسی منہج کو اختیار کیا گیا۔

فرد پر نفاذ شریعت کا منہج دعوت ہے

دعوت کا پہلا مرحلہ تبلیغ (یعنی پیغام پہنچانا) ہے اور یہ کم از کم درجہ ہے جو ہر مسلمان کے لیے فرض کی حیثیت رکھتا ہے یعنی ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ اس کے پاس کتاب و سنت کا جو علم بھی محفوظ ہے' وہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَہٗ﴾ ۱۰

''اے رسول ﷺ! آپ پہنچا دیں جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت کا حق ادا نہ کیا۔''

اس آیت مبارکہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ تبلیغ کا حکم تو ہے لیکن کس شے کی تبلیغ مطلوب ہے، یہ بھی واضح کر دیا ہے اور وہ ﴿مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ﴾ یعنی قرآن وسنت کی تبلیغ کا حکم ہے نہ کہ قصے کہانیوں کی' جیسا کہ دیہاتوں میں جمعہ کے خطبات میں واعظین کا عمومی طرز عمل دیکھنے میں آیا ہے کہ قصے کہانیاں' بزرگوں اور اولیاء اللہ کے واقعات تو خوب ہوتے ہیں لیکن کتاب وسنت کا نام بھی موجود نہیں ہوتا اور اگر بھولے سے سنت میں سے کچھ بیان کیا بھی جاتا ہے تو وہ بھی فضائل اور مناقب سے متعلقہ موضوع اور من گھڑت روایات کہ جن کا بیان کرنا ہی شرعاً حرام ہے۔

رسالت کی تبلیغ کی یہ ذمہ داری جو آپ کے کاندھوں پر تھی ، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے وہ اپنی امت کو سونپ دی۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں :

((ألا هل بلغت قالوا نعم قال أللهم اشهد فليبلغ الشاهد الغائب فرب مبلغ أوعى من سامع)) ۱۱

''[آپ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً ایک لاکھ ۲۴ ہزار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوال کیا] کیا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! آپ نے کہا: اے اللہ ! گواہ رہنا۔ پس جو تم میں سے حاضر ہے وہ اس کو یہ پیغام پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں ہے۔ پس بہت سے ایسے لوگ کہ جنہیں یہ پیغام پہنچایا جائے گا وہ [اس پیغام کو یہاں پر] سننے والوں سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوں گے۔''

پس تبلیغ ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس کا یہ فرض اس وقت ادا ہو گا جب وہ کتاب وسنت کی تبلیغ کرے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی جس تبلیغ پر گواہی لی یا جس کے کرنے کا حکم دیا' وہ کتاب وسنت ہی کی تبلیغ ہے۔

تبلیغ کے بعد دعوت کا مرحلہ ہے اور دعوت ہی کی اصطلاح کے ذریعے دعوت کے منہج کو بہت تفصیل سے قرآن میں نکھارا گیا ہے۔ ہم یہاں اس ذیل میں صرف دو تین نکات کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ۱۲

''اور اس سے بڑھ کر بہترین بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف پکارے اور نیک عمل کرے اور کہے : میں تو مسلمانوں میں سے ہوں۔''

اس آیت مبارکہ میں ایک تو یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کی مطلوب دعوت کون سی ہے! یعنی دعوت کس کی طرف دی جائے گی؟ قرآن کے بیان کے مطابق مطلوب دعوت' اللہ کی بندگی کی دعوت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ داعی کو خود بھی عامل ہونا چاہیے۔ تیسری بات یہ ہے کہ داعی کا تشخص ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے سامنے آئے نہ کہ کسی خاص مسلک کے نمائندے یا کسی جماعت کے رکن کی حیثیت سے۔

مسالک، جماعتوں اور تحریکوں کا اگرچہ جواز موجود ہے لیکن اگر کسی داعی الی اللہ کا تشخص مسلمان ہونے کی بجائے اس کا مسلک' جماعت یا تحریک بن جائے تو یہ قرآن کا بالکل بھی مطلوب نہیں ہے۔ اگرچہ تعارف کے لیے تو مسلمان کے علاوہ تشخص کی اجازت موجود ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ ۱۳

''اور ہم نے تمہیں قوموں اور قبائل میں تقسیم کیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کی پہچان حاصل کرو۔''

اکثر اوقات فقہی مسالک' مذہبی جماعتوں اور اسلامی تحریکوں میں اپنے مسلک' جماعت اور تحریک کے حوالے سے تعصب اور غلو پیدا ہو جاتا ہے اور ان کی دعوت کا اصل مقصود اپنی تعداد کو بڑھانا بن جاتا ہے نہ کہ لوگوں کو اللہ کی بندگی اور اطاعت میں داخل کرنا۔ پس کسی جماعت کا آغاز تو دعوت الی اللہ کی بنیاد پر ہوتا ہے لیکن کچھ عرصے بعد 'اللہ' پیچھے رہ جاتا ہے اور جماعت یا تحریک یا مسلک آگے آ جاتا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں دعوت کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے اور وہ لوگوں کو خالص اللہ کی طرف بلانا ہے۔

دعوت و تبلیغ میں حکمت' مصلحت' سد الذرائع اور عرف وغیرہ کا لحاظ رکھنے کا بھی شریعت نے حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾ ۱۴

''تم اپنے رب کے رستے کی طرف دعوت دو حکمت کے ساتھ اور اچھی وعظ و نصیحت کے ساتھ اور احسن طریقے سے مجادلہ کے ساتھ۔''

اس آیت مبارکہ میں دعوت میں حکمت و مصلحت کا لحاظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح مجادلے میں بھی احسن اور بہترین طریقہ کار کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ ۱۵ اور ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ۱۶ اور ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ﴾ ۱۷ اور ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ۱۸ اور ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ ۱۹ اور

﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ ۲۰ اور ﴿رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا﴾ ۲۱ اور ﴿ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا﴾ ۲۲ اور ﴿ثُمَّ اِنِّيْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا﴾ ۲۳ وغیرہ میں دعوت و تبلیغ کے منہج کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ان آیات میں غور وفکر کرنے والے کے لیے دعوت و تبلیغ کے تفصیلی منہج کے حوالے سے علم وحکمت کے بہت سے خزانے پنہاں ہیں۔

پس انفرادی اور شخصی زندگی میں نفاذ شریعت کے لیے بہترین اسلوب و منہج' اخلاص وعمل کی بنیاد پر' کتاب وسنت کی دعوت و تبلیغ ہے۔بعض لوگوں کا یہ جو خیال ہے کہ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والی جماعتیں نفاذ شریعت یا اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کام نہیں کر رہی ہیں تو ہمیں اس خیال سے بالکل بھی اتفاق نہیں ہے۔دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والی جماعتیں افراد اور خاندان میں انقلاب برپا کر رہی ہیں جو معاشرے کی اکائی ہے۔ اجتماعیت کی تبدیلی کی بنیاد بھی اس کی اکائی ہی ہوتی ہے ۔افراد کی اصلاح ہو گی یا افراد میں انقلاب برپا ہو گا تو معاشروں اور اجتماعیت میں بھی تبدیلی پیدا ہو گی۔ پس افراد میں نفاذ شریعت کے لحاظ سے دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والی جماعتوں کا کام مستحسن ہے اگرچہ ان جماعتوں کے نصاب تعلیم' دعوت و تبلیغ کے منہج و طریق کار میں بہتری اور تبدیلی کی گنجائش اور ضرورت بہر صورت موجود ہے اور اس کی طرف ان جماعتوں کے اکابر کو توجہ دینی اور دلانی چاہیے۔

اجتماعیت پر نفاذ شریعت کا منہج جہاد ہے

جہاد کا لفظ قرآن میں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے اور قرآنی اصطلاح میں اللہ کے دین کی سربلندی کے جذبے' نیت اور ارادے سے کی جانے والی ہر تبلیغی' دعوتی' تحریری' قولی' قانونی' آئینی' معاشی' سیاسی' علمی' اصلاحی' تحریکی اور جہادی کوشش 'جہاد' ہے اور اس کا آخری درجہ اللہ کے لیے اپنی جان قربان کر دینا یعنی قتال فی سبیل اللہ ہے۔قرآن مجید نے 'جہاد' کی اصطلاح اسی وسیع معنی میں استعمال کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ ۲۴

''پس آپ کافروں کی بات نہ مانیں اور ان کے ساتھ اس قرآن کے ذریعے بڑا جہاد کریں۔''

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔اس آیت میں 'ہ' ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے۔جمہور مفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ' مقاتل بن حیان' امام ابن جریر طبری' امام قرطبی' امام بغوی' امام بیضاوی' امام ابن تیمیہ' امام ابن کثیر' علامہ ابن جوزی' امام عبدالرحمٰن الثعالبی' امام ابوجعفر النحاس' ابولیث سمرقندی' امام نسفی' علامہ آلوسی' ابوالحسن الواحدی' شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی' سید علامہ طنطاوی' شیخ ابن عجیبہ' علامہ زمخشری' امام ابوسعود' علامہ خازن' علامہ ابن عاشور امالکی' علامہ شنقیطی' امام جلال الدین محلی' سید قطب شہید' علامہ ابوبکر الجزائری رحمہم اللہ علیہم اور سعودی علماء کی ایک جماعت نے[التفسیر المیسر میں]اس آیت مبارکہ میں 'ہ' ضمیر سے مراد قرآن لیا ہے۔بعض مفسرین مثلاً امام رازی' ابن عادل حنبلی' امام بقاعی رحمہم اللہ علیہم وغیرہ نے اس ضمیر سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ رسالت میں جدوجہد و انتہائی کوشش مراد لی ہے۔جبکہ بعض مفسرین نے اس ضمیر سے مراد اسلام لیا ہے۔ان مفسرین کی آراء نقل کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ائمہ سلف کے نزدیک اس آیت میں جہاد سے مراد قتال نہیں ہے بلکہ یہ لفظ یہاں صلاحیتیں کھپانے اور کوشش کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

احادیث میں بھی جہاد کی اصطلاح انہی وسیع معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ اُمَّةٍ قَبْلِيْ اِلاَّ كَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ، ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَآءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ)) ۲۵

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ سے پہلے کسی قوم میں اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی نبی ایسا نہیں بھیجا کہ جس کے حواری اور ایسے ساتھی نہ ہوں جو اس کے طریقے کے مطابق چلتے تھے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد کچھ ناخلف قسم کے لوگ ان کے جانشین بنتے تھے جو ایسی باتیں کہتے تھے کہ جن پر خود عمل نہیں کرتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے کہ جس پر عمل کرنے کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ پس جس نے ان [حکمرانوں] کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے۔ اور جس نے ان کے ساتھ اپنی زبان سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے۔ اور جس نے ان کے ساتھ اپنے دل سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے۔ اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔''

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ)) [۲۶]

''مشرکین کے ساتھ اپنی جانوں' اپنے مالوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو۔''

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو 'صحیح' قرار دیا ہے۔ [۱۲] پس جہاد کا معنی صرف قتال نہیں ہے جیسا کہ یہ غلط فہمی بہت عام ہو چکی ہے۔ البتہ قتال 'جہاد' کی بلند ترین صورت ضرور ہے۔ **جہاد سے مراد اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کی جانے والی ہر قسم کی جدوجہد اور کوشش ہے** اور 'جہاد' کے اس معنی پر قرآن و سنت کی بیسیوں نصوص اور ائمہ سلف کے سینکڑوں اقوال شاہد ہیں جنہیں ہم طوالت کے خوف سے یہاں بیان نہیں کرنا چاہتے۔

اسی طرح آپ کی مدنی زندگی میں صرف قتال نہیں ہے بلکہ میثاق مدینہ میں ازلی دشمنوں یعنی یہود کے ساتھ مدینہ کے اجتماعی دفاع کا معاہدہ بھی ہے، صلح حدیبیہ کی طرح بدترین دشمنوں یعنی مشرکین مکہ سے صلح بھی ہے، خندق کے ذریعے صرف دفاع بھی ہے، بادشاہوں کے نام خطوط کے ذریعے بین الاقوامی سطح پر دعوت کا مرحلہ بھی ہے وغیرہ۔

پس حدیث مذکورہ بالا کے مطابق ناخلف حکمرانوں کے خلاف جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس جہاد کا کم از کم درجہ ان حکمرانوں کے خلافِ اسلام اعمال و افعال سے دل سے نفرت کرنا ہے اور اعلیٰ ترین درجہ انہیں مسند اقتدار سے ہٹانے کے لیے عملی کوشش اور جدوجہد کرنا ہے۔

'نفاذ شریعت' اور 'نظام عدل کا قیام' کی اصطلاحات: چند گزارشات

ہم یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ نفاذ شریعت کی نسبت ہم 'نظام عدل' کے قیام کی اصطلاح کو جامع سمجھتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید نے سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں یہ اصطلاح استعمال کی ہے کیونکہ نفاذ شریعت کا عمومی مفہوم یہی سمجھا جاتا ہے کہ چند حدود کو نافذ کر دیا جائے بس یہی نفاذ شریعت ہے حالانکہ اسلام پسندوں کی نفاذ شریعت سے مراد صرف حدود کا نفاذ نہیں ہوتا بلکہ معاشرتی' معاشی' تعلیمی' عدالتی' سیاسی' ریاستی' صحافتی' قانونی اور آئینی نظام حتی کہ ہر شعبہ زندگی کی اسلامی اصول وضوابط کی روشنی میں تبدیلی ہوتی ہے اور ان سب کے لیے ایک جامع لفظ قیام عدل ہے یعنی ہر شعبہ زندگی سے ظلم کا خاتمہ اسلامی نظام کے قیام کا مقصود ہے اور یہی علت جہاد کی اعلیٰ ترین صورت قتال کی بھی بیان کی گئی ہے۔ [۲۸]

اسلام اپنا غلبہ چاہتا ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ اسلام ظلم کا خاتمہ چاہتا ہے کیونکہ اسلام ہی دینِ عدل ہے اور کسی شخص کے مسلمان ہونے کا یہ بنیادی تقاضا ہے کہ وہ صرف دین اسلام ہی کو دینِ عدل مانے۔ پس جب ایک مسلمان اسلام کو دینِ عدل نہیں مانتا تو وہ نفاق میں مبتلا ہے اور اگر وہ اسلام کو دینِ عدل مانتا ہے تو عدل کے قیام اور ظلم کے خاتمے کے لیے جدوجہد شرعی حکم کے ساتھ ساتھ اس کا ایک اخلاقی اور منطقی فرض بھی بنتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم کے خاتمے کے لیے مسلمان جماعت سے قتال اور گردن اڑانے جیسے عقلاً قبیح عمل کو بھی جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ [۲۹]

''اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرواؤ۔ پس [اس صلح کے بعد] اگر کوئی ایک جماعت دوسری جماعت پر ظلم کرے تو تم قتال کرو اس جماعت سے جو ظلم و زیادتی کرتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف

لوٹ آئے۔''

پاکستان میں نفاذ شریعت کے تین مناہج

نظام عدل کے قیام اور ظلم کے خاتمہ کے لیے اس وقت پاکستان میں تین بنیادی مناہج کے ساتھ کام ہو رہا ہے۔

پہلا منہج: انتخابی سیاست

ایک منہج تو جماعت اسلامی کا ہے جو انتخابی سیاست کے ذریعے نظام کی تبدیلی چاہتی ہے۔ ایک غلط نظام کی اصلاح کے لیے اس نظام کا حصہ بن کر اس کی اصلاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے اہل علم کے دو قول ہیں۔ ہمیں اس مسئلے میں اہل علم کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ ایک غلط نظام کی اصلاح کے لیے اس نظام میں شامل ہو کر اس کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ اس مسئلے کے جواز اور اس کے دلائل کی تفصیل معروف اہل حدیث عالم دین مولانا ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ کے فتاویٰ 'فتاوی ثنائیہ' میں موجود ہے۔

یہ واضح رہے کہ بعض مذہبی جماعتیں ایسی ہیں جو سیاست میں حصہ تو لیتی ہیں لیکن ان کا منشور نظام عدل کا قیام نہیں ہے بلکہ کچھ اور سیاسی و مذہبی مقاصد ان کے پیش نظر ہوتے ہیں' جیسا کہ مولانا فضل الرحمٰن وغیرہ کی سیاست کی ہم یہاں حمایت نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس باطل سیاسی اور انتخابی نظام میں شمولیت کی اجازت صرف اسی صورت جائز ہو سکتی ہے جبکہ کوئی بڑا شرعی مقصد مثلاً نظام عدل کا قیام کسی جماعت کی سیاست کا بنیادی منشور ہو۔

یہ بات بھی ہر کسی کے لیے عیاں ہے کہ انتخابی سیاست میں کس قدر گندگی، غنڈہ گردی، کرپشن، وڈیرہ شاہی اور استحصال موجود ہے جس کی وجہ سے ان تمام سیاسی ہتھکنڈوں کو استعمال کیے بغیر اس رستے سے نظام کی اصلاح بظاہر ناممکن نظر آتی ہے' لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ نظام کی مکمل اصلاح نہ سہی لیکن اسمبلیوں میں مذہبی عناصر اور اسلام پسند سیاسی جماعتوں کی موجودگی کے ضمنی اور جزوی فوائد کا انکار کسی طور بھی ممکن نہیں ہے۔

لہٰذا انتخابی سیاست کے ذریعے اسمبلیوں میں اپنی نمائندگی سے کسی قدر قانونی'

آئینی اور دستوری اصلاح کا کام تو ہوسکتا ہے' جو اپنی جگہ بہت اہمیت کا حامل ہے' لیکن مکمل نظام کی تبدیلی ایک سراب سے زیادہ کچھ محسوس نہیں ہوتی۔ ہم یہ بات پہلے واضح کر چکے ہیں کہ نفاذ شریعت اور نظام کی اصلاح کے منہج **'دعوت وجہاد'** میں مصلحت، سدالذرائع اور عرف وغیرہ کا لحاظ رکھا جائے گا اور انہی قواعد عامہ کی روشنی میں انتخابی سیاست کے ذریعے نفاذ شریعت کے قیام کا جواز نکلتا ہے۔ پس ہمارے خیال میں مذہبی افراد کو ہمیشہ اپنا ووٹ غلبہ اسلام کی داعی اسلام پسند اسلامی تحریکوں یا اشخاص کے حق میں کاسٹ کرنا چاہیے۔

دوسرا منہج: خروج وقتال

پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کا دوسرا رستہ تحریک طالبان پاکستان کا ہے جو خروج وقتال کا منہج ہے۔ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ کتاب وسنت میں قتال کی بنیادی علت ظلم بیان ہوئی ہے اور ظالم حکمران، چاہے مسلمان ہو یا کافر، اس سے قتال جائز ہے۔ لیکن یہ قتال اس صورت جائز ہوگا جبکہ اس کی استطاعت وطاقت موجود ہو۔ پاکستان کے حالات کے پیش نظر ریاستی افواج اور عوامی عسکری گروپس میں نسبت وتناسب نہ ہونے کے برابر ہے جس کی وجہ سے اس منہج اور طریق کار کا نتیجہ مخلص مذہبی عناصر سے ہاتھ دھونے' مسلمانوں کی باہمی لڑائی سے ان کے کمزور ہونے' مزید انتشار ذہنی وفکری بگاڑ کے پھیلنے' طوائف الملوکی کے عام ہونے اور ریاستی ظلم میں اضافے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ آج ہم قتال کے منہج کے ثمرات میں ان تمام نتائج کو بھگت رہے ہیں۔

البتہ اس مسئلے میں خلافت کے قیام کے لیے کام کرنے والی تحریک 'حزب التحریر' نے جو منہج پیش کیا ہے وہ کسی قدر قابل عمل نظر آتا ہے کہ اگر افواج پاکستان میں سے ہی کچھ مذہبی عناصر انقلاب لانے کی کوشش کریں تو کامیابی کا امکان ہے۔ ظالمانہ نظام کے خاتمہ اور نظام عدل کے قیام کے لیے اگر فوج میں ہی کسی بڑی سطح پر تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور کسی بڑے پیمانے کی قتل وغارت سے بچتے ہوئے کچھ صالح جرنیل اقتدار حاصل کر لیتے ہیں تو ہمارے خیال میں قتال کے منہج میں یہ ایک قابل عمل صورت ہے جس میں مصلحت' سدالذرائع اور عرف وغیرہ جیسے قواعد عامہ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ جہاں تک چھوٹی سطح کی

بغاوت کا معاملہ ہے جیسا کہ کرنل یا بریگیڈیئر لیول پر تو اس سے سوائے ناکامی اور مزید بگاڑ کے کچھ ہاتھ آنے والا نہیں ہے جیسا کہ 'خلافت آپریشن' کا نتیجہ سامنے ہے۔

پس عوامی عسکری جماعتوں اور تحریک طالبان پاکستان کا رخ اس وقت جہاد افغانستان' جہاد عراق اور جہاد فلسطین وغیرہ کی طرف موڑنے کی اشد ضرورت ہے تا کہ مسلمانوں کے اصل دشمن اور شر کے منبع امریکہ اور اسرائیل کو کمزور کیا جائے۔ ہمارے خیال میں یہ وہ ایک میدان ہے جہاں پاکستان کی عسکری و جہادی تنظیموں کو فِٹ ہو جانا چاہیے اور افغانستان میں امریکہ اور نیٹو فورسز کے خلاف لڑنے والے طالبان کی جانی و مالی حمایت ونصرت ہر مسلمان کا بنیادی فریضہ ہے اور بلاشبہ افغانستان کا جہاد'جہاد' ہے اور اس پر علمائے امت کا تقریباً اتفاق ہے۔امریکہ اور نیٹو فورسز میں ظلم وکفر دونوں انتہائی درجے میں پائے جاتے ہیں اور اسلام ظلم کی حکومت کو برداشت نہیں کرتا ہے۔

ظالم امریکی اور نیٹو فورسز کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ کے مقصد کے تحت لڑائی کے جہاد فی سبیل اللہ ہونے میں علماء کے اس اتفاق کے بعد کچھ شاذ آراء کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ اعتراض اور اختلاف کا پہلو تو ہر جگہ نکل ہی آتا ہے اور اعتراضات اور اختلافات تو خدا کے وجود پر بھی موجود ہیں۔

ہاں' مسلمان حکمرانوں کی تکفیر اور ان سے لڑائی میں اہل علم کے ہاں شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور اس مسئلے میں اہل علم کی اکثریت ان دونوں کی قائل نہیں ہے۔افغانستان کا جہاد ہمارے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ جبکہ کشمیر' عراق اور فلسطین کا جہاد' جہاد آزادی ہے کیونکہ ان تینوں مقامات پر جہاد کا اصل مقصود کسی اسلامی نظام کا قیام نہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعیت کو کفار کے اقتدار سے نجات دلانا ہے۔ پس اعلیٰ تر قتال کی صورت جہاد افغانستان کی ہے اور اس کے بعد فلسطین' عراق اور کشمیر کا جہاد ہے ۔ جہاں تک پاکستانی حکومت کے خلاف خروج یا پاکستانی سکیورٹی فورسز سے قتال کا معاملہ ہے تو اس بارے جمیع مکاتب فکر کے جمہور اہل علم کا کہنا یہ ہے کہ یہ درست نہیں ہے اور اس بارے کئی ایک اجتماعی فتاویٰ بھی جاری ہو چکے ہیں۔

تیسرا منہج: تحریک واحتجاج

پاکستان میں نفاذ شریعت اور نظام عدل کے قیام کا تیسرا منہج احتجاج کا ہے جو تنظیم اسلامی پاکستان کا منہج ہے۔ اس منہج کو پیش کرنے والے ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اگرچہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کوئی پختہ عالم دین نہیں تھے لیکن انہوں نے نظام کی تبدیلی کا جو منہج پیش کیا ہے اس میں نبوی منہج **'دعوت و جہاد'** میں مصلحت' سد الذرائع اور عرف کا بہت حد تک لحاظ رکھا گیا ہے۔ **'منہج انقلاب نبوی'** کے نام سے اپنی کتاب میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس منہج کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ خمینی کا انقلاب ایران اور پاکستان میں چیف جسٹس کی بحالی کے لیے وکلا تحریک اور مسلم لیگ (ن) کا عدلیہ کی بحالی کے لیے لانگ مارچ اس طریقہ کار کی کامیابی کے شواہد ہیں۔ اسی طرح حال ہی میں تیونس اور مصر میں عوام الناس کے احتجاج کے ذریعے جو ظالم بادشاہتیں گرائی گئی ہیں' وہ بھی احتجاجی منہج ہی کی مثالیں ہیں۔

اس منہج کے مطابق منظّم اور تربیت یافتہ صالح ومخلص افراد کی ایک معتد بہ تعداد پُرامن عوامی احتجاج' مظاہروں' دھرنوں' کانفرنسوں' سیمیناروں اور لانگ مارچوں کے ذریعے حکومت وقت سے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کرے اور اس مطالبے کے نتیجے میں یا تو حکومت وقت آئینی' دستوری اور قانونی سطح پر اسلامی نظام نافذ کر دے یا پھر اقتدار اسلام پسندوں کے لیے چھوڑ دے۔ ہم یہاں یہ پھر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اس طریق کار سے اجتماعی اور قانونی سطح پر تو اسلام نافذ ہو جائے گا لیکن افراد کے قلوب واذہان پر اسلام کے نفاذ کے لیے اس کے باوجود محنت کی ضرورت باقی رہے گی اور اس کے لیے بہترین منہج دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ۳۱

''اے مسلمانو! تم میں سے لازماً ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور انہیں معروف کا حکم دے اور منکر سے منع کرے اور یہی لوگ

فلاح پانے والے ہیں۔''

اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور مسلمانوں ہی کی ایک جماعت کو مسلمانوں میں ہی خیر کی دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے باوجود افراد کی اصلاح کے لیے دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ سورہ آل عمران بالاتفاق مدنی سورت ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر نفاذ شریعت کے منہج 'دعوت و جہاد' میں دعوت اور جہاد کے مابین کی ایک اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح میں امر بالمعروف کا زیادہ تعلق 'دعوت' اور نہی عن المنکر کا تعلق 'جہاد' سے جڑتا ہے۔ اس اصطلاح کی وضاحت میں مولانا جلال الدین عمری حفظہ اللہ کی کتاب **'معروف و منکر'** ایک نہایت اہم کتاب ہے۔ علاوہ ازیں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ایک رسالے **'امر بالمعروف و نہی عن المنکر'** میں اس اصطلاح سے متعلقہ گہری ابحاث پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

احتجاجی سیاست کے اس طریق کار کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ جمیع مسالک اور مکاتب فکر کے علماء اور اسلامی و جہادی تحریکیں ۲۲ نکات اور قرارداد مقاصد کی روشنی میں ایک بہت بڑی عوامی احتجاجی تحریک کی بنیاد رکھیں جس کا منشور نظام عدل کا قیام اور ظلم کا خاتمہ ہو۔ یہ تحریک اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے جبکہ اس میں اخلاص عمل، رضائے الٰہی اور اخروی نجات جیسے مقاصد پیش نظر ہوں اور اگر تو متفرق مسالک، مذہبی جماعتوں اور اسلامی تحریکوں کا اس احتجاجی تحریک میں شمولیت کا مقصد وزارتوں اور عہدوں کی بندر بانٹ میں اپنا حصہ لینا اور اقتدار کی بہتی گنگا میں اپنے ہاتھ دھونا ہو گا تو پھر ایم ایم اے (متحدہ مجلس عمل) کا سرحد میں لایا ہوا اسلام سب کے سامنے رہنا چاہیے۔

علاوہ ازیں راقم دل کی گہرائی سے یہ احساس رکھتا ہے کہ پاکستان میں احتجاجی سیاست کے ذریعے انقلاب لانے کے لیے ایک ایسے نئے اور نوجوان خون کی ضرورت ہے کہ جس میں ابھی تک جماعتی تعصب، مسلکی فرقہ واریت اور مذہبی انتہا پسندی کے جراثیم اور وائرس داخل نہ ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

*****

مصادر و مراجع

١ـالبخاری محمد بن إسماعيل الجعفی، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ واذكر فی الكتاب مريم إذ انتبذت من أهلها، دار ابن كثير، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٩٨٧ء، ٣/ ١٢٧٠

٢ـالمائدة: ٥: ٤٨

٣ـابن تيمية أحمد بن عبد الحليم، مجموع الفتاوى، دار الوفاء، الطبعة الثالثة، ٢٠٠٥ء، ٢/ ٤٦٠ـ٤٦١؛ ١١/ ٢١٨ـ٢١٩؛ ١٥/ ١٥٩؛ ١٩/ ١١٣

٤ـوهبة الزحيلی الدكتور، أصول الفقه الإسلامی، دار الفكر، دمشق، الطبعة الأولى، ١٩٨٦ء، ٢/ ٨٤٣

٥ـأيضاً

٦ـالأنبياء: ٢١: ٥٢ـ٥٤

٧ـطٰهٰ: ٢٠: ٤٧ـ٥٢

٨ـطٰهٰ: ٢٠: ٤٤

٩ـأصول الفقه الإسلامی: ٢/ ٧٣٣

١٠ـالمائدة: ٥: ٦٧

١١ـصحيح بخاری، كتاب الحج، باب الخطبة أيام منى، ٢/ ٦٢٠

١٢ـفصلت: ٤١: ٣٣

١٣ـالحجرات: ٤٩: ١٣

١٤ـالنحل: ١٦: ١٢٥

١٥ـالفرقان: ٢٥: ٦٣

١٦ـالأنعام: ٦: ١٠٨

١٧ـيوسف: ١٢: ١٠٨

١٨ـالحجر: ١٥: ٩٤

١٩ـالشعراء: ٢٦: ٢١٤

٢٠ـمريم: ١٩: ٩٧

۲۱۔نوح : ۷۱ : ۵
۲۲۔نوح : ۷۱ : ۸
۲۳۔نوح : ۷۱ : ۹
۲٤۔الفرقان : ۲۵ : ۵۲
۲۵۔مسلم بن حجاج أبو الحسن القشیری، المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم المسمی بالجامع الصحیح أو صحیح المسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱/ ٦۹
۲٦۔أبو داؤد سلیمان بن الأشعث السجستانی، سنن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب کراهیة ترك الغزو، دار الکتاب العربی، بیروت، ۲/ ۳۱۸
۲۷۔أیضاً
۲۸۔الحج : ۲۲ : ۳۹
۲۹۔الحجرات : ٤۹ : ۹
۳۰۔ثناء اللہ مدنی الحافظ، فتاوی ثنائیہ مدنیہ، دار الارشاد، لاہور، ۱/۶۳۳۔۶۳۸
۳۱۔آل عمران : ۳ : ۱۰٤

*****

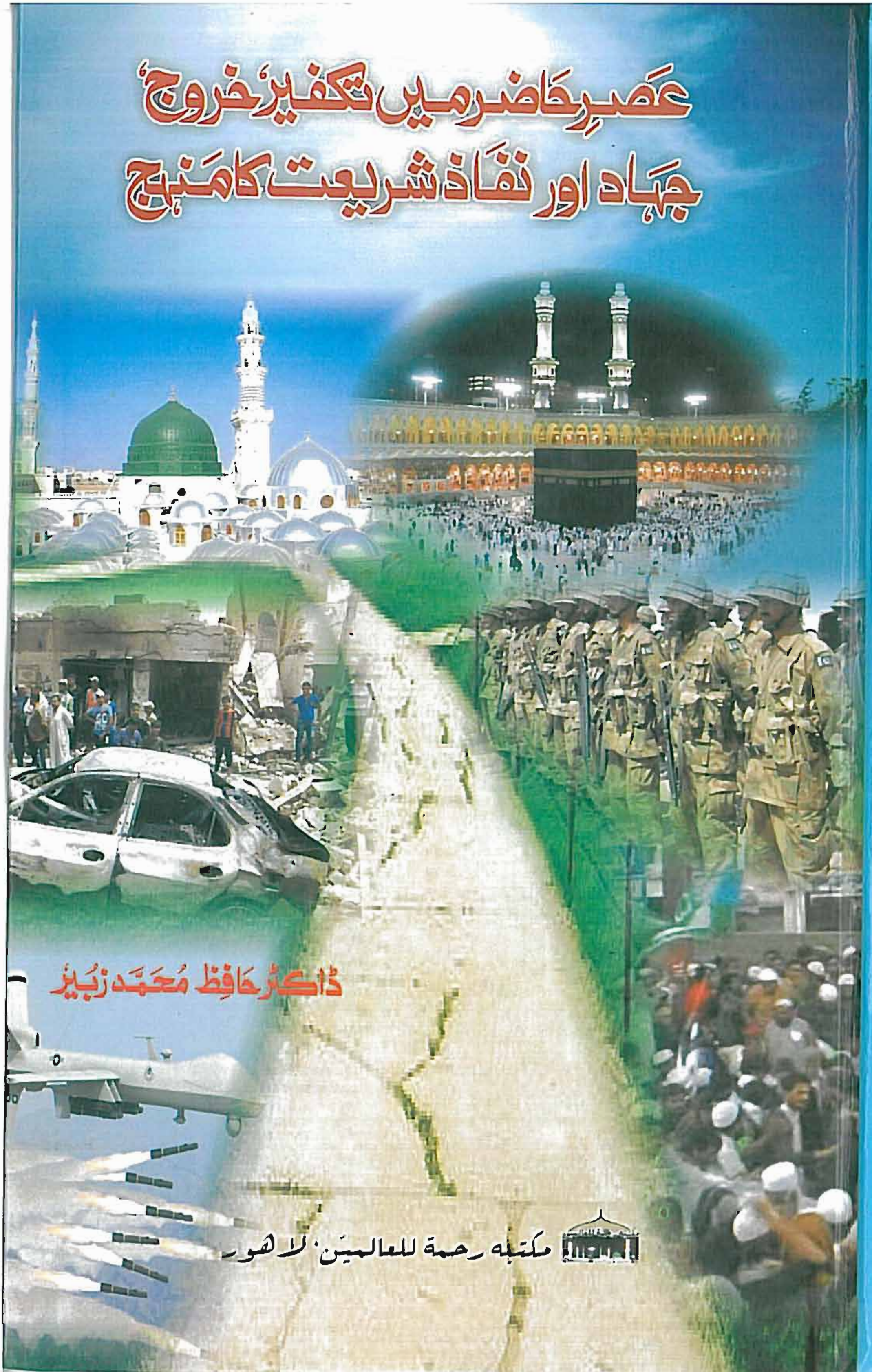
عصرِ حاضر میں تکفیر، خروج،
جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
مکتبہ رحمۃ للعالمین، لاہور